

از کلاس سید علی

# کلیات آتش

جلد دوم

از  
خواجہ حیدر علی آتش

مترجم  
سید مرتضیٰ حسین فاضل کسروی

مجلس ترقی ادب لاہور

کلیاتِ آتش جلد دوم،

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول : جون ۱۹۷۵ ع

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر

: احمد ندیم قاسمی

ناظمِ مجلسِ ترقیِ ادب ، لاہور

طابع

: سید ظفر الحسن رضوی

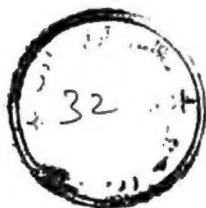
مطبع

: ظفر سنز پرنٹرز ، ۹ - کوہر روڈ ، لاہور

سرورق وغیرہ : مطبعِ عالیہ ، ۱۲۰ نمبر روڈ ، لاہور

قیمت

: ۹۹ روپے



بعض اصنافِ مکین و مکان و بعض احوالِ زمین و زمان

۱۳۲  
اردو کا کلاسیکی ادب

# کلیاتِ ادب

ترتیب  
سید رفیع حسین قاضی کاصنوی

ناشر

مجاہد ترقی ادب ۲- زرنگہ داس گارڈن لاہور  
کلمب روڈ

## فہرست

صفحہ

غزل

نمبر شمار

ردیف واؤ

- ۱ - فکر میں مضمونِ عالی کے جو دل آمادہ ہو - - - ۱
- ۲ - براگِ آئندہ یاں رہ نہیں عشقِ مجازی کو - - - ۲
- ۳ - سرمہ منظورِ نظر ٹھہرا ہے چشمِ یار کو - - - ۳
- ۴ - نالہٗ جاں سوز نے پھونکا دل بے تاب کو - - - ۵
- ۵ - دوست ہی جب دشمنِ جاں ہو تو کیا معلوم ہو - ۶
- ۶ - بیدِ مجنوں دور سے خم ہو گیا تسلیم کو - - - ۷
- ۷ - شفا مریضِ محبت کو زینہار نہ ہو - - - ۸
- ۸ - دھیان اس کا کلِ مشکیں کا جو آیا مجھ کو - - ۹
- ۹ - چاند کہنا ہے غلط یار کے رخساروں کو - - - ۱۰
- ۱۰ - چشمِ بیمار کا یارب ! کوئی بیمار نہ ہو - - - ۱۲
- ۱۱ - سروِ یستان تجھ سے گو اے بادِ صرصر خشک ہو - ۱۳
- ۱۲ - مجھ سراپا داغ کا کیا گو گلستانِ سبز ہو - - - ۱۴
- ۱۳ - ترے سوا کوئی ترکیبِ دل پسند نہ ہو - - - ۱۵
- ۱۴ - کیجیے ثابتِ دہانِ روئے رشکِ یار کو - - - ۱۶
- ۱۵ - طولِ شبِ فراق کا قصہٗ بیاں نہ ہو - - - ۱۸
- ۱۶ - حلقہٗ دام ہیں وہ نرگسِ فتانِ مجھ کو - - - ۱۹
- ۱۷ - صاف ہو ہرچند بد باطن ، عزیزِ دل نہ ہو - - ۲۰



- ۱۸ - کیا بادۂ گلگوں سے مسرور کیا دل کو - - - ۲۲
- ۱۹ - کھائے گا خنجرِ جتلاد کا چرکا پہلو - - - ۲۳
- ۲۰ - دلایا یاد شبِ آس نے جو تیری ساقِ سیمیں کو - ۲۴
- ۲۱ - لپٹ کر یار سے چوما نہایت روئے رنگیں کو - - ۲۶
- ۲۲ - دل بے تاب کو فریاد و فغان کرنے دو - - - ۲۸
- ۲۳ - جور و جفاے یار سے رنج و محن نہ ہو - - - ۲۹
- ۲۴ - سامنے آنکھوں کے پہروں ہی بٹھایا یار کو - - ۳۱
- ۲۵ - دوست رکھتے ہیں جوانِ مردِ اہلِ جوہر یار کو - - ۳۲
- ۲۶ - کیا ہوا نادم دکھا کر آئند میں یار کو - - - ۳۴
- ۲۷ - جو نعمتِ عشق کی چاہے تو راحت جان ایذا کو - ۳۵
- ۲۸ - یا رب ! آغازِ محبت کا بغیر انجام ہو - - - ۳۷
- ۲۹ - بے یار ساری رات جلایا شراب کو - - - ۳۸
- ۳۰ - بے قراری میں مری یار اثر پیدا ہو - - - ۴۰
- ۳۱ - ٹیو کریں مار کے 'مردوں کو جلاتے نہ چلو - - ۴۱
- ۳۲ - محبت سے بنا لیتے ہیں اپنا دوست دشمن کو - - ۴۳
- ۳۳ - حاضر ہیں ہم جو معرکہ کارزار ہو - - - ۴۴
- ۳۴ - ہوسِ نعمت کی بعدِ مرگ بھی رہتی ہے انساں کو - ۴۷
- ۳۵ - کریں گے جمع معنی فہم اجزائے پریشاں کو - - ۴۸
- ۳۶ - ہنسنا ہی خوش آیا ، نہ تو رونا مرے دل کو - - ۵۰
- ۳۷ - نکلتی کس طرح ہے جانِ مضطر دیکھتے جاؤ - - ۵۲
- ۳۸ - رخ ہو ، خطِ رخسار سے کیا کام ہے ہم کو - - ۵۳
- ۳۹ - حسرتِ شادی نہیں جانِ غمِ آلود کو - - - ۵۴

## ودیف ہائے ہٹوز

- ۱ - ہے نرالی کششِ عشقِ جفا کار کی راہ - - - - ۵۶
- ۲ - دیکھا ہے سبو کو جو دھرے سر کے تلے ہاتھ - ۵۷
- ۳ - اس قدر دل کو نہ کر اے بتِ سفاک! سیاہ - - ۵۸
- ۴ - سرخ مہندی سے نہیں آس بتِ خوں خوار کے ہاتھ - ۵۹
- ۵ - پاس دل رکھتا ہے منظورِ نظر ہر آنہ - - - ۶۱
- ۶ - معشوق نہیں کوئی حسین تم سے زیادہ - - - ۶۲
- ۷ - مرد آلودہ نہ ہوں دنیاے بازی گر کے ساتھ - ۶۳
- ۸ - اونچا ہو لاکھ تار سے بھی سرو چار ہاتھ - - ۶۵
- ۹ - ظاہر کسی کے دل کو ہو کیا خار خار کچھ - - ۶۷
- ۱۰ - خوب آگاہ ہے نظارے کے دستور سے آنکھ - ۶۷
- ۱۱ - کیونکر آن پر پڑے نہ سب کی آنکھ - - - ۷۰
- ۱۲ - سرمے سے سرمے یار کی جادو سے بھری آنکھ - ۷۱

## ودیف یائے تحتانی

- ۱ - خدا یاد آ گیا مجھ کو بتوں کی بے نیازی سے - ۷۳
- ۲ - گیسوے مشکیں رخِ محبوب تک آنے لگے - - ۷۴
- ۳ - صبر ہرچند ہے سینے کے لیے سل بھاری - - - ۷۶
- ۴ - واقعہ دل کا جو موزوں ہے تو مضمون غم ہے - ۷۷
- ۵ - خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزو تیری - - ۷۹
- ۶ - کوچہ دلبر میں میں ، بابل چمن میں مست ہے - ۸۱
- ۷ - شوقِ وصلت میں ہے شغلِ اشک افشانی مجھے - ۸۲
- ۸ - عشقِ آس کا جان کھوتا ہے برنا و پیر کی - - - ۸۳

- ۹ - کب تک وہ زلف دیتی ہے آزار دیکھیے - - - ۸۶
- ۱۰ - کون سے دل میں محبت نہیں جانی تیری - - ۸۷
- ۱۱ - مہندی سے تیرے ہاتھ کی گل ضرب دست کھائے - ۸۹
- ۱۲ - پیمبر میں نہیں، عاشق ہوں جانی - - - ۹۰
- ۱۳ - وہ افسوں ہے ہماری شعر خوانی - - - ۹۲
- ۱۴ - صدمہ ہے دوش پر سر و گردن کے بوجھ سے - ۹۳
- ۱۵ - رنگ جو جو کچھ کہ چاہیں لائیں بن میں آبلے - ۹۴
- ۱۶ - رہ گیا چاک سے وحشت میں گریباں خالی - - ۹۵
- ۱۷ - بند نقابِ عارضِ دلدار توڑے - - - ۹۷
- ۱۸ - حسرتِ جلوۂ دیدار لیے پھرتی ہے - - - ۹۸
- ۱۹ - رفتگان کا بھی خیال اے اہلِ عالم کیجیے - - ۱۰۰
- ۲۰ - اثر رکھتی مئے گلگوں کی کیفیت کا ہستی ہے - ۱۰۱
- ۲۱ - کام ہمت سے جواں مرد اگر لیتا ہے - - - ۱۰۳
- ۲۲ - اللہ ری روشنی مرے سینے کے داغ کی - - - ۱۰۴
- ۲۳ - حسنِ امرد کا بہت مائل دل بے باک ہے - - ۱۰۶
- ۲۴ - کبھی جو جذبِ محبت سے کام ہوتا ہے - - ۱۰۷
- ۲۵ - جالِ حور و ہری پر ہے طعنہ زن مٹی - - - ۱۰۹
- ۲۶ - آبلوں سے خارِ صحرا ہی نہیں سر کھینچتے - - ۱۱۰
- ۲۷ - بے رخ یار مجھے جان سے بیزاری تھی - - - ۱۱۲
- ۲۸ - ایڑیوں تک تری چوٹی کی رسائی ہوتی - - - ۱۱۳
- ۲۹ - پیر بن تیرے شہیدوں کے گلستان ہو گئے - - ۱۱۴
- ۳۰ - کوئے جاناں چمن سے بہتر ہے - - - ۱۱۵
- ۳۱ - کون سی شب ہے جو رو رو کے نہیں کٹتی ہے - ۱۱۷

- ۳۲ - آنکھ پڑتے ہی قرار و صبر و طاقت لے گئے - - - ۱۱۸
- ۳۳ - ہے یہ آمیندِ قوی زلفِ رساے یار سے - - - ۱۱۹
- ۳۴ - کوچہٴ یار میں چلیے تو غزل خواں چلیے - - - ۱۲۱
- ۳۵ - برنگِ آئنا انسان کی قسمت ہے اگر سیدھی - - - ۱۲۲
- ۳۶ - کوچہٴ تیرا عیش باغِ اے یار! بے تاویل ہے - - - ۱۲۳
- ۳۷ - کیفِ مے نے سرخ وہ رخ کر دیا عناب سے - - - ۱۲۵
- ۳۸ - گل سے افزوں مری آنکھوں میں ہیں دل جو کانٹے - - - ۱۲۷
- ۳۹ - وہم سا اک اے بتِ مغرور! پیراہن میں ہے - - - ۱۲۸
- ۴۰ - پیری میں آئے وہ رخِ روشن نظر مجھے - - - ۱۳۰
- ۴۱ - چمن کا رنگ تجھِ بنِ اپنی آنکھوں میں مبتدل ہے - - - ۱۳۲
- ۴۲ - ہاتھ مشتاقِ گریباں ہے، جنوں کا جوش ہے - - - ۱۳۳
- ۴۳ - فصلِ گل ہے خون... دختِ رز کا جوش ہے - - - ۱۳۵
- ۴۴ - پاسِ رسوائی سے دل پر مردے کا سا جبر ہے - - - ۱۳۶
- ۴۵ - خونِ تیغِ زنوں کے دمِ شمشیر سے ٹپکے - - - ۱۳۷
- ۴۶ - تیرہ و تار جہاں ہو دلِ روشن ٹوٹے - - - ۱۳۹
- ۴۷ - چلی ہے ایسی زمانے میں کچھ ہوا آلی - - - ۱۴۱
- ۴۸ - سرِ شمع ساں کٹائیے پر دم نہ مارے - - - ۱۴۲
- ۴۹ - یارِ قاتل ہے تو کس کو موت سے پرہیز ہے - - - ۱۴۳
- ۵۰ - کوچہٴ یار کے نظارے میں اغیارِ الجھے - - - ۱۴۵
- ۵۱ - منزلِ گور اب مجھے اے آسماں! درکار ہے - - - ۱۴۶
- ۵۲ - شبِ برات جو زلفِ سیاہِ یار ہوئی - - - ۱۴۸
- ۵۳ - غم نہیں، کوئے بتاں میں جو نہیں جا خالی - - - ۱۴۹
- ۵۴ - موت مانگوں تو رہے آرزوے خواب مجھے - - - ۱۵۱

نمبر شمار	غزل	صفحہ
۵۵ -	برق بے پردہ اگر چہرہ نورانی ہے	۱۵۲
۵۶ -	روے خورشید سے روشن رخ نورانی ہے	۱۵۳
۵۷ -	کیا کیا نہ رنگ تیرے طلب گار لا چکے	۱۵۴
۵۸ -	زلزلہ گاہ ، گہے چشمہ خوں جاری ہے	۱۵۶
۵۹ -	دیدہ مشتاق کو منظور تو عالم میں ہے	۱۵۷
۶۰ -	اللہی افعی گیسوے دلستان کاٹے	۱۵۸
۶۱ -	مردم دیدہ رہے سایہ مژگان کے تلے	۱۶۰
۶۲ -	اب کی زندہ ہم اگر یار کے در تک پہنچے	۱۶۱
۶۳ -	ابلیس حسد سے رہے تدبیر میں میری	۱۶۳
۶۴ -	زاہد فریفتہ ہیں مرے نونہال کے	۱۶۴
۶۵ -	رخصت یار کا جس وقت خیال آتا ہے	۱۶۶
۶۶ -	میری قسمت میں لکھی موت جو تلوار کی تھی	۱۶۷
۶۷ -	ہردم تیرے دروں سے ہم آفت طلب رہے	۱۶۸
۶۸ -	عاشقِ روے کتابی اگر انساں ہووے	۱۷۰
۶۹ -	رشک پنچہ ، مرجاں ، پنچہ خنائی ہے	۱۷۱
۷۰ -	دیوانہ اک پری کا ہے رکھتی ہوا مجھے	۱۷۳
۷۱ -	گوشِ گل کو نالہ مرغِ خوش الحان چاہیے	۱۷۴
۷۲ -	تیری ابروے پیوستہ کا عالم میں فسانہ ہے	۱۷۶
۷۳ -	اے جنوں ہوتے ہیں صحرا پر آتارے شہر سے	۱۷۷
۷۴ -	دل کو گھر اس گل کی آفت کا بنایا چاہیے	۱۷۸
۷۵ -	عاشق ہوں میں نفرت ہے مرے رنگ کو رو سے	۱۸۰
۷۶ -	یہ وصیت مری ساقی نہ فراموش کرے	۱۸۲
۷۷ -	یہ آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرنے	۱۸۳

- ۷۸ - خاک ہونے سے درِ دلدار نے جا دی مجھے - - ۱۸۴
- ۷۹ - مرغِ دل کو ہدفِ ناوکِ مڑگاں کرتے - - - ۱۸۸
- ۸۰ - ظاہر ہے یہ اے یار! تری کم سخی سے - - ۱۸۹
- ۸۱ - دمِ شمشیر کی موجِ نفس میں یاں روانی ہے - ۱۹۰
- ۸۲ - سینے پر سنگِ ملامت جو گراں جاں روکے - - ۱۹۱
- ۸۳ - بوجنا بت کا نمازِ زاہدِ سالوس ہے - - - ۱۹۳
- ۸۴ - تصویرِ کھینچی اس کے رخِ سرخِ فام کی - - - ۱۹۵
- ۸۵ - فرقت کی شب میں گرمیِ روزِ قیام کی - - - ۱۹۶
- ۸۶ - شبِ فرقت میں یارِ جانی کی - - - - ۱۹۸
- ۸۷ - واقف ہوئی خزاں نہ بہاری بہار سے - - - - ۲۰۰
- ۸۸ - بہار آئی چھکا ساقی شرابِ روح پرور سے - - - ۲۰۲
- ۸۹ - وہی چتون کی خونخواری جو آگے تھی سو اب بھی ہے - ۲۰۴
- ۹۰ - عارف ہے وہ جو حسن کا جوہا جہاں میں ہے - ۲۰۵
- ۹۱ - طفلی میں بھی شادی متوحش رہی ہم سے - - ۲۰۷
- ۹۲ - قاتلِ عاشق ہر اک اُس ترک کا انداز ہے - - - ۲۰۹
- ۹۳ - خرمنِ عمر جلے تیرے لبِ خنداں سے - - - ۲۱۱
- ۹۴ - خام کو شادی ہے ، غمِ پختہ کو ہے احساں سے - ۲۱۲
- ۹۵ - کام آخر نہ ہوا اپنا صفِ مڑگاں سے - - - - ۲۱۳
- ۹۶ - ساغرِ صافِ مٹے حبِ علیؑ مشرب ہے - - - - ۲۱۵
- ۹۷ - اے صنم! جس نے تجھے چاند سی صورت دی ہے - ۲۱۷
- ۹۸ - نفسِ شقی بھی روح کے ہمراہ تن میں ہے - - - ۲۱۸
- ۹۹ - تازہ ہو دماغِ اپنا ، تمنا ہے تو یہ ہے - - - - ۲۲۰
- ۱۰۰ - ایذا میں روح ہے تنِ خانہ خراب سے - - - - ۲۲۱

- ۱۰۱ - ظاہر ہوا ہمیں یہ تمہارے حجاب سے - - - - ۲۲۲
- ۱۰۲ - کوئی اچھٹا نہیں ہوتا ہے بُری چالوں سے - - - ۲۲۳
- ۱۰۳ - اتار، اتارنا ساق جو شیشہ طاق سے ہے - - - ۲۲۵
- ۱۰۴ - خواہاں ترے ہر رنگ میں اے یار ہمیں تھے - ۲۲۶
- ۱۰۵ - گنگ ایماے لبِ یار سے گویا ہووے - - - ۲۲۸
- ۱۰۶ - سر کاٹ کے کر دیجیے قاتل کے حوالے - - - ۲۲۹
- ۱۰۷ - آبلے پاؤں کے کیا تو نے ہمارے توڑے - - - ۲۳۰
- ۱۰۸ - پاتا ہوں مہر و مہ کو تھی عدل و داد سے - - ۲۳۱
- ۱۰۹ - یہ کس رشکِ مسیحا کا مکان ہے - - - - ۲۳۲
- ۱۱۰ - آتشِ نالہٗ بلبل سے دھواں ہوتا ہے - - - - ۲۳۴
- ۱۱۱ - خدا محفوظ رکھئے دل کو اُس افعیٰ کا کل سے - ۲۳۶
- ۱۱۲ - بالائے بامِ خانہ وہ عالی جناب ہے - - - - ۲۳۷
- ۱۱۳ - تنگ دنیا کی خرابی میں ہوں نازک خو سے - - ۲۳۹
- ۱۱۴ - شہرہٗ آفاق مجھ سا کون سا دیوانہ ہے - - - ۲۴۰
- ۱۱۵ - سائلِ نجات کا ہوں خدائے کریم سے - - - - ۲۴۲
- ۱۱۶ - آج تک واقف نہیں کوئی ہمارے حال سے - - ۲۴۴
- ۱۱۷ - خرامِ ناز میں شمشیرِ بے رانی کی روانی ہے - - ۲۴۵
- ۱۱۸ - بہارِ باغِ ایماے شرابِ ارغوانی ہے - - - - ۲۴۷
- ۱۱۹ - کہاں تک آنکھوں میں سرخی شرابِ خواری سے - ۲۴۸
- ۱۲۰ - عاشقِ جالباز کی گردن پر احسان کیجیے - - ۲۴۹
- ۱۲۱ - پیری سے مرا نوعِ دگر حال ہوا ہے - - - ۲۵۱
- ۱۲۲ - یہ کہاں داری ہے دم تک عاشقِ دلگیر کے - ۲۵۲
- ۱۲۳ - تیغِ ابرو نہیں دی جانے کی اے دل ! خالی - - ۲۵۳

- ۱۲۴ - لے کے تیشہ کھینچنا رنج و محن کیا چاہیے - - - ۲۵۵
- ۱۲۵ - صورت سے اس کی بہتر صورت نہیں ہے کوئی - - ۲۵۶
- ۱۲۶ - بازارِ دہر میں تری منزل کہاں نہ تھی - - - ۲۵۸
- ۱۲۷ - لختِ جگر کو کیونکر مژگانِ تر سنبھالے - - ۲۵۹
- ۱۲۸ - وہ کاوشِ خارِ خارِ غم کی ہم اے گلِ بدن! بھولے - ۲۶۰
- ۱۲۹ - دل لگی اپنی ترے ذکر سے کس رات نہ تھی - - ۲۶۱
- ۱۳۰ - ناز و ادا ہے تجھ سے دلارام کے لیے - - - - ۲۶۳
- ۱۳۱ - قفلِ درِ قبول نہ کھولے، بعید ہے - - - - ۲۶۴
- ۱۳۲ - ہر چشم کو دیدارِ ترا مَدِ نظر ہے - - - - ۲۶۶
- ۱۳۳ - آسماں! مر کے تو راحت ہو کہیں تھوڑی سی - - ۲۶۷
- ۱۳۴ - موت کو سمجھے رہیں گبر و مسلمان آئی - - - ۲۶۸
- ۱۳۵ - بادباں کا کام کرتی ہے گھٹا برسات کی - - - - ۲۷۰
- ۱۳۶ - غم نہیں ثابت قدم کو، گو جہاں گردش میں ہے - ۲۷۱
- ۱۳۷ - ماسوا تیرے نہیں رہنے کا کچھ ”یا باقی“ - - - ۲۷۲
- ۱۳۸ - کچھ نظر آیا نہ پھر جب تو نظر آیا مجھے - - ۲۷۵
- ۱۳۹ - کیا کہیے کہ ہے سوزِ داغِ جگر ایسی - - - ۲۷۷
- ۱۴۰ - جاں بخش لب کا یار کے رتبہ بلند ہے - - - - ۲۷۸
- ۱۴۱ - مجھ سے مستی میں جو ہوں شیشہ و ساغر ٹکڑے - ۲۷۹
- ۱۴۲ - خوش خطوں پر جو طبیعت مری آئی ہوتی - - - ۲۸۱
- ۱۴۳ - تیغ میں جوہر کہاں وہ ابروے خم دار کے - - ۲۸۲
- ۱۴۴ - نافہمی اپنی پردہ ہے دیدار کے لیے - - - - ۲۸۵
- ۱۴۵ - ٹھہرے نہ پھر، جو راہ میں تیری نکل چلے - - ۲۸۸



- ۲۹۰ - چہکارتے ہیں سرخ خوش الحان نئے نئے - - -
- ۲۹۱ - جوہر نہیں ہمارے ہیں صباد پر کھلے - - -
- ۲۹۳ - نکہت گل سے مجھے یار کی بو آتی ہے - - -
- ۲۹۵ - گل کی قبا نہ لالے کی دستار لے چلے - - -
- ۲۹۸ - اسیرِ لطف و کرم کی ربانی مشکل ہے - - -
- ۲۹۹ - وردِ زباں جنابِ محمدؐ کا نام ہے - - -
- ۳۰۲ - باغبانِ انصاف پر بلبل سے آیا چاہیے - - -
- ۳۰۴ - دل بہت تنگ رہا کرتا ہے - - -
- ۳۰۵ - زخمِ دل میں تیری فرقت سے ، جگر میں داغ ہے - - -
- ۳۰۷ - چمنستان کی گئی نشو و نما بھرتی ہے - - -
- ۳۰۸ - آتی ہے عیدِ قرباں خنجر کو لال کرتے - - -
- ۳۱۰ - تماشے چمن سے سیرِ کوئے یار بہتر ہے - - -
- ۳۱۱ - عتابِ لب کا اپنے مزہ کچھ نہ پوچھیے - - -
- ۳۱۳ - باز آئیں گے نہ بازیِ عیش و نشاط سے - - -
- ۳۱۳ - زندے وہی ہیں جو کہ ہیں تم پر مرے ہوئے - - -
- ۳۱۴ - دو دن کی زندگی میں رہے ہم مرے ہوئے - - -
- ۳۱۶ - کہتے ہیں ذکرِ لیلیٰ و مجنوں جو چھیڑے - - -
- ۳۱۶ - بہار آئی ، مراد چمن خدا نے دی - - -
- ۳۱۸ - ”یا علی“ کہہ کر بت پندار توڑا چاہیے - - -
- ۳۲۰ - مگر اس کو فریبِ ترگسِ مستانہ آتا ہے - - -
- ۳۲۱ - جاں بخش لب کے عشق میں ایذا اٹھائیے - - -
- ۳۲۲ - دہن پر ہیں ان کے گہاں کیسے کیسے - - -

نمبر شمار	غزل	صفحہ
۱۶۸ -	چپ ہو کیوں کچھ منہ سے فرماؤ خدا کے واسطے	۳۲۴
۱۶۹ -	چلا وہ راہ جو سالک کے پیش پا آئی	۳۲۴ - - - -
۱۷۰ -	سانپ کا زہر وہ گیسو میں آگنے والے	۳۲۵ - - - -
۱۷۱ -	آلتھتے ہی تیرے بزم سے سب آٹھ کپڑے ہونے	۳۲۶ -
۱۷۲ -	طاق ابرو میں پسند طبع اک دل خواہ کے	۳۲۸ - -
۱۷۳ -	ہوائے دور مٹے خوش گوار راہ میں ہے	۳۲۹ - - - -
۱۷۴ -	عدم سے جانب ہستی تلاش یار میں آئے	۳۳۱ - - - -
۱۷۵ -	معرفت میں تیری ذات پاک کے	۳۳۳ - - - -
۱۷۶ -	بخارِ دل ہے گھر آیا سحاب کے بدلے	۳۳۴ - - - -
۱۷۷ -	مضمونِ حسن و عشق نہیں کس غزل میں ہے	۳۳۶ -
۱۷۸ -	فصلِ گل میں کس کو عقلِ ذوفنون درکار ہے	۳۳۸ -
۱۷۹ -	موسلی و فرعون میں کچھ فرق غافل چاہیے	۳۳۹ -
۱۸۰ -	کیا کام خاصگانِ خدا کو ہے عام سے	۳۴۱ - -
۱۸۱ -	گستاخ بہت شمع سے پروانہ ہوا ہے	۳۴۳ - - - -
۱۸۲ -	بتوں سے حسرتِ بوس و کنار باقی ہے	۳۴۶ - - - -
۱۸۳ -	سرمہ لگا کے یار نے ترچھی نگاہ کی	۳۴۸ - - - -
۱۸۴ -	عنایت و کرم ابرِ بہار رکھتا ہے	۳۵۰ - - - -
۱۸۵ -	ہنر فرشتے کا خاکی بشر نہیں رکھتے	۳۵۲ - - - -
۱۸۶ -	گور میں دل سے خیالاتِ جہاں دور رہے	۳۵۵ - - -
۱۸۷ -	اندیشہٴ صیاد، نہ یاں بیمِ خزاں ہے	۳۵۶ - - - -
۱۸۸ -	گردن کو جھکائے صفِ احباب کھڑی ہے	۳۵۸ - - -
۱۸۹ -	رخ کا پتا ملے جو وہ زلفِ رسا ملے	۳۵۹ - - - -
۱۹۰ -	تنگ داسی نے نہ دم لینے کی فرصت دی مجھے	۳۵۹ - -

۳۶۰	فردیات -
	مخمس:
۳۶۱	بھڑک کے عشق کی سارے بدن میں آگ لگی
	واسوخت:
۳۶۳	آگے اک یار نہ تھا یار، ترے یار تھے ہم
۳۷۰	عبارت سروق کلیات طبع ۱۲۶۳ء
۳۷۵ تا ۳۷۱	خاتمة الطبع و قطعات تاریخ



# ردیف واؤ

۱

فکر میں مضمونِ عالی کی جو دل آمادہ ہو  
دست بستہ بام پر ہر سرو قد استادہ ہو  
پھر بھی وقتِ فکر ہم باندھیں حناے دستِ یار  
لاکھ یہ مضمون رنگیں پیش پا افتادہ ہو  
عشق پیدا کر کسی مستانہ آنکھوں کا دلا  
خانہ تاریک میں روشن چراغِ بادہ ہو  
آستانِ کدیر تک جاوے تو اے کعبہ نشین !  
پردہ بابِ صنم خانہ ترا سجادہ ہو  
عشق ہونے میں نہیں ادنیٰ و اعلیٰ کی تمیز  
خوبصورت ہو، گدا زادہ ہو یا شہزادہ ہو  
آشنا چشمِ سخنداں سے رہے میرا کلام  
منزلِ مقصود کی ہر سطرِ دیوانِ جادہ ہو  
مبیز پیراہن میں رنگِ سرخ یوں ہے یار کا  
جیسے میناے زسرد گوں میں گلگوں بادہ ہو  
حسن کے آغاز کا انجام ہو یارب بخیر  
نقشِ حب کا خطِ نورس سے وہ روئے سادہ ہو

خشت رکھ کر زیرِ سر سونا ہے خاک گور پر  
 صاحبِ مسند ہو تو ، یا صاحبِ سجادہ ہو  
 خار پیدا ہوں نہ جس جا ، گل شگفتہ ہوں وہیں  
 آسماں آس کو بنادوں ، جو زمیں افتادہ ہو  
 فرشِ مہزہ پر لبِ جو مجھ کو پینی ہے شراب  
 خیمہٴ ابرِ سیہ ، اے آسماں ! استاد ہو  
 بے ادب وادی میں اپنے پاؤں رکھ سکتے نہیں  
 خارِ رہ نقشِ قلم ہو ، مارِ رہزن جادہ ہو  
 چھین کر شمشیرِ قاتل سے رگڑتا ہوں گلو  
 جان سے اپنی نہ تنگ اتنا کوئی دل دادہ ہو  
 روسیہ دشمن عبث کرتا ہے میری پیروی  
 بندہٴ زنگی بناوٹ سے نہ صاحبِ زادہ ہو  
 پاؤں رکھتا ہے جو آتشِ کوچہٴ جلال میں  
 زندگی سے ہاتھ دھو کر مرگ کا آمادہ ہو

ابرنگ آئنے یاں رہ نہیں عشقِ مجازی کو  
 صفائے قلب نے حاصل کیا ہے پاک بازی کو  
 ہماری خاک کو اے شہِ سوارو عرش دکھلایا  
 خدا بمت زیادہ دے تمہاری ترک تازی کو  
 مالِ کار ہے دعوایے باطل کا پشیانی  
 خدا سے اے بتو نیکیو طریقِ کار سازی کو

جلا کرتی ہے گھل گھل کر ہمیشہ شمع کا فوری  
یہ کس گورے بدن کی آس نے دیکھا ہے گدازی کو  
نہیں غم تیغِ ابرو سے قتل ہونے کا  
شہادت بھی بمنزل فتح کے ہے مردِ غازی کو  
نزوں کعبے سے بھی سجدہ طلب محرابِ آبرو ہے  
جھکنی پڑتی ہے گردنِ نمازی بے نمازی کو  
بتوں نے کج ادائی کی تو کی شکوہ نہیں آس کا  
خدا بھی کام فرماتا ہے ہم سے بے نیازی کو  
خیالِ زلفِ مشکیں روح کو قالب میں آفت ہے  
مکانِ تنگ میں کوڑا غضب ہے اسِ تازی کو  
دلادیں یاد خورشیدِ قیامت کو وہ رخسارے  
بہلادے زلفِ شبِ گون روزِ محشر کی درازی کو  
کفنِ خلعت ہے ، میں دولہا ، جنازہ تختِ دامادی  
براقیِ نوحہ گر ہمراہ ہیں شہنا نوازی کو  
زباں کو بند کر آتش بس اب اس یاوہ گوئی سے  
گوارہ کیجیے تا کے تری بے امتیازی کو

اسرہ منظور نظر ٹھہرا ہے چشمِ یار کو  
نیل گون گنڈا پنہایا مردمِ بیمار کو  
حال پر میرے توجہ کیا ہو چشمِ یار کو  
جبرِ تکلیفِ نگہ ہے مردمِ بیمار کو

حسن بے پردہ کا عالم جلوہ گر پاتا ہوں میں  
 دم پھڑک جاتا ہے عریاں دیکھ کر تلوار کو  
 زلف کو دیکھے ، اگر دیکھا نہ ہو آبرِ مہ  
 برق دیکھی ہو نہ جس نے دیکھے اُس رخسار کو  
 مطلع ہو کچھ تو حال زار سے وہ بے وفا  
 زعفران سے لکھ کے خط بھیجا ہے میں نے یار کو  
 روئے روشن سے مشابہ ہے نہایت آفتاب  
 دھوپ میں بٹھلانے کا مجھ تشنہ دیدار کو  
 میری آہوں کے دھنویں نے گھر بنایا خانہ باغ  
 نرگس شہلا کیا ہر روزن دیوار کو  
 رات بھر آنکھوں کو اُس آسید پر رکھتا ہوں بند  
 خواب میں شاید کہ دیکھوں طالع بیدار کو  
 بھول جاوے عالم اپنی چال کا طاؤس مست  
 نشہ مے میں اگر دیکھے تری رفتار کو  
 غنچہ گل کو یہ نسبت ہے دہانِ تنگ سے  
 جس طرح تشبیہ غنچے کی دہن سے غار کو  
 وصفِ قامت میں ہر اک مصرع ہے دوپہلو کا شرط  
 سرو بھی کہتے ہیں ، بوٹا بھی قدِ دلدار کو  
 صبر کو کھو کر نہ ہوگا تو بھی اے دل باغ باغ  
 پھولتے پھلتے نہیں دیکھا غریب آزار کو  
 لکھ کے خط حسرت میں قاصد کے لہو رویا یہ میں  
 کر دیا چشمِ کبوترِ روزن دیوار کو  
 بوٹیاں اپنے کف پا کی جو صحرا میں اڑیں  
 رقبہ میخِ کبابِ آتش ملا ہر خار کو





پہن کر ہوشاک سرخ آیا جو تو بالائے بام  
 راہ رو سمجھے شفق میں مہرِ عالم تاب کو  
 پست فطرت کو ہمیشہ سربلندوں سے ہے لاگ  
 زلزلہ ڈھاتا ہے دیوار و در و محراب کو  
 امن میں رکھتی ہے جورِ چرخ سے وارفتگی  
 منزلِ رہزن میں اندیشہ نہیں سیلاب کو  
 کیا نفاق انگیز ہم جنساں ہوائے دہر ہے  
 نیند اڑ جاتی ہے ستنے سے نفیرِ خواب کو  
 روز و شب رویا میں آتش رفتگاں کی یاد میں  
 عمر بھر آنکھیں نہ بھولیں صورتِ احباب کو

## ۵

ادوست ہی جب دشمنِ جاں ہو تو کیا معلوم ہو  
 آدمی کو کس طرح اپنی قضا معلوم ہو  
 پھر گیا ہے اس قدر رنگِ زمانہ ، چاہیے  
 آئنے میں بھی نہ صورت آشنا معلوم ہو  
 آنکھ پاتے ہی خیالِ یار نے کی دل میں راہ  
 مل ہی رہتا ہے مکانِ جس کا پتا معلوم ہو  
 عاشقوں سے ہوجھیں خوں لبِ جاں بخش کی  
 جوہری کو قدرِ لعلِ بے بہا معلوم ہو

خطِ توام میں لکھا ہے یار کو مکتوبِ شوق  
 آرزوے وصل کا تا مدعا معلوم ہو  
 کانپتا ہے آہ سے میری رقیبِ رو سیاہ  
 اژدہا فرعون کو موسیٰؑ کا عصا معلوم ہو  
 اس لیے مارا آن آنکھوں نے مجھے ، تا خلد میں  
 چشمِ حورانِ بہشتی سے دغا معلوم ہو  
 دام میں لایا ہے آتشِ سبزہ خطِ بتان  
 سچ ہے کیا انساں کو قسمت کا لکھا معلوم

ایدِ مجنوں دور سے خم ہو گیا تسلیم کو  
 ہر بگولا سرو قد اٹھا مری تعظیم کو  
 کون کہتا ہے الف بوٹا سے قد کو یار کے  
 لام کو زلفوں سے کیا نسبت ، دہن سے میم کو  
 گورے گالوں پر ترے زیبا ہے خالِ عنبریں  
 تھا یہی مہنا مزاوار ایسے لوحِ میم کو  
 شانہ گیسوے جاناں میں صفا حاصل ہوئی  
 آئنے حاضر ہے ناز و غمزہ کی تعلیم کو  
 مہرباں ہو دوست ، کچھ دشمن کا چل سکتا نہیں  
 آتشِ نمرود ہے گلزار ، ابراہیمؑ کو  
 خواب و بیداری یہ مرگ وزیست ہے اے بے خبر!  
 لوحِ دل پر سے مٹا نقشِ امید ویم کو

ہمتِ مردانہ نے آتش کیا ہے بے نیاز  
جانتا ہوں میں گدا سلطانِ ہفت اقلیم کو

۷

اشفا مریضِ محبت کو زینہار نہ ہو  
برنگِ شمع نہ ہوں ہم اگر بخار نہ ہو  
کمالِ شہرہٴ حسنِ حبیب سنتا ہوں  
ڈھلا ہوا کوئی مضمونِ آبدار نہ ہو  
ہوا تو پھر آسے جاتے ہوئے نہیں دیکھا  
غبارِ چشمِ دلِ یار کا غبار نہ ہو  
درِ حرم کو ہے تشبیہ طاقِ ابرو سے  
سوادِ کعبہٴ مقصود زلفِ یار نہ ہو  
فقیر کو نہیں درکار طاقِ کسریٰ کا  
بلند نقشِ قدم سے مرا مزار نہ ہو  
پیادہ پا ہوں پر آڑتا ہوں باؤ کے مانند  
ہلاکِ نقشِ قدم سے مرے سوار نہ ہو  
صنم پرستی کو زاہد روا رکھے نہ رکھے  
گلہ نہیں ہے جو صوفی شرابِ خوار نہ ہو  
کبھی کبھی جو دکھا آئے روئے رنگیں تو  
خزاں میں مرغِ چمن کو غمِ بہار نہ ہو  
فراقِ یار میں احوال کیا کہوں اپنا  
دلِ دونیم نہ ہو ، جانِ بے قرار نہ ہو

کمال موت کا مشتاق ہے دل یار  
خزاں کا باغ میں نرگس کا انتظار نہ ہو  
بہت اسے دل بہت بلند کھاتا ہے  
غمِ فراق کہیں شیر کا شکر نہ ہو  
برائے گ سایہ گزر شاہراہ بستی سے  
کسی کے دوش کا آتش جنازہ بار نہ ہو

## ۸

’دھیان آس کا کلِ مشکیں کا جو آیا مجھ کو  
خواب میں آ کے سیاہی نے دبایا مجھ کو  
نہ سنا تھا سو وہ کانوں نے سنایا مجھ کو  
جو نہ دیکھا تھا ان آنکھوں نے دکھایا مجھ کو  
’شکر صد ’شکر تعلق نہ ہوا دل کو کہیں  
یار و اغیار کے جھگڑے سے ’چھڑایا مجھ کو  
واشد دل کے لیے باغ میں آنکلا تنہا  
یار بن ’غنجوں نے ہنسی ہنس کے ’رلایا مجھ کو  
’طور پر حضرت ’موسیٰ نے تجلی دیکھی  
بام پر یار نے دیدار دکھایا مجھ کو  
آس پری رو کے جو گیسو کا ہوا سودائی  
میں نے جانا کہ یہ دل پیچ میں لایا مجھ کو

۱۔ کلیات نول کشور میں ”بلند رکھتا ہے“ تحریر ہے ۔

۲۔ گلیا طبع علی بخش ص ۱۳۵ ، لون کشور قدیم ص ۱۲۵ ، جدید

ص ۱۹۸ ، بہارستان سخن ص ۱۵۵ ۔

جان بھی نکلی دمِ نزع تو آسانی سے  
 کارِ مشکل کوئی درپیش نہ آیا مجھ کو  
 فکرِ اشعار میں کائی شبِ تاریکِ فراق  
 رات بھر صبح کے مضمون نے جگایا مجھ کو  
 بعدِ مردن بھی دکھاوے کی شجاعت جوہر  
 شیرِ مارے گا جو روباہ نے کھایا مجھ کو  
 جوشِ وحشت میں جو آکٹا کے کبھی آٹھ بھاگا  
 سیکڑوں کوس غزالوں نے نہ پایا مجھ کو  
 شام سے پہلوے خالی نے اک آفت ڈھائی  
 صبح تک طالعِ خفستہ نے جگایا مجھ کو  
 حشر کے روز میں اتنا تو کہوں گا آتش  
 ان پری رویوں نے دیوانہ بنایا مجھ کو

## ۹

چاند کہنا ہے غلط یار کے رخساروں کو  
 نسبتِ ذرہ خورشید نہیں تاروں کو  
 اے صنم! ہووے نہ خورشید قیامت طالع  
 دھوپ میں تو نہ بٹھا اپنے گنہگاروں کو  
 حسنِ یوسف کو ترے حسن سے نسبت کیا ہے  
 پھونک دے گرمی بازار خریداروں کو  
 داغ چپچک کے ترے چاند سے منہ پر دیکھے  
 پہلوے ماہ میں دیکھا جو نہ ہو تاروں کو

ہوں وہ مردودِ خلائق کہ یقین ہے پس مرگ  
 سہو ہو فاتحہ خیر مرے یاروں کو  
 اے بتو! دل میں تمہارے جو اثر ہو تو نہ ہو  
 زلزلے آئے ہیں ان نالوں سے کہساروں کو

یار بن مجھ کو چمن ہو گیا آتش خانہ  
 برگِ گل سے نہ رہا مرتبہ انگاروں کو  
 عیدِ قرباں ہے ، ہزاروں ہی گلے کٹتے ہیں  
 تو بھی آزاد کر اب اپنے گرفتاروں کو

اے اجلِ جسم سے چھٹ بھی چکے جان شیریں  
 زندگی تلخ ہوئی ہے مرے غم خواروں کو  
 اپنی بیماری کی حالت کو وہ صحت سمجھے  
 دیکھے نرگس جو تری چشم کے بیماروں کو

منہ نہیں پھرنے کا قاتل کی طرف سے میرا  
 چہرے پر کھاؤں گا میں یار کی تلواروں کو  
 جان گھبراتی ہے سینے میں تو دل کہتا ہے  
 توڑے قلعہ فولاد کی دیواروں کو

کوئی انسان یہ سوا سخت نہ پایا ہم نے  
 موت آئی نہ شبِ بجر کے بیداروں کو  
 اپنے ہاتھوں سے کیا جب مجھے بیدرد نے قتل  
 غیر تو مر ہی گئے ، داغ رہا یاروں کو  
 جا کے اس باغ سے کیا یاد کریں گے آتش  
 چشمِ تر ہم کو ملی ، خشک زباں خاروں کو

چشمِ بیمار کا یا رب کوئی بیمار نہ ہو  
 زلف کے پھندے میں دشمن بھی گرفتار نہ ہو  
 حسن تکلیف لبِ بامِ آسے دیتا ہے  
 شرم سے جھاتی ہے سایہ پسِ دیوار نہ ہو  
 برہن آنکھوں کو ملتا ہے جو پائے بت پر  
 رشک آتا ہے مجھے سنگِ درِ یار نہ ہو  
 ٹھوکریں کھائیں گے دل ، جانیں نکل جاویں گی  
 یار کی چال ہے ، یہ کبک کی رفتار نہ ہو  
 غیر سے یار سوا تشنہ خوں ہے میرا  
 دشمن و دوست کی آنکھوں میں کوئی خار نہ ہو  
 متصل نالوں کی آواز چلی آتی ہے  
 جسمِ خاکی قفسِ مرغِ گرفتار نہ ہو  
 کر دیا ہے یہ حوادث نے دلِ عالم سرد  
 آتشِ حسن سے بھی گرمیِ بازار نہ ہو  
 نام سنتا ہوں جو میں گور کی اندھیاری کا  
 دل دھڑکتا ہے جدائی کی شبِ تار نہ ہو  
 گور میں ساتھ لیے جائیں گے اپنے ہم آسے  
 نہیں ہوتا جو گوئی دل کا خریدار، نہ ہو  
 بے طرح جوش میں سیلابِ سرشک آیا ہے  
 چار دیوارِ عناصر کہیں مسار نہ ہو

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۳۶ ، نول کشور قدیم ص ۱۲۵ ،

جدید ص ۱۹۹ ، بہارستان سخن ص ۱۵۸ -

۲۔ نول کشور جدید : ”اسے کرتا ہے“

چمنِ دہر میں وہ سبزۂ خوابیدہ ہوں  
 باغِ جنت کی ہوا سے بھی جو بیدار نہ ہو  
 باغباں خاطرِ بلبل نہ شکستہ ہووے  
 دل بیار ہے یہ نرگسِ بیار نہ ہو  
 ترکِ کلفت کا ارادہ نہ کر آتشِ زہار  
 دل سے بیزار تو ہے، جان سے بیزار نہ ہو

## ۱۱

اسروِ بستان تجھ سے گواہ بادِ صرصر خشک ہو  
 غیر ممکن ہے بہارا مصرعِ تر خشک ہو  
 'خون' ہوا جاتا ہے دل، کیا دیدہ تر خشک ہو  
 روزِ ٹانکے ٹوٹتے ہیں، زخمِ کیوں کر خشک ہو  
 ٹھنڈی مائسوں میں اثر ہے یاں ہواے برف کا  
 سرد ہوں آتشِ کدے، خونِ سمندر خشک ہو  
 بھیک سے بدتر دُعا بھی مانگنا انساں کو ہے  
 ہاتھ آئے بے طلب نانِ جوہں گر خشک ہو  
 باغِ ویراں میں جو روؤں یادِ قدرِ یار میں  
 سبز ہو جاوے جو برسوں کا صنوبر خشک ہو  
 اس قدر کاہیدہ ہوں پس جائے زیرِ آبلہ  
 'سوکھ کر کانٹا اگر میرے برابر خشک ہو  
 تند 'خو' پہنچا سکیں عالی دماغوں کو نہ رنج  
 ارغواں زارِ عشقِ صرصر سے کیوں کر خشک ہو



داخلِ فردوس ہو آتشِ نفس مجھ سا اگر  
 گلشنِ جنت خزاں ہو ، حوضِ کوثر خشک ہو  
 چشمہٴ حیوان دہن ہے ، تو ذقنِ چاہِ عمیق  
 کس طرح سے سبزہٴ رخسارِ دلبر خشک ہو  
 سوزِ غم سے کیا کہوں ، میں حالِ دل اے ہم نشیں !  
 آگ لگ جائے جو اک دم دیدہٴ تر خشک ہو  
 کس توقع پر بھلا اس مے کدے میں ہم رہیں  
 لب نہ تر ہوویں اگر سارا سمندر خشک ہو  
 چار دن میں اُس نے سارا باغ ویراں کر دیا  
 یا الہی دستِ گل چینی ستم گر خشک ہو  
 وہ شجر ہوں میں جو تابستان میں جلنے سے بچے  
 موسمِ سرما میں پانی سے مقرر خشک ہو  
 حمزتِ آبِ بقا کا نقشِ دل پر سے مٹا  
 گور میں ایسا نہ ہو حلقِ اے سکندر خشک ہو  
 میری قسمت سے جو ہو انگور پیدا تاک میں  
 آبِ آس میں اُس کا مثلِ آبِ گوہر خشک ہو  
 غیرِ خالق کون کرتا ہے کسی کی پرورش  
 دایہ پیدا ہو جو آتشِ شیرِ مادر خشک ہو

## ۱۲

مجھ سراپا داغ کا کیا گو گلستانِ سبز ہو  
 یہ خیالِ خام ہے سروِ چراغاں سبز ہو

۱۔ کلیاتِ طبعِ علی بخش ص ۱۳۷ ، نول کشور قدیم ص ۱۲۶ ،

جدید ص ۲۰۱ ، بہارستانِ سخن ص ۱۷۴ ۔

حسرتِ ہابوس میں کھوئی ہے میں نے جانِ زار  
 خاک سے میرے حنا بے ابرِ باراں سبز ہو  
 وہ جو کامل ہیں فضیلت ہے انہیں ہر حال میں  
 سرخ ہووے یا سیہ یا خطِ قرآن سبز ہو  
 یادِ دلوائی ہے فصلِ گل مئے انگور کو  
 تاکِ خشک اے پرتوِ خورشید تاباں سبز ہو  
 حسنِ خاکی سے بہارِ باغ کو نسبت ہے کیا  
 زرد پھر ہوتا نہیں جب رنگِ انساں سبز ہو  
 سہرِ گلشن میں اگر ٹوٹے ترا بندِ نقاب  
 رنگِ آڑے رخسارِ گل سے سروِ بستاں سبز ہو  
 جامِ دے ساقی مئے گلگوں سے بھر کر، حیف ہے  
 خشک ہو نخلِ تمنا، کشتِ دہقان سبز ہو  
 جوشِ وحشت میں جو روتا ہوں کبھی دل کھول کر  
 زرد ہو جاتا ہے، کیسا ہی بیاباں سبز ہو  
 شیر کی آواز پیدا ہووے نے کے نالے میں  
 میرے مدفن کی جو مٹی سے لیستان سبز ہو  
 حسنِ سبزِ یار سے ممکن نہیں آتشِ فروغ  
 رنگِ پیدا کر کے گو شمعِ شبستان سبز ہو

۱۳

اترے سوا کوئی ترکیبِ دل پسند نہ ہو  
 جو برقِ طور بھی چمکے تو آنکھ بند نہ ہو

نکلتی ہی نہیں آئینہ خانے سے باہر  
 غرورِ حسن سے اتنا بھی خودپسند نہ ہو  
 گلے میں یار کے پڑنے کا ہاتھ ہے مشتاق  
 کسی غزال کی گردن کی یہ کمند نہ ہو  
 غرور کھوتی ہے تعلیم خاکساروں کی  
 آگے جو سرو مری خاک سے ، بلند نہ ہو  
 گوارا یاں دل دشمن کی بھی شکست نہیں  
 ہماری کفش سے موذی کو بھی گزند نہ ہو  
 زیادہ بوسے سے دشنام میں حلاوت ہے  
 وہ زہر ہے یہ کہ جس سے لذیذ قند نہ ہو  
 لبوں سے جان نکلنے دے ، ٹھہر جا قاتل  
 ہماری روح سے آگے ترا سمند نہ ہو  
 جو روئے حال پر اپنے وہ کیا کسی کو ہنسے  
 وہ دل دکھائے کسی کا جو دردمند نہ ہو  
 ہزاروں دیدہ بدیں تو اک نگاہ ہے پاک  
 غضب ہے ہو جو تری بزم میں سپند نہ ہو  
 برابر اس کے کھڑا ہو کے سرو اکڑتا ہے  
 الٹی قد بھی کسی کا بہت بلند نہ ہو  
 زباں وہ گنگ ہو جس سے نہ آفریں نکلے  
 وہ گوش کر ہو جو آتش سخن پسند نہ ہو

کیجیے ثابت دہان روئے رشک ماہ کو  
 کان مدت سے سنا کرتے ہیں اس افواہ کو

کوچہ محبوب میں آنکھوں نے اپنی بار بار  
 سرمے کی قیمت لیا ہے مول گردِ راہ کو  
 ہم فقیروں کو تمنا ہے یہی اے شاہ حسن !  
 جھاڑتے جاروبِ مژگاں سے تری درگاہ کو  
 باہر اس سے ہم نہیں جو کچھ ہماری ہے بساط  
 جان حاضر ہے جو ہو مطلوب اس دلخواہ کو  
 اس قدر ہے سر کو سوداے زنجندانِ حبیب  
 تشنہ لب کی آنکھ سے میں دیکھتا ہوں چاہ کو  
 برہمن حائل ہے تجھ کو جس طرح بت کا حضور  
 اس طرح پاؤں تو پھر چھوڑوں نہ میں اللہ کو  
 بھاگتا ہے اپنی آنکھوں سے خیالِ رومے یار  
 کس طرح آغوش میں لیتا ہے بالہ ماہ کو  
 روپ دکھلا کوئی تو ہم کو نیا اے آسمان  
 یاد کیا آنکھیں کریں گی اس تماشگاہ کو  
 کوتاہی کی ، ایک دن پہنچی نہ گوشِ یار تک  
 دور ہم سمجھے ہوئے تھے نصف شب کی آہ کو  
 موسمِ گل میں یہی ساقی سے کہتا ہوں میں مست  
 جامِ مالِ مالا دلوا اپنے دولت خواہ کو  
 دیکھیے دونوں میں کس کا ہو بخیر انجامِ کار  
 بت کو سجدہ برہمن کرتا ہے ، ہم اللہ کو  
 سبزہ خط نے کیا ہے جیسے اس رخ پر آبہار  
 کوہ پر بھاری سمجھتا ہوں میں برگِ کاہ کو  
 زلفِ حائل ہے نگہِ رخسارِ جانان پر نہ ڈال  
 ہے شگونِ بد دلا ! جب سانپ کاٹے راہ کو

پھر نہ نکلوں میں چمن سے جو صبا تیری طرح  
 غنچہ گل ہوں کبھی دیکھ کے خنداں مجھ کو  
 لب محبوب کی سرخی ہوں میں اس میں سنتا  
 لعل کو دیکھنے جانا ہے بدخشاں مجھ کو  
 فکرِ اشعار کو لازم ہے دماغی قوت  
 سونگھنا چاہیے وہ سیبِ زخداں مجھ کو  
 دل مرا نعرہٴ تکبیر بلا دیتا ہے  
 جتنے کافر ہیں سمجھتے ہیں مسلمان مجھ کو  
 موسمِ گل نہیں آتا ہے ، اجل آتی ہے  
 گور سے تنگ ہوا جاتا ہے زنداں مجھ کو  
 دستِ رنگیں کی تری بیعت آسے کرواتا  
 ہاتھ آتا جو کوئی پنچہٴ مرجاں مجھ کو  
 کم ہے جتنا کہ ہوں ممنون ترا بندہ نواز !  
 صورتِ انسان کی دی ، جوہرِ انساں مجھ کو  
 ہمہ تن ہو کے جو دل اس میں گروں اے آتش !  
 رکھے یوسف کی طرح چاہِ زخداں مجھ کو

۱۷

صاف ہو ہرچند بد باطن ، عزیزِ دل نہ ہو  
 کج نما آئینہ ہرگز دید کے قابل نہ ہو  
 روئے زیبا کا کسی محبوب کے مائل نہ ہو  
 دل تو دینا سہل ہے پر جان کی مشکل نہ ہو

یار تو بھولا ، کرے غماز ہی اے کاش یاد  
 دوست تو غافل ہوا ، دشمن کہیں غافل نہ ہو  
 نیم بسمل کی طرح سے زندگی ہے خراب  
 اس قدر بھی آدمی کو حسرتِ قاتل نہ ہو  
 اے صنم ! کوئی نہیں محبوب تجھ ما دوسرا  
 سخت کافر ہے جو وحدت کا تری قائل نہ ہو  
 مشقِ طفلان سے زیادہ روز ہوتا ہے سیاہ  
 نامہٴ عصیاں بہارا کاغذِ باطل نہ ہو  
 اے بتِ بے رحم ! عزرائیل عاشق کا نہ بن  
 سینہٴ بیمارِ الفت کے لیے 'تو' سل نہ ہو  
 ہے غرورِ حسنِ دو روزہ سے از خود رفتہ یار  
 اس قدر بھی نشہٴ معجونِ آب و گل نہ ہو  
 اٹھ چکا روزِ قیامت روئے قاتل سے نقاب  
 عرصہٴ محشر نگہ کے تیر کی منزل نہ ہو  
 حرمتِ کعبہ، طریقِ صاحبِ اسلام ہے  
 چاہیے رنجیدہ کافر کا بھی تجھ سے دل نہ ہو  
 ہے ہر اک مصرعِ مرا خطِ بتاں کے وصف میں  
 مدعا ے عشق کو اس سے کبھی حاصل نہ ہو  
 ڈوب جانا پارِ آترنا ہے محیطِ عشق سے  
 یہ تو ہے بحرِ محبت ، گر نہیں ساحل نہ ہو  
 اپنے اشکوں کی جو غلطانی دکھاؤں میں آئے  
 گوہرِ غلطان کا 'نیاں سے صدف سائل نہ ہو  
 کنجِ تنہائی میں میں نے زندگی کی ہے بسر  
 گور بھی میری کسی کی گور کے شامل نہ ہو  
 ۱۔ کلیات کے نسخوں میں "گوہرِ غلطان کی" درج ہے ۔

دام میں صیاد نے کھینچا انہیں ، اچھا کیا  
 باغ ہے ، کچھ بلبل و قمری کی یہ محفل نہ ہو  
 حشر تک زیرِ زمین تڑپا کرے گا گور میں  
 کشتہ ابرو ہے آتش ، تیغ کا بسمل نہ ہو

## ۱۸

اکیا بادۂ گلگوں سے مسرور کیا دل کو  
 آباد رکھے داتا ساقی تری محفل کو !  
 مشتاق جو ہوتا ہوں کعبے کی زیارت کا  
 آنکھیں پھری جاتی ہیں طوفِ حرمِ دل کو  
 توڑے دلِ عاشق کو وہ بت تو عجب کیا ہے  
 کافر ہے سمجھتا ہے کیا کعبے کی منزل کو  
 نظارۂ صورت سے معنی کا خیال آیا  
 لیلیٰ کے ہوئے مجنوں ، ہم دیکھ کے محفل کو  
 آبِ دمِ تیغِ آبِ انگور ہے اے قاتل !  
 مستوں کی طرح پاتا ہوں رقص میں بسمل کو  
 رخ سے جو نقاب اپنے وہ آئندہ رو آئے  
 حیران ہو ، لے خود ہو ، سکتہ سا ہو محفل کو  
 سودائیوں کی تیرے روح آئی ہے قالب میں  
 اے زلفِ سیہ من کر آوازِ سلام کو  
 بے وجہ نہیں اپنے آڑنے کو یہ بھولا ہے  
 رخ کا ترے تل سمجھا کافور نے فلفل کو  
 کشتہ نہ ہو دل کیوں کر ، اللہ نے بھیجا ہے  
 شمشیر سے دو ابرو دے کر مرے قاتل کو

تاخیر نہ کر کوئے محبوب کے چلنے میں  
 کھوٹی نہیں کرتے ہیں فردوس کی منزل کو  
 بے طرح پھنسا ہے تو اس زلف کے پھندے میں  
 اللہ کرے آساں اے دن ! تری مشکل کو  
 جو چاہے سو مانگ آتش درگاہِ انہی سے  
 محروم کبھی پھرتے، دیکھا نہیں سائل کو

## ۱۹

اکھائے گا خنجرِ جلاد کا چرکا پہلو  
 زخم پہلو کو مبارک ہو جگر کا پہلو  
 بدفِ تیرِ نگہ میں جگر و دل دونوں  
 دیکھیے ہووے کب آباد کدھر کا پہلو  
 شبِ تنہائی جہنم میں مجھے رکھتی ہے  
 داغ پہلو سے نہ ہو گرم بشر کا پہلو  
 نالہ صبحِ شبِ وصل دلاتا ہے یاد  
 خالی ہوتا ہے مگر مرغِ سحر کا پہلو  
 بڑھ چلا لاکھ قد یار کی موزونی سے  
 مصرعِ سرو میں نکلا نہ کمر کا پہلو  
 بے قراری مری رکھتی ہے مرے پہلو سرد  
 نہ تو ڈھکتا ہے ادھر کا، نہ ادھر کا پہلو

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۴۰، نول کشور قدیم ص ۱۲۹،

جدید ص ۲۰۵، سراپا سخن ص ۲۴۲۔

۲۔ سراپا سخن میں ”مصرع سرو میں نکلا نہ کمر کا پہلو“



دور سے کوچہ دلبر کو کھڑا تکتا ہوں  
 نہ تو دیوار کا تکیہ، نہ تو در کا پہلو  
 زخم کاری ہے مری جان جدائی تیری  
 دم نکل جائے گا پہلو سے جو سر کا پہلو  
 یاد آتا ہے تل اس سب زخماں کا مجھے  
 نظر آ جاتا ہے داغی جو ثمر کا پہلو  
 صاف دل خاک ہو اس کافر کینہ جو سے  
 نکلے جب صلح کی باتوں میں بھی شر کا پہلو  
 کوئی صورت نہیں کم بخت کی آبادی کی  
 روز ویرانہ ہے مجھ خاک بسر کا پہلو  
 شور و اعظ سے نہیں کام قندح خواروں کو  
 پھر بگڑ جائے گی پایا جو ادھر کا پہلو  
 زخم پہلو کا خدا حافظ و ناصر ہووے  
 چاند سے صاف ہے اس رشکِ قمر کا پہلو  
 خلل انداز کا کیا ڈر، جو موافق ہو مزاج  
 کہیں ہوتا ہے جدا سکے سے زر کا پہلو؟  
 خاکساری نے فضیلت مجھے دی ہے آتش  
 شملہ شیخ دبا دے "دمِ خر کا پہلو"

'دلایا یاد شب اس نے جو تیری ساق سیمیں کو  
 رلایا صبح تک ہنس ہنس کے میں نے شمعِ بالیں کو

۱۔ نول کشوری نسخے میں ہے "دبا ہے"۔

۲۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۴۰، نول کشور قدیم ص ۱۲۹،

خزاں نے بیشتر کارِ گل و بلبل کیا آخر  
 جزائے خیر دے اللہ صیّاد اور گل چین کو  
 ہزار افسوس ہے ، اے بے مروت 'تو نہیں آتا  
 غش آجاتا ہے اکثر تیرے بے تابوں کی تسکین کو  
 تماشا دیکھتا ہوں گھر میں بیٹھے ہفت کشور کا  
 بنایا ہے مرا دل توڑ کر جامِ جہاں میں کو  
 تکلف سے مبرا ہے مزاجِ عاشقِ شیدا  
 نہ دیکھا قمریوں کی گردنوں میں طوقِ زریں کو  
 نئے ہر سال سرکارِ جنوں سے داغ ملتے ہیں  
 بہارِ گل کیا کرتی ہے جاری تازہ آئیں کو  
 نہ گھبرا اس قدر ، شامِ شبِ فرقت سحر ہوگی  
 دعا تو مانگ غافل ، مستعد اختر ہے آمیں کو  
 عدم پہنچائے گا شوقِ آس کمر کا مجھ کو ہستی سے  
 سمجھتا ہوں گڑھے میں گور کے گامِ نخستیں کو  
 سوارِ اسپ اے گلگوں قبا تجھ کو اگر دیکھیں  
 منجم منزلِ مترجِ سمجھیں خانہٴ زیں کو  
 پری سے چہرے پر لہرا کے سوسو بار آتی ہے  
 ہوا ہے آج کل سودا تمھاری زلفِ مشکیں کو  
 تمھیں دیکھے تو مجنوں سے سوا لیلیٰ ہو دیوانی  
 تمھاری دل فریبی چھین لے خسرو سے شیریں کو  
 سواری میں دکھائی دیں گے میری خاک کے ذرے  
 'موا ہوں دیکھ کر اک آفتابِ خانہٴ زیں کو  
 حسینوں کو ہے لازمِ رحمِ اہنے عشقِ بازوں پر  
 رعیت پر رعایت چاہیے کرنی سلاطین کو

ہماری قبر ہو مشقِ خرامِ ناز کی تختی  
 قلم کی چال ادا چلوائے اُن پائے نگاریں کو  
 بشر کو بعدِ نعمت کے ، ہے ہوقِ قدرِ نعمت کی  
 غنیمت جانتا ہے لنگِ اپنے پائے چوبیس کو  
 ہماری یار کی رہتی ہے جنگِ زرگری آتش  
 نہیں کچھ دخل اس قصے میں عقلِ مصلحت میں کو

۲۱

لیٹا کر یار سے چوما نہایت روئے رنگیں کو  
 چمن میں توڑتے دیکھا جو میں نے پھول گلچیں کو  
 ہمارا کاسہ سرِ راہ افتادہ ہے مدت سے  
 خدا توفیق دے ٹھوکر کی اُن پائے نگاریں کو  
 تمہاری زلف کے ہر مو کو ہیں اک اڑدہا کہتے  
 مزا دلوائیے ان شاعرانِ ناتواں ہیں کو  
 یہ گستاخی شبِ وصل اپنے ہاتھوں سے عجب کیا ہے  
 کریں طوقِ کمر جو یار کی ساقِ بلوریں کو  
 خرامِ ناز کی مشقِ آج کل ان کو نہایت ہے  
 رہا کرتا ہے گھڑیوں زلزلہ سا کوہِ تمکیں کو  
 سنی ہیں کافرانِ عشق کے منہ سے جو تعریفیں  
 مسلمان ڈھونڈتے پھرتے ہیں اُس غارت گرِ دیں کو  
 نظر ہڑ جائے جو تیرے صفائے رخ کا آئینہ  
 نگہ بد ہیں کی پھر کر کور کر دے چشمِ بد ہیں کو  
 فراقِ یار میں جب سامنے آیا تو آنکھوں نے  
 نگاہِ زہرِ آلودہ سے دیکھا خوابِ شیریں کو

کہاں بیچ و خم گیسوے مشکیں زلفِ سنبل میں  
 تمہاری نازک اندامی سے کیا نسبت ہے نسریں کو  
 فراقِ یار میں سودائے آسائش نہیں بہتر  
 نہ آئی نیند تو توڑوں گا سر سے خشتِ بالیں کو  
 گلِ رخسار اپنا تم نے جس شاعر کو دکھلایا  
 'موا' وہ ڈھونڈتے ہی ڈھونڈتے مضمونِ رنگیں کو  
 خیال آتا ہے دل کو جاں کنی کی جب کہ مشکل کا  
 زباں سے گوش پڑھوا کر سنا کرتے ہیں یسین کو  
 رسائی دارِ بستِ تاک تک جن کی نہیں ہوتی  
 وہ مفلس جانتے ہیں خوشہ انگور پرویں کو  
 جالِ یار سے روشن ہیں آنکھیں ، گھر منور ہے  
 نہیں پھولا ساتا دل ، خوشی ہے جانِ غمگیں کو  
 فقیری کا ترے کوچے کی جن کے سر کو سودا ہے  
 ہروں کا تکیہ وہ سمجھے ہوئے ہیں خشتِ بالیں کو  
 جھکائے رکھے گی کب تک حیاے حسن وہ آنکھیں  
 کوئی دن چشمِ ہوشی طائرِ دل سے ہے شاہیں کو  
 بشر کیا کر سکیں گے کامِ دستِ قدرتِ حق کا  
 بنایا خوب صورت یار سا اک لعبتِ چیں کو  
 وہ طفلی کا بھی عالم یاد ہے آج اے شکار افکن  
 لپٹ جاتا تھا ہم سے ، دیکھ کر تو شیرِ قالین کو  
 تمنّا دولتِ دنیا کی اے آتش نہیں رہتی  
 قناعت سے غنی اللہ کر دیتا ہے مسکین کو

'دل' بے تاب کو فریاد و فغاں کرنے دو  
 پہلے غماز ہی کو قصہ بیاں کرنے دو  
 جانبِ دشتِ عدمِ خیمہ رواں کرنے دو  
 وحشتِ دل کو علاجِ خفقاں کرنے دو  
 سوزِ دل میری طرح سے نہ بیاں ہووے گا  
 شمعِ کافوری کو بھی چرب زباں کرنے دو  
 کوہِ غم ٹوٹنے پر آہ ہے یاں کم ظریفی  
 ٹھیس سے کاسہ چینی کو فغاں کرنے دو  
 سامنے آہی گیا لشکرِ اندوہ و ملال  
 اب تو سیدھے مری آنکھوں کو نشان کرنے دو  
 آخرِ کار تہِ خاک ہے مسکنِ سب کا  
 اہلِ دولت کو بلند آج مکان کرنے دو  
 میں تو شاعر نہیں، عاشق ہوں، مجھے کیا ڈر ہے  
 کاکلِ یار پہ افعی کا گہاں کرنے دو  
 رنگِ آڑ جائے گا رخسارِ نافرمان سے  
 باغ میں تم مری آہوں کو دھواں کرنے دو  
 اس کا افسانہ دکھا دے گا مجھے خوابِ عدم  
 کمرِ یارِ نزاکت کو نہاں کرنے دو  
 انتظارِ ملکِ الموت میں بیدار ہوں میں  
 بختِ خفتہ کو مرے خوابِ گراں کرنے دو

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۴۲، نول کشور قدیم ص ۱۳۰، جدید

ص ۲۰۷۔  
 ۲۔ لکینؤ کے ایڈیشنوں میں ہے: ”مری آہو کو دھواں کرنے دو۔“  
 لاہوری ایڈیشن میں ”آہوں کا دھواں کرنے دو“ غلط چھپا ہے۔

آج تک آہ کے کدوڑوں سے بدن نیلا ہے  
 آسماں کو مجھے رسوائے جہان کرنے دو  
 کمر یار کا مضمون نہیں بندھ سکنے کا  
 موشگافوں کو رگِ گل کا گہاں کرنے دو  
 اہلِ اسلام ہوں ، غیبت نہیں شیوہ میرا  
 میرے دشمن کو مرے عیب عیاں کرنے دو  
 پھوٹ بہنے دو آنہیں یار کے آگے آتش  
 دل کا احوال بھی آنکھوں کو عیاں کرنے دو

## ۲۳

'جور و جفائے یار سے رنج و محن نہ ہو  
 دل پر ہجومِ غم ہو ، جبین پر شکن نہ ہو  
 شادی نہیں قبول مجھے ، غم قبول ہیں'  
 میری خوشی سے تنگ مرا پیرہن نہ ہو  
 دیکھوں تو تا کجا نہیں ہوتا ہے رام تو  
 انسان ہے آخر اے بتِ وحشی ہرن نہ ہو  
 رو اس قدر کہ آبروے ابرِ تر رہے  
 اتنا نہ ہنس کہ برق کبھی خندہ زن نہ ہو  
 پہنچے نہ راستی میں ترے قد کو قدرِ سرو'  
 ہم ہلتہ نازکی میں گلِ یاسمن نہ ہو  
 وہ کم نصیب ہوں کہ میسر کبھی جسے  
 معشوقِ نوجوان و شرابِ کمن نہ ہو

- 
- ۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۴۲ ، نول کشور قدیم ص ۱۳۱ ، جدید ص ۲۰۸ -  
 ۲ - علی بخش "قبول ہے" متن مطابق نول کشور -  
 ۳ - علی بخش : "قدرِ سرو" - جدید نسخوں میں "سرو قد" ہے -

آئینے سے حجاب نہ ٹوٹے حبیب کا  
 شانے سے صاف زلف شکن در شکن نہ ہو  
 شرمندہ پیش یار ہیں گلبرگ و آئینہ  
 ایسا لطیف و صاف کسی کا بدن نہ ہو  
 بیمار مدتوں سے ہے میرا دل حزیں  
 اس کا علاج ہوسہ سببِ ذقن نہ ہو  
 بوسوں سے عارضوں ہی کے لب لطف اٹھائیں گے  
 رخسار یار میں جو نہیں ہے دہن نہ ہو  
 ہستی میں یاد آئے نہ کیوں کر عدم مجھے  
 وہ آدمی نہیں جسے حُسن الوطن نہ ہو  
 ہم تشنہ لب موئے تو مزا چاہنے کی تھی  
 غیرت سے پانی پانی وہ چاہِ ذقن نہ ہو  
 عاشق ہوں میں معاف ہوں میرے سوا تجھے  
 عریاں جو چاہے اس کو میسر کفن نہ ہو  
 یہ رعبِ حسنِ یار سے محفل ہے دم بخود  
 ڈھونڈھو تو عرضِ حال کو پیدا دہن نہ ہو  
 کس گھر میں روشنی نہیں اندھیر ہے دلا  
 روشن چراغِ عشق سے قصرِ بدن نہ ہو  
 وہم و خیال کے بھی نہ ہاتھ آئے وہ کمر  
 حجت کا اس دہن کی کسی کو دہن نہ ہو  
 عالم پسند صورتِ زیبائے یار ہے  
 یہ سکتہ وہ نہیں ہے کہ جس کا چلن نہ ہو  
 کہہ کر ہر ایک عضو سے یہ روح چل بسی  
 اس طرح بے چراغ کسوٹی انجمن نہ ہو

سینگوں کو اپنے دیکھے ، کُھروں پر نظر کرے  
 ہم چشم یار چشمِ سید سے برن نہ ہو  
 رنگینی سخن رہے گی روزِ حشر تک  
 آڑ جائے چار دن میں یہ رنگ چمن نہ ہو  
 آتش جو بوسہ لے لے تو اس کا برا نہ مان  
 عاشق ہے اے صنم یہ ترا برہمن نہ ہو

سامنے آنکھوں کے پھروں ہی بٹھایا یار کو  
 سال مارا ہم نے ، لوٹا دولت دیدار کو  
 غش سے آنکھیں کھول کر دیکھے جو زلف یار کو  
 روزِ صحت کا شبِ تاریک ہو یار کو  
 آسماں پر حسن نے پہنچا دیا دل دار کو  
 دھوپ سایے کو کیا ، سورج کیا رخسار کو  
 چیر کر پہلو کیا قاتل کے خنجر نے کرم  
 اپنے گھر میں آیا مہاں توڑ کر دیوار کو  
 سلسلہ اپنا رخِ محبوب تک پہنچا دیا  
 زلف نے شیرازہ مصحف کیا زنتار کو  
 مشہدِ پروانہ میں اکثر جلائی ہم نے شمع  
 نامِ بلبل پر لٹایا بارہا گلزار کو  
 کس کے چار ابرو کے نظارے نے دم پھڑکا دیا  
 درمیاں پاتا ہوں دل کو ، چار سو تلوار کو



'ہرزے اڑتا ہے دل صیاد ہر نالے کے ساتھ  
 باغبان قینچی سمجھتا ہے مری منقار کو  
 ڈالتا ہے عاشقوں پر آپ کے رغبت کی آنکھ  
 آنکھ دکھلاؤ تم اپنے روزن دیوار کو  
 دردِ دل نے پردہ اپنی لاغری کا رکھ لیا  
 تارِ قانون کردیا نالوں نے جسمِ زار کو  
 چار ہی دن میں نہ رکھا بلبل و گل کا نشان  
 کھا گئی صیاد و گل چیں کی نظر گلزار کو  
 خواب میں بھی دیکھنے سے یار کے رکھتا ہے باز  
 فتنہٴ بیدار کہیے دیدہٴ بیدار کو  
 حلقہٴ اپنی بزم کا انصاف سے خالی نہیں  
 شمع روشن کی ، تو نیوتا مرغِ آتش خوار کو  
 دشمنوں کو جان کے ، دل کی طرح رکھا عزیز  
 گرگ کو پالا بغل میں ، آستیں میں مار کو  
 سرکشی نے پائی آتش خاکساری سے شکست  
 فضل سے اللہ کے توڑا بتِ پندار کو

## ۲۵

'دوست رکھتے ہیں جوان مرد اہلِ جوہر یار کو  
 تول کر زر سے سپاہی لیتے ہیں تلوار کو  
 صاف یوں کرتا ہے شانہ موئے جعدِ یار کو  
 جنتری میں کھینچتے ہیں جس طرح سے تار کو

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۴۳، نول کشور قدیم ص ۱۳۲، جدید

ص ۲۰۹، بہارستانِ سخن ص ۱۶۹ -

۲ - جعد = زلف -

کر دیا نوعِ دیگر 'سرمے نے چشمِ یار کو  
 نرگسِ شہلا بنایا نرگسِ بیار کو  
 خوش نویسی میں بھی کی اس طفل نے مشقِ ستم  
 خون سے بلبل کی لکٹھا قطعہٴ گلزار کو  
 ابروؤں سے وہ مسیں کیوں کر نہ ہوویں دل پذیر  
 خوب صورت ہم نے دیکھا راست خمِ تلوار کو  
 شمع کے شعلے کو جب گلگیر نے منہ میں لیا  
 پر نچا آنکھوں نے دیکھا مرغِ آتش خوار کو  
 سنگریزے کیا خدا اس کو نہ دیتا باغ میں  
 کبک نے رزاق سمجھا ہے مگر کُھسار کو  
 جب سے دیکھا ہے گذرگہ نگاہِ یار اسے  
 نائے ناوک جانتا ہوں روزِ دیوار کو  
 پیچھے رکھنا میرے داغوں پر اسے اے دوستو  
 آگ پر رکھ دیکھو پہلے مرہمِ زنگار کو  
 پردہٴ دل سے نکلنا نالے کا یاد آگیا  
 خوب رویا من کے میں آوازِ موسیقار کو  
 دستِ قدرت نے بنایا حسن کا مجھ کو گدا  
 آنکھوں کے کاسے دیے دریوزہٴ دیدار کو  
 سبز خط سے حسن نے گورے زخداں میں ترے  
 چشمہٴ کافور کی کائی کیا زنگار کو  
 یاد محرا نے یہ زنداں میں رلایا مجھ کو خوں  
 گل سے رنگیں کر دیا زنجیر کے ہر خار کو  
 خوں جگر ہوتا ہے ، یہ گفتار کیسی جانِ جان  
 پیستے ہو دل کو ، کیا کہتے ہیں اس رفتار کو

دل کو بہلاتا ہے وہ ترک آتش اپنی تیغ سے  
رقصِ بسمل کا دکھایا کرتی ہے وہ یار کو

۲۶

کیا ہوا نادم دکھا کر آئندہ میں یار کو  
تپ چڑھ آئی دیکھ اپنی نرگسِ بیمار کو  
سمجھے ہم دیکھا جو قند و ابروے دلداز کو  
راستی ہے تیر کو زبندہ ، خم تلوار کو  
چل کے دکھلا دے جو اندازِ خرامِ یار کو  
ہنس کی گردن میں میں ڈالوں موتیوں کے ہار کو  
طاقِ ابرو میں یہ چشمِ یار سے ظاہر ہوا  
بہرِ صحت لاتے ہیں مسجد میں بھی بیمار کو  
شربتِ عذاب ، آبِ تیغِ زہر آلودہ ہے  
سببِ انارِ آتشیں ہے عشق کے بیمار کو  
وہ تنک مشرب ہیں ہم خم خانہٴ افلاک میں  
نشہٴ زر ہو ، ہیں گر شربتِ دینار کو  
خاک سے روشن ضمیروں کی بنی ہے یہ مگر  
سیر بیرون و درون ہے وزن و دیوار کو  
چہرہٴ رنگیں کی دکھلائی تصور نے بہار  
بند آنکھوں کو کیا ، کھولا درِ گلزار کو  
جوشِ وحشت میں کیا میں نے گریباں چاک چاک  
ہڈیاں زخموں کی پہنائیں گلے کے ہار کو

یارِ بنِ سمجھا گلوں کو میں گنہ گاروں کی بھیڑ  
 سرو و سنبل نے دکھایا ریسبان و دار کو  
 وقتِ آخرِ عشقِ ہنساں یار پر ظاہر ہوا  
 نزع میں عیسیٰ نے پہچانا مرے آزار کو  
 لب بلب فریاد کو شیریں سے ہونا ہے محال  
 لعل قسمت میں نہیں کاٹا کرے کہسار کو  
 حسن کے جلوے سے روشن ہوں گے آنکھوں کے چراغ  
 کورِ مادرِ زاد دیکھیں گے ترے دیدار کو  
 بھر گیا آنکھوں میں آتشِ گورِ تیرہ کا گڑھا  
 خاک اڑائی میں نے ، جب سوچا مالِ کار کو

۲۷

جو نعمتِ عشق کی جا ہے تو راحت جان ایذا کو  
 عصا پیچھے دیا ، پہلے جلایا دستِ موسیٰ کو  
 وہ منصف ہوں اگر میں نے کیا ختمِ کلام اللہ  
 ثوابِ سورۃ یوسف دیا روحِ زلیخا کو  
 خدا جانے کہ ہو گا حال کیا ہم بادہ نوشوں کا  
 لڑا کر جام سے توڑا ہے بدستی میں مینا کو  
 حنا اے بحرِ خوبی تیرے دست و پا میں لازم ہے  
 نہیں دیکھا ہے خالی ہنجر، مرجاں سے دریا کو  
 شب و روز اس کو رقصِ شادمانی میں مینا پاتا ہوں  
 حصارِ عافیت گرداب نے سمجھا ہے دریا کو  
 دلِ ہڑمردہ ہوتا ہے شگفتہ کوئے جانان میں  
 ہوائے باغِ جنت زندہ کر دیتی ہے موتا کو

کیا استاد کو شاگرد اس طفلِ پری نے  
 ہڑھایا روزِ بسمِ اللہ علمِ عشقِ مُتلا کو  
 نہیں جس کا کوئی ، اس کا خدا ہے پوچھنے والا  
 اٹھاتے ہیں ملائک آ کے بے وارث کے موتا کو  
 مری میراث ہے خلدِ بریں ، فرزندِ آدمؑ ہوں  
 سرہانے جانتا ہوں اپنے میں زانوے حورا کو  
 شبِ تاریک میں آنکھوں کو وہ دل بر نظر آیا  
 سیہِ خیمے میں مجھ مجنوں نے دیکھا روئے لیل کو  
 تراشا تجھ کو جس بت ساز نے اے بت قیامت کی  
 بنایا شیشے سے نازک مزاج سنگِ خارا کو  
 دکھایا کس پری پیکر نے خالِ چہرہ رنگیں  
 غنیمت جانتا ہے لالہ اپنے داغِ سودا کو  
 چمن میں یارِ معروبن جو رویا میں تو اشکوں نے  
 گلوں کے کان کا جھمکا بنایا ہے ثریا کو  
 قریبوں سے نہ رکھ امداد کی امید مشکل میں  
 نکالا ناخن ہانے کہاں خارِ کفِ پا کو  
 وہ محبوبِ جہاں ہے تو ، ہوا نے تیرے کوچے کی  
 چھڑایا شیخ سے کعبے کو ، راہب سے کلیسا کو  
 بدلِ بیضا سا روشن بار کا رخسار ہے آتش  
 لبِ جاں بخش رکھتے ہیں دمِ ہاکِ مسیحا کو

۱۔ کلیات طبع علی بخش : ”رویا ہوں تو اشکوں نے۔“ نول کشور جدید :  
 ”رویا میں تو اشکوں نے۔“

'یا رب آغازِ محبت کا بخیر انجام ہو  
 شیشے میں آتھرے ہسری ، پختہ جنونِ خام ہو  
 دل کو عشقِ آتشِ گل سے جلا مثلِ سپند  
 نالہٗ اول میں اے بلبل تجھے آرام ہو  
 دفن ہوں دولت سرائے یار کی دہلیز میں  
 آس صنم کا آستانہ میرے گھر کا بام ہو  
 مرغِ دل کو کنچِ لب میں زلفِ پیچاں لے گئی  
 اس طرح سے جس طرح رہبرِ قفس کا دام ہو  
 اس قدر شوقِ قبائے تنگ و چست اچھا نہیں  
 جامے سے باہر نہ وہ محبوبِ گل اندام ہو  
 کیسی کیسی راحتیں ہائی ہیں کوئے یار میں  
 صبحِ جنت سے منور اس گلی کی شام ہو  
 مے سے تلوار اپنی بچھوئی ہے اس سفاک نے  
 دیکھیے لبریز کس کس بے گنہ کا جام ہو  
 دستِ انصاف و ترازوئے خرد موجود ہے  
 وہ تلیے اس چشم سے بے مغز جو بادام ہو  
 ابرِ دریا بار آ پہنچا قریب مے کدہ  
 ناخدائے کشتی مے ساقِ گلفام ہو  
 ہے یہی اپنی دعا زلفِ سیاہِ یار کو  
 ہو نہ جس سر کو ترا سودا ، اسے سرسام ہو

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۴۵ ، نول کشور قدیم ص ۱۳۳ ، جدید ص

۲ - نسخہٗ علی بخش میں ”بے گنہ کے جام ہو“ - نول کشور جدید و لاہور : ”بے گنہ کا جام ہو۔“

حسن کا شہرہ ہو ہم کو خاک میں ملوائے عشق  
 کارِ مردانہ کرے کوئی ، کسی کا نام ہو  
 چال وہ چلتے ہو ، دل ہستے ہیں جس پر ہر قدم  
 کام وہ کرتے ہو تم ، جس میں کسی کا کام ہو  
 کچھ تکلف چاہیے دولت سرائے یار میں  
 تقری دیوار و در ہوویں ، طلائے بام ہو  
 راز ہے ، سن لو اسے ، تم سے کہیے رکھتے ہیں ہم  
 انجمن میں بات خلوت کی نہ آتش عام ہو

۲۹

بے یار ساری رات جلایا شراب کو  
 تا صبح میں نے منہ نہ لگایا کباب کو  
 کھل جائے پردہ آپ کے حسن و جمال کا  
 عاشق نگاہ بد سے جو دیکھیں نقاب کو  
 آسیدوار ہیں نگہ لطف کے کھڑے  
 آنکھوں کے سامنے سے ہٹاؤ حجاب کو  
 ترک فراق یار ہے وہ ترک بدمذاق  
 کھا جائے بے نمک کے جو کچتے کباب کو  
 دندان یار کھلتے ہیں ہنسنے میں بیشتر  
 بے آبرو کریں گے یہ دُرِ خوشاب کو

---

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۴۵ ، نول کشور قدیم ص ۱۳۴ ، جدید  
 ص ۲۱۲ ، بہارستان سخن ص ۱۷۸۔ اس طرح میں ناسخ کی غزل کا  
 ایک خوبصورت شعر دیکھیے :

کرتے تھے فاش نشے میں بد مست سترِ غیب  
 اس واسطے حرام کیا ہے شراب کو

سنتے ہیں روزِ حشر کو منہ ہوگا اس طرف  
 ذرے بھی دیکھ لیں گے رخِ آفتاب کو  
 کچھ کچھ اثر تو ہونے لگا جذبِ عشق کا  
 غشُ سن کے ہم کو یار نے بھیجا گلاب کو  
 اس کا جواب ہے ، نہ تو اس کا جواب ہے  
 رخِ بار کو ملا ہے تو پشتِ آفتاب کو  
 قاصد کے ہاتھ آنے سے رشک آنے کا مجھے  
 لکھا ہے میں نے خط میں ، نہ لکھنا جواب کو  
 دل کو رہیں گے جوشِ محبت سے ولولے  
 ہوگا وہ مست جو کہ پیے گا شراب کو  
 فرقت میں یار کے ہے بھرا پیس کر نمک  
 آنکھوں میں اپنی ، میں نے جو دیکھا ہے خواب کو  
 پی کر شرابِ نشے سے اس نونہال نے  
 شمشیرِ آبدار کیا ہے شباب کو  
 بے گنتی ہوئے لیں گے رخِ دل پسند کے  
 عاشق ترے پڑھے نہیں علمِ حساب کو  
 رکھتے ہیں اہلِ مدرسہ بھی عشقِ یار سے  
 سمجھتے ہوئے ہیں روئے کتابی کتاب کو  
 سوداے زلفِ یار کی سر میں ہوا نہ رکھو  
 آنے دل لگا نہ جان کے پیچھے عذاب کو  
 اے شہسوارِ خانہٴ زیں کا ہے تو چراغ  
 یمنِ قدم سے تیرے شرف ہے رکاب کو  
 اترے ہو تم جو غسل کو ، عالم ہے وجد کا  
 دریا اچھالتا ہے کلاہِ حباب کو



نہات بے حساب کو تیرے کمی نہیں  
 پایا طعامِ خوان میں ، کوزے میں آب کو  
 آتش جو شوقِ کعبہ ہے دل سے کرو رجوع  
 دیکھو اُس آستانہٴ عالی جناب کو

۳۰

’بے قراری میں مری یار اثر پیدا ہو  
 سر کو دیوار سے ٹکراؤں تو در پیدا ہو  
 جوہر پاک سے پاکیزہ گمہر پیدا ہو  
 ’صلبِ یعقوب سے یوسف سا پسر پیدا ہو  
 خوش جہالوں سے زمانہ نہیں رہتا خالی  
 مہر پنہاں ہو نظر سے تو قمر پیدا ہو  
 ابرِ نیساں کے کرم سے ’درِ یکتا لاکھوں  
 گوش تو کوئی سزاوار گمہر پیدا ہو  
 شعر گوئی میں مری طبع کو دقت ہے پسند  
 خشک دلب ہوں تو اک مصرع تر پیدا ہو  
 بے نمودوں کو بھی ہو شوقِ نموداری کا  
 ناف کی طرح وہ معدوم کمر پیدا ہو  
 مجھ مسافر کی تو صورت نہ کسی نے دیکھی  
 میں تو پوشیدہ رہا گردِ سفر پیدا ہو  
 ایک دم میں میں ’لٹا دوں ابھی نشے میں اسے  
 مجھ کو دولت سے اگر نشہ زر پیدا ہو

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۴۶ ، نول کشور قدیم ۱۳۴ ، جدید ص ۲۱۳ -

۲ - علی بخش : ”میں لٹا دوں اسی نشہ میں اسے۔“

باغِ عالم میں ہوا چلتی ہے وہ وحشت خیز  
 صورتِ بید ہو مجنوں ، جو شجر پیدا ہو  
 عہدِ پیری میں طبیعت کو جواں ہم بھی کریں  
 خوب صورت جو وفادار بشر پیدا ہو  
 حلقہٴ زلف سے وہ چہرہٴ روشن نظر آئے  
 ظلمتِ شام میں بھی نورِ سحر پیدا ہو  
 میرے اشعار گلِ اندام پڑھیں اے آتش  
 فکرِ رنگیں میں مرے رنگِ اثر پیدا ہو

## ۳۱

’ٹھو کریں مار کے ’مردوں کو جلاتے نہ چلو  
 رشک سے خاک میں زندوں کو ملاتے نہ چلو  
 ان کی پازیب کی جھنکار سے آتی ہے صدا  
 فتنہٴ حشر کو بد خواب جگاتے نہ چلو  
 باغ میں آئے ہو ساتھ ان کے بھی پھر لو دو گام  
 کبک و طاؤس کا جھگڑا ہی چکاتے نہ چلو  
 برقِ شمشیر کی اچھی نہیں چالیں چلتی  
 راہ کو کاٹتے ، جادے کو جلاتے نہ چلو  
 ’سائلِ بوسہ کو منہ پھیر کے کہتا ہے وہ شوخ  
 نیک طینت ہو تو بد ذاتی پر آتے نہ چلو

- 
- ۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۴۶ ، نول کشور قدیم ص ۱۳۵ ، جدید  
 ص ۲۱۴ ، چمن بے نظیر ص ۱۷۶ -  
 ۲ - چمن بے نظیر :

مائل حسن کو منہ پھیر کے کہتا ہے وہ شوخ  
 خاک طینت ہو تو وہ ذاتی جلاتے نہ چلو

گرے پڑتے ہیں کنوؤں اور گڑھوں میں رہگیر  
 ذقن و ناف کے عالم کو دکھاتے نہ چلو  
 دو قدم ساتھ جو چلتا ہوں میں گریباں ان کے  
 یہی فرماتے ہیں ہنس ہنس کے ، ہنساتے نہ چلو  
 گوشالی دو نہ کلکشت میں گل کو پیارے  
 طفلِ غنچہ ہے غریب ، اس کو ڈراتے نہ چلو  
 پُر مشقت ہے روِ عشق ، نہ طے ہو دو گام  
 کوسوں دریا جو پسینے کے بہاتے نہ چلو  
 منہ چھپا کر یہ نکلنا ہے تمہارا اندھیر  
 رہ نشیں عاشقوں کو راہ بتاتے نہ چلو  
 مشقِ رفتار کرو ، گرم روی کی نہ سہی  
 کون سی چال ہے یہ ، آگ لگاتے نہ چلو  
 بھاگ کر عاشق شیدا سے کہاں جاؤ گے  
 قدم آہستہ رکھو ، ٹھوکریں کھاتے نہ چلو  
 اہلے ہاتھوں سے نہ اندھوں کا گلا کٹواؤ  
 یوں چلو ، پاؤں کی آواز سناتے نہ چلو  
 کوئے معشوق میں اے عاشقو جاتے ہو تو جاؤ  
 یہ شگوں لیک نہیں ، خاک اڑاتے نہ چلو  
 ان سے کہہ دے کوئی آتے ہیں جو یہ لکھ ابر  
 چشمِ آتش کی طرح آنسو بہاتے نہ چلو

- 
- ۱ - کلیات کے جدید نسخوں میں ”کنوئیں اور گڑھوں“ ہے - طبع علی بخش  
 و چمن بے نظیر سے تصحیح کی گئی - چمن بے نظیر میں اس شعر کا  
 قافیہ ’دکھاتے‘ کے بجائے ’جگاتے‘ ہے -  
 ۲ - علی بخش : ”تو چلتا ہوں“ -

محبت سے بنا لیتے ہیں اپنا دوست دشمن کو  
 جھمکاتی ہے ہماری عاجزی سرکش کی گردن کو  
 بیاں کچھ تو کرے آگے ہمارے حال گلشن کو  
 خدا نے دس زبانیں اک دہن میں دی ہیں سوسن کو  
 دل بے تاب بسمل کی طرح سے رقص کرتا ہے  
 چھری سے اک کمر کی ہو گئی ہے لاگ گردن کو  
 نقاب اس آفتاب حسن کا اندھیر رکھتا ہے  
 رخ روشن چھپا کر شب کیا ہے روز روشن کو  
 آڑے دولت دنیا کو ہیں ہم عشق بازی میں  
 طلائی رنگ پر صدقے کیا کرتے ہیں کندن کو  
 ملاحت کا تمھاری دور دور افسانہ پہنچا ہے  
 چمن سے باغبان نے کھود کر پھینکا ہے سوسن کو  
 یہی سودا رہا شمشیر قاتل کی تمنا میں  
 پیا پانی بجھایا لال کر کے جب کہ آہن کو  
 قباے سرخ وہ اندام نازک دوست رکھتا ہے  
 ملانا خاک میں عاشق کا ہے شغل آن کے دامن کو  
 تجھے ملو کے مسنی باغ اے محبوب لے چلتے  
 گھڑی بھر کو جو ملتی چشم نرگس روئے سوسن کو  
 کوئی شمشیر چوبیں جو نظر آتی ہے میلے میں  
 کیا ہے یاد ہم نے اپنے قاتل کے لڑکپن کو

نہایت زخم کے سینے میں کرتی ہے یہ بے دردی  
 کسی مڑگاں سے تو کچھ رشتہ داری ہو نہ سوزن کو  
 تصور لالہ و گل کا رہا کرتا ہے آنکھوں میں  
 قفس میں بھی سلامِ شوق کر لیتے ہیں گلشن کو  
 سوار اس تیغ زن کو دیکھتا ہے جو وہ کہتا ہے  
 ہمارا خون حاضر ہے ، اگر زندگواؤ تو سن کو  
 کمی ہوگی نہ بعدِ مرگ بھی بے تابی دل میں  
 قیامت تک رہے گا زلزلہ سا میرے مدفن کو  
 قدم مردانگی کے ساتھ مارا دوست داری میں  
 کیا ہشیار غافل ہا کے اکثر ہم نے دشمن کو  
 دگرگوں رنگ رہتا ہے مرا شوقِ شہادت میں  
 گراں ہے دوش کو گردن تو بہاری سر ہے گردن کو  
 تبسم میں نظر آنا ترے دندان کا آفت ہے  
 چمکنے سے لگاتی ہے یہ بجلی آگِ خرم کو  
 حقیقت ہم سے ہو چھے کوئی اس عشقِ مجازی کی  
 بہت دیکھا ہے تصویرِ گلی کے رنگ و روغن کو  
 یہ قصرِ یار کو پیغام دینا اے صبا میرا  
 نکالیں ڈھونڈھتی ہیں تیری دیواروں کے روزن کو  
 ہڑے ہو غش میں کیا مردے سے آتش آنکھ کو کھولو  
 خبر کے واسطے اس بت نے بھیجا ہے برہمن کو

۳۳

'حاضر ہیں ہم جو معرکہ' کارزار ہو  
 مریخِ فیلِ مست کے اوپر سوار ہو

رسوا نہ نالے کر کے دل بے قرار ہو  
 بدتر ہے عشقِ عیب سے ، جب آشکار ہو  
 رنگِ حنا سے سرخ کفِ دستِ یار ہو  
 خونِ شہیدِ مہر و وفا سازوار ہو  
 یا رب ! اسیرِ زلفِ دلِ داغ دار ہو  
 طاؤسِ دامِ ابرِ سید کا شکار ہو  
 زاہدِ فریبِ نرگسِ جادوئے یار ہو  
 بیمار ہو وہی کہ جو پریزگار ہو  
 کچ رکھ کے وہ کلاہ جو چڑھتے ہیں اسہ پر  
 گردن پر ان کی خون بہارا سوار ہو  
 مستِ شرابِ عشق کب آتے ہیں ہوش میں  
 یہ نشہ وہ نہیں ہے کہ جس کو خیار ہو  
 آئی ہوا زمانے میں چلتی ہے ، چاہیے  
 اس گل بدن کو میری طرح خار خار ہو  
 پنہاں دہن جو ہے تو رہے ، کچھ غرض نہیں  
 بوسے کے واسطے لبِ یار آشکار ہو  
 اے آفتابِ حسن ! یہ حسرت ہے بعدِ مرگ  
 ہر ذرہ میری خاک کا تجھ پر نثار ہو  
 بلبل کو مول لے کے حوالے کروں چمن  
 کوچے میں یار کے جو مرا اختیار ہو  
 دستِ جنوں سے زلف کے سودے میں چاہیے  
 پیراہنِ حیات مرا تار تار ہو  
 کب سے دل و جگر ہیں نشانہ بنے ہوئے  
 دیکھوں کدھر سے تیرنگہ کا گذار ہو

چنگاریاں جھڑیں' عوضِ قطرہ ہائے آب  
 برمائے آگ ابر جو دل کا بخار ہو  
 وردِ زباں ہو نامِ ترا جس کو اے حبیب  
 حاصل اسے نگیں سے سوا اعتبار ہو  
 دھوکا جو تیرے آتشِ رخسار کا نہ کھائے  
 سیاب آگ میں نہ کبھی بے قرار ہو  
 اس رشک گل کی چینِ جبین میں نہ ہو کمی  
 شبنم کی طرح سے کوئی گریاں ہزار ہو  
 کلکشت کا خیال جو آ جائے آپ کو  
 تم آگے ، پیچھے پیچھے تمہارے بہار ہو  
 سرمہ نہ سمجھے جو کہ تری گردِ راہ کو  
 آشوب ہو اس آنکھ کے اندر غبار ہو  
 بیزار زندگی سے ہوں یہ شوقِ مرگ میں  
 ڈھونڈھوں چراغ لے کے جو پیدا مزار ہو  
 لازم نہیں ہے وصل کی شب میں ”نہیں نہیں“  
 ایسا نہ غمزہ کیجیے جو ناگوار ہو  
 آتش ہو دلِ دوئم ، سخن چیں اگر سنے  
 اپنا کلام معجزہ ذوالفقار ہو

---

۱۔ کلیات طبع علی بخش :

”چنگاریاں چڑھیں عوضِ قطرہ ہائے آب“

طبع جدید لکھنؤ و لاہور :

”چنگاریاں جھڑیں عوضِ قطرہ ہائے آب“

اہوس نعمت کی بعدِ مرگ بھی رہتی ہے انسان کو  
 لحد میں پاس رکھ دیتے ہیں دور افتادہ دنداں کو  
 جلا دیتی ہے اپنی گرم رفتاری پیاباں کو  
 کھٹکتے ہیں ہمارے آبلے خارِ مغیلاں کو  
 بہار آئی ہے دیوانو ! چلو سیرِ پیاباں کو  
 گریباں بھاڑنے پر باندھو اپنے اپنے داماں کو  
 نہ آنکھ کر در بدر ہو ، کنجِ عزلت میں جو بیٹھا ہے  
 دہن سے چھوٹ کر بے قدر دیکھا ہم نے دنداں کو  
 روا ہے عاشقوں کی ، اپنے معشوقوں کو دل داری  
 محبت سے محبت ہوتی ہے انسان سے انسان کو  
 مٹھائی کھائی تو شکرِ لبِ شیریں کیا پھروں  
 پیا پانی تو دی ہم نے دعا چاہِ زخداں کو  
 فراقِ دوست کا صدمہ نہ ہو دشمن کے دل کو بھی  
 محبت ہوا سے بھی جس سے الفت ہووے انسان کو  
 کبھی جو ہاتھ اس محبوب کی ٹھڈی میں ڈالا ہے  
 کہا ہے توڑ تو لو گے نہ تم سیبِ زخداں کو  
 ترا منہ دیکھ کر پڑھتا ہوں سورہ قل ہو اللہ کا  
 مسلمان ہوں ، بجا لاتا ہوں میں تعظیمِ قرآن کو  
 ہر اک حلقے میں ہو سو سو دلِ عاشق کی گنجائش  
 خدا جمعیتِ خاطر دے اس زلفِ پریشان کو



نہیں تیرے کرم کو قید کچھ اعلیٰ و ادنیٰ کی  
 سکندر تشنہ رہ جاوے ، پیے خضر آبِ حیواں کو  
 تری درگاہ کے ذروں سے ہے جب سامنا ہوتا  
 حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں مہرِ تاباں کو  
 دلِ دیوانہ کو میرے پھنسا کر تم نے زلفوں میں  
 دکھایا خالہ زنجیر میں مجنوں سے مہاں کو  
 نگاہوں کا آن آنکھوں کی ہے ترچھا پن وہی اب تک  
 وہی کاوش ، وہی دل سے خلش رہتا ہے مڑگان کو  
 فغاں کرتا ہوں جب اندام میں رعشہ سا ہوتا ہے  
 دلِ دیوانہ کا نالہ ملا دیتا ہے زنداں کو  
 فراقِ یار میں گریے کا ضبط آتش نہیں بہتر  
 بخارِ دل لکھنے دو ، برس لینے دو باراں کو

## ۳۵

کریں گے جمع معنی فہم اجزاء ہریشاں کو  
 شکنجے میں بہت کھینچیں گے صحاف اپنے دیواں کو  
 فقیری سلطنت ہے خاکسارِ کوئے جاناں کو  
 مبارک جام ہو جمشید کو ، خاتمِ ملیاں کو  
 مذاق اس کو ہے جو چوسے لبِ شیریں جاناں کو  
 دماغ اس کا ہے جو سولکھے کسی سیبِ زرخداں کو

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۳۸ ، نول کشور قدیم ص ۱۳۷ ، جدید ص ۲۱۷۔

۲۔ غالب کا شعر بھی زیرِ نظر رکھیے :

بند اس کی ہے ، دماغ اس کا ہے ، راتیں اس کی ہیں  
 جس کے کاندھے پر تری زلفیں ہریشاں ہو گئیں

خمِ ابروئے قاتل پھر گیا ہے اپنی آنکھوں میں  
 لیا ہے بوسہ ، دیکھا ہے جو ہم نے تیغِ عریاں کو  
 تمہارے چہرہ پر نور کے بے داغ ہونے نے  
 نظر سے اپنی آنکھوں کے گرایا ماہِ تاباں کو  
 ہوا ہے یار جو سیرِ چمن میں ساتھ ساتھ اپنے  
 کبھی گل کی طرف دیکھا ہے ، گاہے روئے خنداں کو  
 غمِ الفت کو کتنا ہی نگلیے ، دل نہیں بھرتا  
 یہ وہ نعمت ہے بھوکا رکھتی ہے جو اپنے مہماں کو  
 آٹھی سے جوہری فریاد کرنے ان کی آتے ہیں  
 پسے جاتے ہیں سوق ، پیستے ہیں جب وہ دندان کو  
 محبت کی نگہ سے لطف ہر اک رنگ میں پایا  
 تماشا تھا جو دیکھا چشمِ بلبل سے گلستان کو  
 جنوں کے جوش میں کرتا ہوں کارِ سیل میں مجنوں  
 نکل جاتا ہوں صحرا ، توڑ کر دیوارِ زنداں کو  
 کسمے ہیں کافر و دین دار ان زلفوں نے سودائی  
 ہوئے ہیں جان کا جنجال ہندو و مسلمان کو  
 کبھی دل کھول کر رویا جو ہوں شوقِ شہادت میر  
 کیا ہے حلقِ بسل ، خونِ دل سے چشمِ گریاں کو  
 جنوں کے جوش میں ایسا گلے کو اپنے گھونٹا ہے  
 حکومت ہو تو دلوا دیجیے پھانسی گریباں کو  
 شبِ وصلت میں بوسے لے کے اس روئے کتابی کے  
 جبین سے تا زخنداں ختم کر دیتا ہوں قرآن کو

خیال آتا ہے صحرا کا جو شب کو جوشِ وحشت میں  
 بناتا ہوں فتیلہ پہاڑ کر میں جیب و داماں کو  
 دو روزہ نوجوانی ہے ، دو روزہ تاج داری ہے  
 مروت حسن کو اللہ دے ، انصاف سلطان کو  
 منور کر جال و حسن کے نظارے سے آنکھیں  
 الہی بھیج دے گھر میں مرے یوسف سے مہاں کو  
 ترا مجروح مثلِ ارغواں ہوتا جو گلشن میں  
 گلِ خنداں کو شرماتا دکھا کر زخمِ خنداں کو  
 تمہارا حسن اپنے جوہرِ حکمت کرے ظاہر  
 شفا بیمار پائیں ، سونگھ کر سیبِ زخنداں کو  
 زہے اقبالِ سیم و زر ، زہے عز و شرفِ آتش  
 تمام آرائشوں میں سے چنا اس رخ نے افشاں کو

۳۶

ہنسنا ہی خوش آیا ، نہ تو رونا مرے دل کو  
 میٹھا ہی نہ بھایا ، نہ ملونا مرے دل کو  
 اکسیر سے جتر ہے درِ یار کی مٹی  
 منظور نہ چاندی ہے ، نہ سونا مرے دل کو  
 تا صبح تجھے یاد کیا ، مجھ کو جگا کر  
 بھولا نہ ترے ساتھ کا سونا مرے دل کو  
 بے وجہ رلاتا نہیں دکھلا کے رخِ یار  
 آنکھوں کو ہے ساتھ اپنے ڈبونا مرے دل کو

بس ہو تو ابھی چیر کے پہلو کو نکل جائے  
 رکھتا ہے بہت تنگ یہ کوٹا مرے دل کو  
 یوسف سے حسیں ہووے کوئی طفل تو چاہوں  
 کچھ کھیل نہیں جان کا کھونا مرے دل کو  
 بازیچہ ہستی میں وہ مجنون ہری ہوں  
 اطفال سمجھتے ہیں کھلونا مرے دل کو  
 پہلو میں نہیں جب سے کہ وہ غیرت لالہ  
 داغ اوڑھتا ہے ، داغ بچھونا مرے دل کو  
 نالوں سے لہ اظہار ہو بے تابِ جان کا  
 رسوائی ہے اس دکھڑے کا رونا مرے دل کو  
 نظارہ کیا کیں وہ ، یہ دیدار کو ترسا  
 دن رات رہا آنکھوں کا رونا مرے دل کو  
 کانٹا سا کھٹک جاتا ہے جب یاد ہے آتا  
 بالی میں ترا پھول پرونا ، مرے دل کو  
 خال سیم یار کا نقش آفتِ جاں ہے  
 اچھا نہیں اس تخم کا بونا مرے دل کو  
 انکار ترے قد کی قیامت کا نہ ہوگا  
 مومن ہوں میں ، کافر نہیں ہونا مرے دل کو  
 تر گریہ شادی سے رہوں گا میں شبِ وصل  
 بے فصل کے منہ میں ہے بھگونا مرے دل کو  
 کل سے جو سحر قطرہ شبِ منم ہیں ٹپکتے  
 یاد آتا ہے منہ کا ترے دھونا مرے دل کو

کچھ خاک اڑانے سے نہیں ملنے کا آتش  
بیکار یہ مٹی کا ہے ڈھونا مرے دل کو

۳۷

انکلتی کمر طرح ہے جان مضطر دیکھتے جاؤ  
ہارے پاس سے جاؤ تو پھر کر دیکھتے جاؤ  
نسیمِ نوبہاری کی طرح آئے ہو گلشن میں  
تماشاے گل و سرو و صنوبر دیکھتے جاؤ  
جدھر جاتے ہو، ہر گھر میں سے یہ آواز آتی ہے  
سیحہ ہو، جو بیماروں کو دم بھر دیکھتے جاؤ  
قدم انداز سے باہر ہوئے جاتے ہیں صاحب کے  
ستم رفتار میں کرتی ہے ٹھوکر، دیکھتے جاؤ  
میں وہ راہ میں اب کی تو کہتا ہوں جو ہو سو ہو  
دکھا دو گھر مجھے اپنا، مرا گھر دیکھتے جاؤ  
خرامِ ناز میں عاشق سے ہو اس کا اشارہ بھی  
کچھ اپنی تیغِ ابرو کے بھی جوہر دیکھتے جاؤ  
روشِ مستانہ چلتے ہو، قدمِ مستانہ پڑتے ہیں  
خدا کے واسطے، بہرِ پیمبر دیکھتے جاؤ  
کوئی ان سے کہے منہ پھیر کر جو قتل کرتے ہو  
تڑپتا ہے تمہارا کشتہ کیوں کر، دیکھتے جاؤ  
نگاہِ لطف کا شائق ہے تحت و فوق کا عالم  
کبھی نیچی نظر ہو، گاہ اوپر دیکھتے جاؤ

کبھی ہل جاتے ہیں ابرو، کبھی جنبش ہے مڑگان کو  
 دکھاتے ہو ہمیں شمشیر و خنجر، دیکھتے جاؤ  
 نقاب اک دن الٹ کر تم نے یہ منہ سے نہ فرمایا  
 جمالِ آفتابِ ذرہ پرور دیکھتے جاؤ  
 نہ پھيرو اس سے منہ آتش جو کچھ درپیش آجائے  
 دکھاتا ہے جو آنکھوں کو مقدر، دیکھتے جاؤ

## ۳۸

'رخ ہو، خطِ رخسار سے کیا کام ہے ہم کو  
 گل سے ہے غرض، خار سے کیا کام ہے ہم کو  
 مطلب ہے رخِ صاف سے، خط سے نہیں مطلب  
 آئینہ ہو، زنگار سے کیا کام ہے ہم کو  
 گلزار ترا تجھ کو مبارک رہے بلبل  
 بلبل ترے گلزار سے کیا کام ہے ہم کو  
 دیوانے ہیں، صحراے جنوں خیز محل ہے  
 بام و در و دیوار سے کیا کام ہے ہم کو  
 خواباں سے ترے رشک ہے اے غیرتِ یوسف  
 یوسف کے خریدار سے کیا کام ہے ہم کو  
 کافی ہے ہمارے لیے دل ہی کا اشارہ  
 رمال سے جفتار سے کیا کام ہے ہم کو  
 جب جوشِ جنوں نے ہمیں گھر ہی سے نکالا  
 پھر سایہ دیوار سے کیا کام ہے ہم کو

اللہ ہے مشکل میں مددگار ہمارا  
 اعوان سے ، انصار سے کیا کام ہے ہم کو  
 'مرتا ہوں' جو کہتا ہوں ، تو کہتے ہیں وہ ہنس کر  
 "عیسیٰ نہیں ، بیمار سے کیا کام ہے ہم کو"

## ۳۹

'حسرتِ شادی نہیں جانِ غمِ آلود کو  
 لالہ سمجھتا ہے دل داغِ نمک سود کو  
 داغِ غمِ عشق کو دل میں جگہ دیجیے  
 ڈھونڈھیے لے کر چراغِ شاہدِ مقصود کو  
 لعلِ شکر بار کے بوسے میں کیوں کر نہ لوں  
 کوئی نہیں چھوڑتا حلوہ بے دود کو  
 پردہ غفلت اٹھا ، پیشِ نظر یار ہے  
 کدیر و حرم میں نہ جا ڈھونڈھنے موجود کو  
 سجدے کے انکار سے فوق نہ ہو جائے گا  
 خاکِ مقبول پر ناریِ مردود کو  
 صبح تھی شبِ ہجر کی ، نالہ کیا جس گھڑی  
 ایک شرارہ ہے بس تودہ بارود کو  
 سینہ بے معرفت حلقے میں اپنے نہیں  
 رہ نہیں اس بزم میں مجرم بے عود کو  
 صاحبِ اقبال کو خوب ہے پہچانتا  
 آنکھِ خدا نے ہے دی کو کبِ مسعود کو

طائرِ دل ہو گیا بستہ زلفِ ابا  
 بندہ کیا حسن کا ، عشق نے محمود کو  
 خاک سے بھرے اسے ، چاہ جو بے آب ہو  
 آگ لگا دیجیے مطبخِ بے دود کو  
 جھاڑ دے مغز سے ، کبر کے کیڑے جو تھے  
 خاک برابر کیا پشتے نے نمرود کو  
 یاد الہی میں جو نعرہ ”یا ہو“ کیا  
 بھول گئے وحش و طیر نغمہ داؤد کو  
 ہجر کی ایذا سے چھٹ ، دل کو جلا بہرِ وصل  
 داغ کے اچٹھا کر اس زخمِ نمکِ سود کو  
 راہ کی آفات کا کیجیو آتشِ بیاں  
 سامنے آنے تو دے منزلِ مقصود کو

\* \* \*



## ردیف ہائے ہنوز

۱

اے نرالی کششِ عشقِ جفاکار کی راہ  
چاہِ کنگاں میں ملی مصر کے بازار کی راہ  
وہ نما یادِ الہی کا ہوا عشقِ صنم  
پہنچے ہم کعبہٴ مقصود کو کہسار کی راہ  
کثرتِ شوق نے از بسکہ کیا عرصہ تنگ  
مردہ نکلا نہ مرا کوچہٴ دل دار کی راہ  
شہرہٴ حسن نے دیدار کا مشتاق کیا  
نکھتِ گل نے بتائی مجھے گلزار کی راہ  
بیشتر سب سے کیا طالعِ بد نے بیدار  
حشر کے روز بھی دکھلائی مجھے یار کی راہ  
تنگ دستی نے زمانے میں یہ پایا ہے رواج  
یوسف اس عہد میں تکتا ہے خریدار کی راہ  
نہیں مجھ سا کوئی دنیا میں سکندر طالع  
آئندہ رو نے مجھے قتل کیا پیار کی راہ  
لبِ بامِ آ کے جو دیدار کرے عام وہ شوخ  
ایک ہو جائے ابھی کافر و دین دار کی راہ  
پیار سے کہتے ہیں ان کو جو 'مسیحا' عاشق  
ناز سے چلتے نہیں خانہٴ پیہار کی راہ

دیکھ کر صورتِ احباب کو پھر جاتا ہے  
 کج ادائی سے ہے الٹی ترے رخسار کی راہ  
 زلفِ مشکین کے جو سودے میں ہے دل گھبراتا  
 ہوجھتا پھرتا ہوں ایک ایک سے تاتار کی راہ  
 حسن کے عشق نے بستی میں عدم سے کھینچا  
 شوقِ یوسف نے دکھائی ہمیں بازار کی راہ  
 کھینچ لی ہے تو لگانے میں تامل نہ کرو  
 کھوٹی ہوتی ہے میاں آپ کی تیلوار کی راہ  
 عید ہوگی ، رمضان جائے گا ، اے بادہ کشو !  
 بند رہنے کی نہیں خانہٴ خمار کی راہ  
 غیر حق کو میں سمجھتا ہوں خیالِ باطل  
 آتشِ اک دل میں نہیں ہوتی ہے دوچار کی راہ

## ۲

دیکھا ہے سب کو جو دھرے سر کے تلے ہاتھ  
 یاد آیا ہے ساق کا وہ ساغر کے تلے ہاتھ  
 دامن کا خیال آتا ہے جب جیبِ دری میں  
 دیوانوں کے ہو جاتے ہیں اوپر کے تلے ہاتھ  
 دل دوستیِ بت کا نہ پابند ہو یا رب !  
 دشمن کا بھی دب جائے نہ پتھر کے تلے ہاتھ  
 گرمی نہ تمھاری سی ہوئی آتشِ گل سے  
 گلچیں کا نہ رکھا کبھی انگر کے تلے ہاتھ

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۵۰ ، نول کشور قدیم ص ۱۳۹ ، جدید

ص ۳۲۰ - سراپا سخن ص ۱۸۶ میں چھ شعر انتخاب ہیں -

۲ - علی بخش : ”یاد آتا ہے۔“

یاد آتا ہے وہ قدر کشیدہ جو چمن میں  
 مملتا ہوں میں جا جا کے صنوبر کے تلے ہاتھ  
 تبدیل شبِ وصل سے ہو روزِ جدائی  
 بالمش کے عوض ہو سردابِ کے تلے ہاتھ  
 عاشق سے نگہوں میں یہ کہتی ہیں وہ آنکھیں  
 مڑگاں جو چھوئیں ، رکھ دیا خنجر کے تلے ہاتھ  
 مستی میں طلبِ گار 'تو ساقی سے ہے مے کا  
 کالوں کا میں کانپے گا جو ساغر کے تلے ہاتھ  
 صحرا کو چلو ، چاک گریباں کرو آتش  
 'لنگر میں نہ ہیں پاؤں ، نہ پتھر کے تلے ہاتھ

۳

"اس قدر دل کو نہ کراے بتِ سفاک سیاہ  
 زیب دیتی نہیں اس کعبے کو پوشاک سیاہ  
 میلِ تزئین جو تری نورِ کسِ فتنان کو ہوا  
 'طور کو واسطے سرمے کے کیا خاک سیاہ  
 ہانی مانگے نہ کبھی ترچھی نگہ کا مارا  
 دلِ کافر سے ہے چشمِ بتِ بے باک سیاہ  
 یار سے وعدہ فردا ہے عجب کیا اس کا  
 روزِ روشن کو کرے گردشِ افلاک سیاہ

۱ - سراپا سخن :

"لنگر ہے نہ پاؤں میں نہ پتھر کے تلے ہاتھ"

لنگر : وہ بھاری وزن جو قید میں قیدی کے بالندا جاتا ہے ۔

۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۵۱ ، نول کشور قدیم ص ۱۳۹ ، جدید

ص ۲۲۰ ۔

کسی حالت میں نہ ظاہر ہو جو ہو اصل نجس  
 سرخ ہو یا کہ ہو رنگِ سگِ ناپاک سیاہ  
 نہ ہوا شالہ گیسو، نہ تو دستار کا گل  
 بخت رکھتا ہے ہمارا دل صد چاک سیاہ  
 نظر آیا ادھر آنکھوں سے، ادھر غائب تھا  
 اسپ مشکیں ہے ترا آہوے چالاک سیاہ  
 کون سے باغ میں لاتی ہے مجھے شامتِ بخت  
 گل سیہ، بوٹے سیہ، سرو سیہ، تاک سیاہ  
 نگہ بد سے تجھے دیکھے تو اے عالمِ نور  
 کوئلے سے ہو سوا روئے ہوس ناک سیاہ  
 کون سا صیدزبوں صید فگن نے باندھا  
 خون فاسد نے کیا کس کے یہ فتراک سیاہ  
 جس بیاباں میں لگی نالہ آتش سے 'لوں'  
 کوسوں تک ہو گئے جل کر خم و خاشاک سیاہ

۴

'سرخ مہندی سے نہیں آس بتِ خون خوار کے ہاتھ  
 دست آویز مرے خون کی لگی یار کے ہاتھ  
 بندگی کی یہ تمنا ہے، کوئی لے جو ہمیں  
 بکتے ہیں کوڑیوں کے مول خریدار کے ہاتھ  
 نیم جاں دل ہے طلبِ گارِ سلوکِ شمشیر  
 آبرو اپنی ہے اب ابروے خم دار کے ہاتھ

۱ - علی بخش : "آتش سے دوں" - تصحیح از نسخہ دیگر -

۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۵۱، نول کشور قدیم ص ۱۳۹، جدید

ص ۲۲، سراپا سخن ص ۱۷۴ -

حقِ خدمت میں نہیں کوئی کمی کی ہم نے  
 جانِ فشانے کا اب انصاف ہے سرکار کے ہاتھ  
 پاؤں کو ان کے چھوٹا میں نے تو ہنس کر بولے  
 کاٹے جاتے ہیں تو ایسے ہی گنہ گار کے ہاتھ  
 نہیں بے وجہ یہ ابرو سے اشارے ان کے  
 عشقِ بازوں کو بتاتے ہیں وہ 'تلوار' کے ہاتھ  
 زرِ سا محبوبِ ستم گار نہیں اس کے لیے  
 بیچتے سر کو جواں مرد ہیں سردار کے ہاتھ  
 روئے زیبا نہ دکھایا کریں ہر ایک کو آپ  
 قدرِ آسِ شے کی نہیں جو گئی دو چار کے ہاتھ  
 توڑ لے اے شجرِ حسن لبوں کے عتاب  
 ضعف رکھتے جو نہ باندھے ترے پیار کے ہاتھ  
 کام جس کا ہے اسی سے ہے تعلق رکھتا  
 پاؤں کی طرح سے زیبا نہیں رفتار کے ہاتھ  
 وعدہ وصل کی شادی سے فنا دم ہوگا  
 قتل کر ہاتھ پر اپنے نہ صنم مار کے ہاتھ  
 نہ جلانے، نہ تو گاڑے کوئی ہم کو آتش  
 مردہ اپنا نہ بڑے کافر و دین دار کے ہاتھ

۱۔ کلیات کے پیش نظر نسخوں میں "یہ تلوار" ہے لیکن سراپا معن میں  
 "وہ تلوار" ہے۔

۲۔ علی بخش ؟ "نہ صنم یار کے ہاتھ۔"

پاس دل رکھتا ہے منظورِ نظر پر آئندہ  
 نیک و بد سے پیش آتا ہے برابر آئندہ  
 جب نہ تب چڑھتا ہے اس قاتل کے منہ پر آئندہ  
 ٹکڑے ٹکڑے ہوئے گا اک دن مقرر آئندہ  
 چاند سے مکھڑے کو دکھلا کر چھپانا قہر ہے  
 اس خدا ناترس کو دکھلاؤں کیوں کر آئندہ  
 چاند کے اوپر نہیں پڑتی کسی صورت سے خاک  
 منہ تو دیکھیں لمے کے یوسف کے برادر آئندہ  
 دیکھ کر حالِ زبوں کو میرے حیران رہ گیا  
 یار کے دل سے بھی تھا ہرچند پتھر آئندہ  
 ہو کے اس شمشیرِ ابرو کے مقابل بیچ چمکا  
 ایسا کیا پہنے ہوئے ہے خود و بکتر آئندہ  
 آنکھ بھر کر ایک دن دیکھا نہ روئے صاف یار  
 میں وہ مفلس ہوں ، نہیں جس کو میسر آئندہ  
 موردِ نفرت کوئی مجھ سا نہیں ، حیران ہوں  
 مجھ سے صورت آشنا ہوتا ہے کیوں کر آئندہ  
 روبروے یار ہوتے ہی زباں ہوتی ہے بند  
 کس طرح طوطی کو کرتا ہے سخنور آئندہ  
 اب زمیں پر پاؤں بھی رکھ کر نہیں چلتا ہے یار  
 کد چکا آراستہ اس کو مقرر آئندہ

یہ نہیں بے وجہ اے قمری اکڑنا سرو کا  
 اب جو اس کو دکھاتی ہے مقرر آئندہ  
 ہرزہ گوئی سے تری حیرت ہوئی آتش خموش  
 خود پسندی تا کجا ، اب طاق پر دھر آئندہ

۶

امعشوق نہیں کوئی حسین تم سے زیادہ  
 مشتاق ہیں کس ماہ کے انجم سے زیادہ  
 کیا کہیے ترے عاشق بے تاب ہیں کتنے  
 ذروں سے زیادہ ہیں یہ انجم سے زیادہ  
 کملی مری پشمینے سے رکھتی ہے مجھے گرم  
 سنجاب سے افزوں ہے ، یہ قائم سے زیادہ  
 سیلاب کا کام اشک کریں خانہ تن میں  
 ان چشموں میں بھی جوش ہے قلم سے زیادہ  
 لنگ ابلق ایام نہ ہو مار کے ٹھوکر  
 ہے سخت مرا کاسہ سر ، سُم سے زیادہ  
 اندھیر ہے ، دل ہستے ہیں سرمے کی طرح سے  
 آنکھیں نہ لڑایا کرو مردم سے زیادہ  
 مے خانہ آفت میں نہیں جائے تنک ظرف  
 کس جام میں پاں لشہ نہیں خُم سے زیادہ

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۵۲ ، نول کشور قدیم ص ۱۴۰ ، جدید  
 ص ۲۲۳ ، بہارستان سخن ص ۱۸۰ - اس زمین میں ناسخ کا یہ منقطع  
 خوب ہے :

معشوق سے اسیدِ وفا رکھتے ہو ناسخ ؟  
 نادان نہیں دنیا میں کوئی تم سے زیادہ

منظورِ نظر ہے دلِ بلبل کا 'دکھانا'  
 شوقِ آنِ دنوں اُس گل کو ہے گلدُم سے زیادہ  
 صوفی جو سنے نالہٴ موزوں کو ہمارے  
 حالت ہو مغنی کے ترانم سے زیادہ  
 ٹھوکر ہے تری صاحبِ اعجازِ مسیحا  
 نالہ تری خلخال کا ہے "قم" سے زیادہ  
 آئینے میں دیکھا ہے جو منہ چاند سا اپنا  
 خود گم ہے وہ بت، عاشقِ خود گم سے زیادہ  
 فائق ہو غضب پر کرم اُس بت کا الٰہی  
 "اجلس" وہ دل آرام کہے "قم" سے زیادہ  
 دشمن ہیں مرے خورد و کلاں عشق میں تیرے  
 موذی ہوئے ہیں افعیٰ و کژدم سے زیادہ  
 حسرت کی نگاہوں سے عیاں حال ہے میرا  
 گویا ہوں خموشی میں تکلّم سے زیادہ  
 بجلی کو جلا دیں گے وہ لبِ دانت دکھا کر  
 شغلِ آج کل ان کو ہے تبسم سے زیادہ  
 کہتا ہے وہ شوخ آئے میں عکس سے آتش  
 تم ہم سے زیادہ ہو تو ہم تم سے زیادہ

۷

'مرد آلودہ نہ ہوں دنیاے بازی گر کے ساتھ  
 کسبِ وفاداری زنِ قحبہ نے کی شوہر کے ساتھ

۱ - اجلس : بیٹھیے - قم : کھڑے ہو جائیے ، نکل جائیے -

۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۵۲ ، نول کشور قدیم ص ۱۴۰ ، جدید



منزل مقصود کا سودا ہے اپنے سر کے ساتھ  
 گردِ رو کی طرح لپٹے جاتے ہیں رہبر کے ساتھ  
 چل سکیں گے کبک کیا آسِ فتنہ، محشر کے ساتھ  
 کوہِ مثلِ کاہ اڑتے پھرتے ہیں ٹھوکر کے ساتھ  
 حلقہٴ دیوالگان ہے آسِ ہری پیکر کے ساتھ  
 اس طرح، اصحاب ہوں جس طرح پیغمبر کے ساتھ  
 دیکھتا ہوں حسن کے عالم کو میں زیور کے ساتھ  
 مجھ کو بھاتی ہے بنا گوشِ صنم گوہر کے ساتھ  
 میکشِ عاشق مزاج اے ساقِ مہرو ہوں میں  
 بوسہٴ لب کی گزک بھی دے مجھے ساغر کے ساتھ  
 سبزہٴ خط کو دکھا کر تو نے مارا ہے جنہیں  
 حشر آن لوگوں کا ہوگا خضر پیغمبر کے ساتھ  
 ہر کترتا ہے مرے صیاد تو کاٹ اس طرح  
 حسرتِ پرواز بھی اڑ جائے بال و پر کے ساتھ  
 جوہر اس کے اک دن اے سفاک اس پر کھول دے  
 لاگ رکھتی ہے مری گردن ترے خنجر کے ساتھ  
 مومن و کافر کا قاتل ہے ترا حسنِ شباب  
 آتشِ افروختہ یکساں ہے خشک و تر کے ساتھ  
 اس قدر شیریں دہن اے دلربا ہوتا نہیں  
 شیرِ دایہ نے پلایا ہے مجھے شکر کے ساتھ  
 جس قدر نفرت ہے اس سے مجھ توکلِ پیشہ کو  
 اس قدر ہوگی نہ قاروں کو محبتِ زر کے ساتھ  
 یہ اشارہ جنبشِ مژگان سے اس گلِ رو کے ہے  
 دم نکل جاتا ہے سودائی کا اس نشتر کے ساتھ

قدر دیوانے کی بے ہنگامہ طفلان نہیں  
 چاہیے سالارِ لشکر کو ، رہے لشکر کے ساتھ  
 صورت آبادِ جہاں کے حسن کا شیدا نہ ہو  
 صندل اس بت خانے میں ملتا ہے دردِ سر کے ساتھ  
 جب رلاتا ہے تصور تیرے دانتوں کا مجھے  
 تولتا ہوں اشک کے قطروں کو میں گوہر کے ساتھ  
 بھرہی کا جو کبھی ہوتا ہے آتش اتفاق  
 خضرِ صحرا گرد دیتا ہے مرا مرمر کے ساتھ

## ۸

اُونچا ہو لاکھ تاڑ سے بھی سرو چار ہاتھ  
 رتبہ بلند ہے ترے قد کا ہزار ہاتھ  
 کھاتے ہیں غوطے رہ گزرِ کوئے بار میں  
 رستا ہے میرے اشکوں سے تیراؤ چار ہاتھ  
 دامن چھڑا کے جب سے گیا ہے وہ بے وفا  
 دانتوں سے کاٹتا ہوں میں بے اختیار ہاتھ  
 دو کو کمر میں ، دو تری گردن میں ڈالتا  
 دیتا جو اے صنم ! نبھئے اللہ چار ہاتھ  
 دوں گا سزا میں تارِ گریباں سے باندھ کر  
 رازِ جنوں کریں گے اگر آشکار ہاتھ

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۵۳ ، نول کشور قدیم ص ۱۳۱ ، جدید  
 ص ۲۲۳ - آخری غزل دیوان اول - سراپا سخن صفحہ ۷۷ میں بارہ  
 شعر ہیں -

۲ - علی بخش : ”مرے اللہ -“

دیوانے منتظر ہیں نسیم بہار کے  
 کپڑوں کے پہاڑنے کے ہیں آمدیدوار ہاتھ  
 رخسارہ صنم سے آلت کر نقاب کو  
 دکھلا رہی ہے قدرت پروردگار ہاتھ  
 چپٹی شبِ وصال سحر تک کیا کہے  
 پائے حبیب کے رہے خدمت گزار ہاتھ  
 صید افگنی کا لطف دکھانا ہے دامِ فکر  
 مضمون کو جانتے ہیں ہم آیا شکار ہاتھ  
 چھلتے جڑاؤ رکھتے ہیں وہ ہور ہور میں  
 دکھلا رہے ہیں ہم کو جواہر نگار ہاتھ  
 کہتا ہوں دستِ قاتل بے رحم چوم کر  
 وقتِ عطائے رحمتِ پروردگار ہاتھ  
 نعمت وہ تیرے خوانِ کرم کی ہے بے حساب  
 خالی نہ کر سکیں جسے ہڑدہ ہزار ہاتھ  
 کھجلائی پیٹھ اس کی تو بولا وہ گل بدن  
 ہو جائے خشک ہو کے ترا پشت خار ہاتھ  
 کیفیتِ حیات ہے پیری میں میہاں  
 لبریزِ جامِ روح ہے تن ، رعشہ دار ہاتھ  
 زنجیر کو بہار میں توڑا ، نہ طوق کو  
 گردن سے اور ہاؤں سے ہیں شرمسار ہاتھ

---

۱ - سزاپا سخن : ”ہو جائیں خشک۔“

۲ - جدید ایڈیشنوں میں : ”ہاؤں سے ہے۔“

’منہدی لگا کے قتل جو مجھ کو نہیں کیا  
غیرت کے مارے ملتا ہے حسرت سے یار ہاتھ  
چاہے جو ہم نشینی کے حق کو ادا کرے  
آتش ہو پار توڑ کے گل جیس کا خار ہاتھ

۹

’ظاہر کسی کے دل کو ہو کیا خار خار کچھ  
مستا نہیں وہ گل کہے کوئی ہزار کچھ  
توفیقِ خیر رکھتی ہے جو تیغِ یار کچھ  
زخم اتنے کھاوے گا نہ رہے گا شہار کچھ  
پوچھی کسی نے محکمہٴ حشر میں نہ بات  
ٹھہرے نہ ہم حساب میں روزِ شہار کچھ

۱۰

’خوب آگاہ ہے نظارے کے دستور سے آنکھ  
یہ شگوفہ ہے لڑاتا شجرِ طور سے آنکھ

۱ - سراپا سخن میں یہ شعر منقطع ہے :

آتش کو قتلِ کل کے جو منہدی نہیں کیا  
غیرت کے مارے ملتا ہے حسرت سے یار ہاتھ

نول کشور جدید اور لاہوری نسخے میں ہے : ”منہ ہی لگا کے ۔“  
۲ - کلیات (دیوان دوم) طبع علی بخش ص ۲۶۹ ، نول کشور قدیم ص ۲۴۳ ،  
جدید ص ۳۸۴ -

۳ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۶۹ ، سراپا سخن ص ۶۵ ، کلیات طبع نول کشور  
میں یہ غزلیں موجود نہیں ہیں ۔

'نہ دبی یار کی میرے ہری و حور سے آنکھ  
 نہ جلی نار سے ، جھپکی نہ کبھی نور سے آنکھ  
 'کیا کریں سامنے وہ عاشقِ رنجور سے آنکھ  
 فعل مختار ملاتے نہیں مجبور سے آنکھ  
 اثرِ عشق ہے پیری میں بھی اتنا باقی  
 دیکھ لیتی ہے حسینوں کی طرف دور سے آنکھ  
 لالہ رو عشق میں تیرے ہے یہی اپنی دعا  
 داغِ دل کی نہ دے مرہمِ کافور سے آنکھ  
 عشق ہے حسن سے کس پردہ نشیں کے تجھ کو  
 واقف اب تک نہیں اے دل ترے منظور سے آنکھ  
 پھر نہیں سکتی چھری شرم و حیا پر ان سے  
 لال کرتے نہیں وہ بادہٴ انگور سے آنکھ  
 غم نہ کھا رزق کا ، گو کور ہو ، گولنگ ہو تو  
 پھیرتا خواجہ نہیں بندہٴ معذور سے آنکھ  
 'مردنی چھائی ہے منہ پر ، ہے کفن یاد آیا  
 جب کبھی ہو گئی ہے سامنے کافور سے آنکھ  
 کیا توقع ہو بھلا ان سے ہم آغوشی کی  
 پاس کب آئے وہ دکھلاتے ہیں جو دور سے آنکھ  
 روزِ روشن سے ہے روشن رخِ نورانی یار  
 فوقِ ظلمت میں ہے رکھتی شبِ دیجور سے آنکھ

۱ - سراپا سخن میں ہے : "نہ کبھی نار سے جھپکی نہ کبھی ۔"

۲ - شعر نمبر ۳ ، ۶ ، ۷ ، ۹ ، ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۷ ، ۲۰ سراپا سخن میں  
 نہیں ہیں ۔

تو توجہ جو نہ فرمائے تو اندھیر ہے پھر  
 دل ہے روشن ترے دم سے ، تو ترے نور سے آنکھ  
 ڈر رہی ہے مجھے ، احوال نہ کہیں ہو جاؤ  
 ٹیڑھی رکھتے ہو بہت عاشقِ رنجور سے آنکھ  
 چار سو یار کو ڈھونڈھے گی تری خاطر سے  
 تجھ سے اے دل نہیں باہر کبھی مقدور سے آنکھ  
 دار ہر بھی مجھے کھینچیں تو انا الحق نہ کہوں  
 سرخ ہر چند ہو میری مٹے منصور سے آنکھ  
 خون ہو ہو کے شب و روز بہا کرتی ہے  
 کور ہو جائے گی ہسم چشمیِ ناسور سے آنکھ  
 اس لطافت کی سفیدی و سیاہی ہے عجب  
 'مشک ہی سے نہ بنی تھی ، نہ تو کافور سے آنکھ  
 اپنی ہازیب کی جھنکار سناؤ مجھ کو  
 کھولنے کا میں نہیں غلغلہٗ صور سے آنکھ  
 پردہ ناموسِ محبت کا رہے یا نہ رہے  
 لڑ گئی اب تو ہے اک شاہدِ مستور سے آنکھ  
 حشر کے روز وہ دیدارِ خدا دیکھیں گے  
 نیچی ہوتی نہیں جن کی کسی مغرور سے آنکھ  
 اور کیا یار کی تعریف کروں اے آتش  
 چہرہ بہتر جو پری سے ہے تو پھر حور سے آنکھ

اکیوں کز آن پر پڑے نہ سب کی آنکھ  
 قد قیامت کا ہے ، غضب کی آنکھ  
 کیا تلون مزاج یار میں ہے  
 صبح کو پھر نہ تھی وہ شب کی آنکھ  
 تجھ سے قاتل کی شکل دکھلائی  
 دشمن جان و دل تھی کب کی آنکھ  
 جوہری ہو گئی ہے ان روزوں  
 در دندان و لعل لب کی آنکھ  
 بوسہ لب میں ان سے کیا مانگوں  
 تازہ جاتے ہیں وہ طلب کی آنکھ  
 تیرے نظارے کے لیے ہی ہوئے  
 ماہ و خورشید ، روز و شب کی آنکھ  
 سامنے کرتی ہیں تجلی کے  
 بند اگر ہو گئی تو ڈب کی آنکھ  
 یوں نگہ آس ذقن کو ڈھونڈتی ہے  
 چاہ کو جیسے تشنہ لب کی آنکھ  
 دیکھ سکتا ہے کون انہیں عریاں  
 پھوٹ جاتی ہے بے ادب کی آنکھ  
 یار پیش نظر ، نظر آیا  
 کھل گیا پردہ ، بند جب کی آنکھ

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۷۰ ، نول کشور ندارد - مراپا سخن میں  
 مطلع کا پہلا مصرع یوں ہے : ”کیونکر اس پر پڑے۔“

تم نے بے وجہ ہم سے منہ پھیرا  
 تم نے کج ہم سے بے سبب کی آنکھ  
 مرضِ عشق کیا جتاؤں میں  
 چھپی رہتی کہیں ہے تپ کی آنکھ؟  
 بت بے دیں پھرے تو کیا غم ہے  
 نہ پھرے مجھ سے میرے رب کی آنکھ  
 آنکھ اس ترک نے لکوائی  
 سامنے پھر جو آتش اب کی آنکھ

## ۱۲

سرمے سے سرمے یار کی جادو سے بھری آنکھ  
 دیوانہ ہوا جس نے کہ دیکھی وہ پھری آنکھ  
 کرق ہے سرِ معرکہ ، پیداد گری آنکھ  
 فی الواقعی ہے یار تیری ترک جبری آنکھ  
 نیچی نہ کہیں رہتی ہیں قاتل کی گلی میں  
 روزن سے سلا سکتے نہیں رہ گزری آنکھ  
 پیری میں فنا یاد دلاتی ہے دکھا کر  
 خورشید لبِ بام و چراغِ سحری آنکھ  
 یہ فغل ہے دن رات جدائی میں کسی کے  
 خالی میں کیا کرتا ہوں اشکوں سے بھری آنکھ  
 دیکھے نگہ بد سے نہ صورت کو کسی کے  
 اللہ رکھے تجھ کو گناہوں سے بری آنکھ

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۷۰ ، نول کشور ندارد - سراپا سخن ص ۶۴ -  
 سراپا سخن میں اس غزل کے سترہ میں سے پندرہ شعر نقل ہوئے ہیں -



کس منہ سے زباں اپنی کرے لافِ محبت  
 اب خشک ہی رکھتی ہے نہ رکھتی ہے تری آنکھ  
 او دشمنِ جاں ! تجھ کو خبر ہے کہ نہیں ہے  
 احباب سے کرتی ہے بہت کج نظری آنکھ  
 سرمہ جو لگایا ہے تو پھر چل کے چمن میں  
 دکھلائیے اب نرگسِ شہلا کو ذری آنکھ  
 الفت کا طریقہ ہے زمانے سے نرالا  
 یاں آتے ہیں رہزن سے لڑاتے سفری آنکھ  
 روئی یہ ، کہ بت اشکوں کے ریلے سے بھائے  
 کیا کام کیا تو نے ، خدا سمجھے اری آنکھ  
 ہوتے ہیں بہت ظلم و ستم کوئی سُجھائے  
 موقوف کرے شرم و حیا ان کی ذری آنکھ  
 بندھوائے دمِ قتل نہ جتلاد سے پٹھے  
 تلوار سے جھپکی ، نہ تو قاتل سے مڑی آنکھ  
 یوں گور کا رہتا ہے مرے دل میں تصور  
 منزل کی طرف رکھتے ہیں جیسے سفری آنکھ  
 رو رو کے نہ رسوا کرے دل دوست ہے اس کا  
 دشمن سے بھی رکھتے نہیں یہ پردہ دری آنکھ  
 روتا ہوں جو یادِ لبِ لعلیں میں لہو میں  
 خونِ نابہٗ دل سے ہے عقیقِ جگرِ آنکھ  
 آتشِ نظر آتا نہیں یہ ناف کا حلقہ  
 دکھلا رہی ہے یار کی نازک کمری آنکھ

## ردیف یا مے تحتانی

۱

خدا یاد آ گیا مجھ کو بتوں کی بے نیازی سے  
 ملا بامِ حقیقت زینہٴ عشقِ مجازی سے  
 رسائیِ مصر تک اس کی تو اُس کی عرش تک حد ہے  
 مہ کنعان کو کیا نسبت ہے خورشیدِ حجازی سے  
 طرح داری کسے گی عاشقوں کو جامے سے باہر  
 گریباں چاک ہوں گے یار کی دامنِ درازی سے  
 برنگِ سبزہٴ روندا ہوں رہِ محبوبِ گلو میں  
 یہ پامالی ہے بہتر، دوجہاں کی سرفرازی سے  
 صفائے قلب سے زیرِ نگیں ہیں بحر و بر دونوں  
 ملا رتبہٴ سکندر کا مجھے آئینہ سازی سے  
 جبینِ ساؤں سے اے بتِ تبرے کوچے کو بھرار کتنے  
 نہ دکھلائے خدا اُس کعبے کو خالی نمازی سے  
 بھلایا اسمِ اعظم کو فسونِ حسنِ لولی نے  
 فرشتوں کی حقیقت کھل گئی عشقِ مجازی سے

۱۔ کلیات (دیوان اول) طبع علی بخش ص ۱۵۳ ، نول کشور قدیم ص

۱۵۳ ، جدید ص ۲۲۳

۲۔ کلیات علی بخش : ”برنگِ سبزہ زندہ تا ہوں رہِ محبوبِ گلو میں۔“

پناہ اے ہر فریبو! قہر سے اللہ کے مانگو  
 سزا دیتا ہے حاکم آدمی کو قلب سازی سے  
 ہزاروں کشتی تن ہار آتری گھاٹ سے اس کے  
 رہے دریائے خوں جاری تری تیغِ جہازی سے  
 تنِ محرور کا میرے ہڑے اس پر جو ہرجھانواں  
 بقیں ہے موم شرما جائے آپن کی کدازی سے  
 رہی ہیں بند اک کانِ ملاحی کے تصور میں  
 مزا لوٹا ہے آنکھوں نے مری نظارہ بازی سے  
 شبِ آدینہ بھی آتا نہیں گورِ غریباں پر  
 ہنوز آگد نہیں وہ شمع رو مسکین نوازی سے  
 کھیت خامہ خوش رفتار ہے کس مرتبہ آتش  
 قدم میں آگے ترکی سے رہا، سرپٹ میں تازی سے

۲

گیسوے مشکیں رخِ محبوب تک آنے لگے  
 چشمہ خورشید میں بھی سانپ لہرانے لگے  
 دور کروایا پسینے نے نقاب گلِ عذار  
 قطرہ شبنم بھی دیوارِ چمن ڈھانے لگے  
 چال لیائی کی کنارِ جو جو وہ خوش قد چلا  
 بیدِ مجنوں کی طرح سے رو تھرانے لگے  
 لے کے دل کو چار بوسوں پر دیا اک بار نے  
 ہم نے یہ سمجھا روپے کے ہاتھ چار آنے لگے

۱ - قلب سازی : جعلی مکہ بنانا ۔  
 ۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۵۴ ، نول کشور قدیم ص ۱۴۲ ، جدید  
 ص ۲۲۵ -

رنگ لائی چہرہ گل پر نسیمِ نوبہار  
اپنی اپنی زمزمہ سنج چمن گانے لگے

ظلمِ مُردوں پر کیا مشقِ خرامِ یار نے  
ہر قدم پر کاسہ سر ٹھوکریں کھانے لگے

تو بھی تو اے شعلہ رُو اک شبِ آٹمنہ سے نقاب  
گردد شمعوں کے بہت رہتے ہیں پروانے لگے

کم نہیں کالی گھٹا سے یار کی زلفِ سیاہ  
دیکھ لے طاؤس کافر کو تو چٹلانے لگے

گاہِ مستی کی دھڑی ہے ، گد لکھوٹا پان کا  
رنگِ عاشق سے تمہارے لعلِ لب لانے لگے

نام جس نے عشق کا روئے کتابی کے لیا  
اُس کو زلفوں کے شکنجے میں وہ کھنچوانے لگے

آنکھ پھیری تو نے جس سے دم فنا اُس کا ہوا  
مُردے کے آثارِ زندے میں نظر آنے لگے

مشک کی بو سونگھ کر اک بددماغی سی ہوئی  
یادِ زلفِ یار آئی ، سر کو ٹکرائے لگے

دم فنا کرنے لگی تیری کمر کی جستجو  
عاشقِ جاں باز ہستی سے عدم جانے لگے

مر بھی جاؤں تو نہ آتشِ گور ہر آنے وہ کل  
کام تمکین کو غرورِ حسن فرمانے لگے

'صبر ہرچند' ہے سینے کے لیے سل بھاری  
 نہ سبک ہو نہ جو سمجھے آسے غافل بھاری  
 بوسہ خال کے سودے میں ہوا ہوں یہ زار  
 تولیے مجھ سے ، ترازو میں ، تو ہو تل بھاری  
 بار ہستی نہیں اب مجھ سے سنبھالا جاتا  
 یا الہی ! مجھے سمجھے کوئی قاتل بھاری  
 حاملِ جسم ہوئی ، روح ہی کا حوصلہ تھا  
 کوہِ ناقد ہو تو آس پر ہے یہ محل بھاری  
 نہ پھرا در بدر اے دیدہ معشوق طلب  
 دستِ ہمت کو ہے اب کاسہ سائل بھاری  
 صورتیں سندرہ معنی ہیں ، باز آ آن سے  
 پھیر کھا کھا کے نہ کر پاؤں کو منزل بھاری  
 بسکہ تھی کوچہ جنلا دے آفت مجھ کو  
 ہو گیا کوہِ گراں سے تنِ بسمل بھاری  
 فوقِ مجنوں سے رہے عشق و جنوں میں مجھ کو  
 آس کی زنجیروں سے ہوں میری سلاسل بھاری  
 زور کر توڑ کے جاں ، دل کو اٹھا دنیا سے  
 یہ وہ پتھر ہے ، نہیں جس سے کوئی سل بھاری

- 
- ۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۵۴ ، نولکشور قدیم ص ۱۴۲ ، جدید ص ۲۲۶ ،  
 بہارستان سخن ص ۲۱۸ - نسخہ نولکشور میں : "صبر ہرچند ہو"  
 متن مطابق نسخہ اول ۔  
 ۲ - نولکشوری نسخوں میں "نہ پھرا" ہے ۔ نسخہ علی بخش میں "یہ  
 پھرا" ہے ۔  
 ۳ - نولکشوری نسخہ "پاؤں سے" ۔ علی بخش "پاؤں کو" ۔

نہ اٹھا پھر خدا نازِ حسیناں اے دل !  
 نہیں اٹھ سکنے کا ، یہ بوجھ ہے غافل بھاری  
 خاک کے پتلی نے وہ بوجھ لیا گردن پر  
 کہ سمجھتے تھے جسے عرش کے حامل بھاری  
 شمع 'رو' نے مرے اٹھا سرِ مجلس جو نقاب  
 ایک پر ایک ہوا ساکنِ محفل بھاری  
 ناتوانی سے کہاں ہرزہ دوی کی طاقت  
 گہر سے دروازے تلک ہے مجھے منزل بھاری  
 بارِ خاطر ہو نہ عالم کا سبک باتوں سے  
 زندگی میں نہ ہو 'مردے' سے غافل بھاری  
 مجھ سے ہر بات میں قرآن وہ اٹھواتا ہے  
 گردنِ یار میں شاید ہے حائل بھاری  
 ہمرہ غیر کیا چاندنی کی سیر کو یار  
 ہو گیا مجھ کو ستارہ ، مہِ کامل بھاری  
 آتش ان سے نہیں نظارے کا لپکا چھٹنا  
 میری آنکھوں کو ہے شاید کہ مرا دل بھاری

## ۴

واقعہ دل کا جو موزوں ہے تو مضمون غم ہے  
 صفحہ ہر اک مرے دیوان کا صفِ ماتم ہے  
 خاکساری سے جھکا ہے سرِ شوریدہ مرا  
 وائے ہر حال ! ندامت سے جو گردن خم ہے

دل میں آتا ہے کہ اب اپنے گلے کو کاٹوں  
 نیم جاں چھوڑ کے قاتل کو ندامت کم ہے  
 دل کہیں ، جان کہیں ، چشم کہیں ، گوش کہیں  
 اپنے مجموعے کا ہر ایک ورق برہم ہے  
 کس نے دیکھا ہے محبت کی نظر سے آن کو  
 صفِ مڑکاں ہے تلے زلفِ سیاہ برہم ہے  
 دل کو آنکھوں نے کیا کشتہ رخسارِ ملیح  
 نہ سمجھتے تھے ہم اس کو کہ نمک بھی سم ہے  
 کیا کہوں میں کمرِ یار ہے کیسی نازک  
 عالم الغیب سوا کوئی نہیں محرم ہے  
 زندگانی سے جو تنگ آئے ہے دل گھبراتا  
 ہوجھنے جاتا ہوں مردوں سے کہ کیا عالم ہے  
 کھینچ لاتا ہے جو چل جاتی ہے جذبِ دل کی  
 منتظرِ یار کا ہوں ، آنکھوں میں جب تک دم ہے  
 زلف و رخ کو پیں حیا سے وہ چھپائے رکھتے  
 شانہ و آئینہ ناواقف و نامحرم ہے  
 بامِ ہر جب سے ہے اک رشکِ پری کو دیکھا  
 روحِ دیوانہ سیرِ فلکِ اعظم ہے  
 وعدہ شربتِ دیدار ہے بیماروں سے  
 دم کے دینے کو مسیحا بھی مرا حاتم ہے  
 دردمندانِ محبت کا ہے تو تسکینِ بخش  
 زخمِ فرقت کے لیے وصلِ ترا مرہم ہے  
 دلِ عاشق کو نگینے کے عوض جڑواؤ  
 دستِ معشوق کو زیبا ہے تو یہ خاتم ہے

کوچہ، یار کی حسرت میں ہوں رویا کرتا  
 شوقِ گلزار میں آنسو نہیں ہے، شبنم ہے  
 عاشقوں سے یہ اشارہ ہے تری مڑکان کا  
 اس صفِ جنگ میں جو کھیت رہا رستم ہے  
 وصلتِ حور کی حسرت نہ رہے گی آتش  
 خلد میراثِ سمجھ اپنی بنی آدم ہے

## ۵

خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزو تیری  
 خوشا دماغ، جسے تازہ رکھتے ہو تیری  
 یقین ہے اٹکے گی جاں اپنی آگے گردن میں  
 سنا ہے، جا ہے قریبِ رگِ گلو تیری  
 وہ گل ہوں میں کہ ترا رنگ جس سے ظاہر ہے  
 وہ غنچہ ہوں کہ بغل میں ہے جس کی بو تیری  
 پھرے ہیں مشرق و مغرب سے تا جنوب و شمال  
 تلاش کی ہے صنم ہم نے چار سو تیری  
 شبِ فراق میں اک دم نہیں قرار آیا  
 خدا گواہ ہے، شاہد ہے آرزو تیری  
 دماغ اپنا بھی اے گل بدن! معطر ہے  
 صبا ہی کے نہیں حصے میں آئی بو تیری  
 پڑھا ہے ہم نے بھی قرآن، قسم ہے قرآن کی!  
 جواب ہی نہیں رکھتی ہے گفتگو تیری



مری طرف سے صبا کہیو میرے یوسف سے  
 نکل چلی ہے بہت پیرہن سے بو تیری  
 فرشتے بھی تجھے کہتے ہیں بیشتر شاعر  
 یقین ہوا ملک الموت میں ہے خو تیری  
 یہ گردشِ فلک پیر سے ہوا ثابت  
 قوی، ضعیف کو کُرتی ہے جستجو تیری  
 شرابِ شرم و حیا و حجاب کھووے گی  
 دکھائے گا ہمیں کیفیتیں سب تو تیری  
 رہا نہ شبہ ہمیں اُس کے حلقہ ہونے سے  
 یہ عقدہ ناف نے کھولا، کمر ہے ’مو تیری  
 ’ہوا جو دستِ رس اُس کا بھی ہمارے قاتل تک  
 حنا بھلائے گا شوخیِ مرا لہو تیری  
 شبِ فراق میں، اے روزِ وصل، تا دمِ صبح  
 چراغِ ہاتھ میں ہے، اور جستجو تیری  
 جو ابرِ گریہ کنّاں ہے، تو برقِ خندہ زناں  
 کسی میں خو ہے ہماری، کسی میں خو تیری  
 یہ چاکِ جیب کے حق میں دعاے مجنوں ہے  
 نہ ہو وہ دن کہ درستی کرے رفو تیری  
 کسی طرف سے تو نکلے گا آخر اے شہِ حسن  
 فقیر دیکھتے ہیں راہ ’کو بہ ’کو تیری

۱۔ چمن بے نظیر: ”جو ہووے دسترس۔“

۲۔ کلیاتِ طبعِ علی بخش میں: ”گریہ کنّاں“۔ نول کشوری نسخوں میں:  
 ”گریہ زناں“۔ چمن بے نظیر: ”جو ابرِ گریہ کنّاں ہے تو برقِ خندہ  
 ہے۔“

چمن میں صبح کو جا کر نہ منہ دکھانا تھا  
 برنگِ آئنے حیراں ہے آبِ جو تیری  
 زمانے میں کوئی تجھ سا نہیں ہے سیفِ زباں  
 رہے گی معرکے میں آتشِ آبرو تیری

۶

’کوچہ‘ دلبر میں میں ، بلبل چمن میں مست ہے  
 ہر کوئی یاں اپنے اپنے پیرہن میں مست ہے  
 نشہٴ دولت سے منعم پیرہن میں مست ہے  
 مردِ مفلس حالتِ رنج و محن میں مست ہے  
 دورِ گردوں ہے خداوندا ! کہ یہ دورِ شراب  
 دیکھتا ہوں جس کو میں ، اس انجمن میں مست ہے  
 آج تک دیکھا نہیں اُن آنکھوں نے روئے خار  
 کون مجھ سا گنبدِ چرخِ کہن میں مست ہے  
 گردشِ چشمِ غزالاں ، گردشِ ساغر ہے یاں  
 خوش رہیں اہلِ وطن ، دیوانہ بن میں مست ہے  
 ہے جو حیرانِ صفائے رخِ حلب میں آئنے  
 بوئے زلفِ یار سے آہو ختن میں مست ہے  
 غافل و ہشیار ہیں اُس چشمِ میگوں کے خراب  
 زندہ زیرِ پیرہن ، مردہ کفن میں مست ہے  
 ایک ساغر دو جہاں کے غم کو کرتا ہے غلط  
 اے خوشا طالع جو شیخ و برہمن میں مست ہے

وحشتِ مجنون و آتش میں ہے بس اتنا ہی فرق  
کوئی بن میں مست ہے ، کوئی وطن میں مست ہے

۷

'مُتَوَقِّعِ وَصَلَتِ مِیْنِ ہِے شَغْلِ اَشْکِ اَفْشَانِی مَجْہِی  
ہجر میں کرنا پڑا آخر لہو پانی مجھے  
یاد میں آئنیہ رخ کے ہے حیرانی مجھے  
زلف کے سودے میں رستی ہے پریشانی مجھے  
فِی الْحَقِیْقَتِ تُو ہِے اے دلبر! سزاوارِ سَجُودِ  
کوئی - دکھلائی نہیں دیتا ترا ثانی مجھے  
تنگ کرتا ہے گریباں ، کتنے لگتا ہے گلا  
موسمِ گل کی جو یاد آتی ہے عربانی مجھے  
ہوں وہ دیوانہ کہ اپنا نام رٹنے کے لیے  
اک پری نے دی ہے تسبیحِ سلیمانی مجھے  
ایک حرف اس کی عبارت کا پڑھا جاتا نہیں  
لکھ دیا کس خط میں ہے یہ خطِ پیشانی مجھے  
چشمہ ہائے چشم میں گرے سے ہے دریا کا جوش  
غوتے کھلواتا ہے سیلِ اشک کا پانی مجھے  
خواب سے بیدار وہ خورشید رُؤ آ کر کرے  
ایسی اے آنکھو! دکھاؤ صبحِ نورانی مجھے  
ذبح ہی کرتے ، گلے لگتے نہ دیتی تھی جو شرم  
عیدِ قرباں تھی ، سمجھتے آپ قربانی مجھے

عشق میرا مہرباں ہے ، حسن بندہ یار کا  
 آئندہ سا رخ ملا ہے آن کو ، حیرانی مجھے  
 بوسے لیتا ہوں دہان ناپدید یار کے  
 آشکارا ہو گیا ہے گنج پنہانی مجھے  
 کون سے گلشن میں بلبل چہچہے کرتا نہیں  
 یار کے کوچے میں زیبا ہے غزل خوانی مجھے  
 ساقیانِ ماہ پیکر پر کیا کرتا ہوں حکم  
 مے کدے میں عالمِ مستی ہے سلطانی مجھے  
 خشک رہتا ہے بہت شوقِ شہادت سے کلا  
 ہو سکے تو ہمدسو ! خنجر کا دو ہانی مجھے  
 خاک میں ملوا رہا سوداے زلفِ یار ہے  
 مثلِ گردِ راہ ، رستی ہے پریشانی مجھے  
 اے خیالِ یار ! کرتا ہوں ریاضت سے صفا  
 خانہٴ دل میں ہے کرنی تیری مہمانی مجھے  
 حسن کے جلوے سے اس رخ کا اشارہ ہے یہی  
 کافری زلفوں کو زیبا ہے مسلمانی مجھے  
 شہرِ خوبیاں میں نہیں آتشِ مروت کا رواج  
 تشنہ لب مر جاؤں تو ممکن نہ ہو ہانی مجھے

## ۸

عشقِ آس کا جان کھوتا ہے برتا و نیر کی  
 آس شاہِ حسن کو یہ دعا ہے فقیر کی

یسودہ گفتگو نہیں مرد فقیر کی  
 میدہی ہے سمجھے تو اگر آلتی کبیر کی  
 صحرا سے لے چلا ہے ہمیں شہر کی طرف  
 گم ہو گئی ہے عقل جنوں سے مشیر کی  
 بے مانگے بوسہ عاشق مسکین کو دیجیے  
 مولیٰ مرے ! سوال ہے صورت فقیر کی  
 پیدا کرے گا یوسف گم گشتہ جذبِ عشق  
 تاثیر اس میں بھی ہے دعائے امیر کی  
 غافل نہ مثل برق ہو شادی سے خندہ زن  
 بارانِ غم سے ہے گلِ آدمِ خمیر کی  
 زنجیر ہو گئی ہیں بدن کو مری رگیں  
 کھینچی ہے ناتوانی نے تصویر اسیر کی  
 دیوانہ کس کریم کے دروازے کا ہے دل  
 زنجیر میں ہماری صدا ہے فقیر کی  
 اللہ رے اس صنم کے بدن کی ملائمت  
 جامہ ہے جسم کا کہ قبا ہے حریر کی  
 خاکِ شہیدِ ناز سے بھی ہولی کھیلے  
 رنگ اس میں ہے گلال کا ، بو ہے عبیر کی  
 دم بند اس کا زمزموں نے میرے کر دیا  
 آواز بیٹھ بیٹھ گئی ہم صغیر کی  
 وہ لعل لعل لب ہے مرے شاہِ حسن کا  
 سودے میں جس کے بگتی ہے گدڑی فقیر کی  
 دیکھا مشیرِ کار نہ دیوانے کا کوئی  
 اس بادشاہ کو نہیں حاجت وزیر کی

چھیڑا ہے میں نے جا کے برہمن کو دیر میں  
 لی ہے قسم بُتوں سے خدائے کبیر کی  
 جس تودے میں شریک ہوئی اپنی خاک ، اے  
 حسرت ہی رہ گئی لبِ معشوقِ تیر کی  
 جیسا کہ شادماں ہوں میں روزِ وصال میں  
 شیعہ کو یہ خوشی نہ ہو عیدِ غدیر کی  
 اُس طفلِ شوخ کا جو لیا ہے زباں نے نام  
 بُو آتی ہے ہمارے دہن میں سے شیر کی  
 آنکلیے تھے کدھر سے ، کہاں یاں سے جائیں گے  
 اوّل کی کچھ خبر ہے ، نہ ہم کو اخیر کی  
 تیری زیادتی میں نہ ہوگی کبھی کمی  
 اے عشق ! خیر چاہیے حسنِ شریر کی  
 اُس ماہِ چاردہ کو ہے حاصلِ کمالِ حسن  
 رخ میں صفا ہے سینہٴ روشنِ ضمیر کی  
 تعریف تیرے حسنِ جوانی کی کیا کروں  
 طفلی میں تجھ پہ رال ٹپکتی تھی پیر کی  
 دیکھے اگر مرا دلِ سودا زدہ وہ زلف  
 برُمو سے ہو بلند صدا داروگیر کی  
 اپنی شرارتوں سے نہ باز آئے آسمان  
 کودکِ مراجمی مجھ کو خوش آتی ہے پیر کی  
 سودائے راہِ یار کا اللہ رے اثر  
 جادہ بنی جو ہم نے زمیں پر لکیر کی  
 اُس گوش و چشم سا نہ تو دیکھا ہے ، نے سنا  
 آتشِ قسم ہے ذاتِ سمیع و بصیر کی !

کب تک وہ زلف دیتی ہے آزار دیکھیے  
 کتنی ہے کس طرح سے شبِ تار دیکھیے  
 بیمارِ عشق مرتے ہیں اس اشتیاق میں  
 پی جائیے جو شربتِ دیدار دیکھیے  
 رغبت کی آنکھ ڈالے ذروں کی طرح سے  
 روشن جو آفتاب سا رخسار دیکھیے  
 دل کو بغل میں مار کے لے تو چلے ہیں چوک  
 کہتی ہے کیا نگاہِ خریدار دیکھیے  
 نے موت روز مرتے ہیں عاشق ، خبر نہیں  
 اے شاہِ حسن ! پرچہ اخبار دیکھیے  
 جاتے ہیں کوئے یار سے ہم ایسے ہو کے تنگ  
 کعبہ بھی ہو تو پھر کے نہ زہار دیکھیے  
 آہستہ پاؤں رکھیے ، قیامت نہ کیجیے  
 ٹھوکر سے فتنے ہوتے ہیں بیدار دیکھیے  
 طاؤس و کبک کو ہے نکل چلنے کا خیال  
 چلتا ہے یار کون سی رفتار دیکھیے  
 بلبل کی طرح عشق جو ہم کو چمن سے ہو  
 سو جائیے تو خواب میں گلزار دیکھیے  
 فراق کی نگر سے کم اپنی نگہ نہیں  
 کیا لوٹے جو دولتِ دیدار دیکھیے

'چن' چن کے قتل کیجیے ، انصاف شرط ہے  
 حاضر ہیں بے گناہ و گنہ گار دیکھیے  
 عاشق مسیح بھی تمہیں کہتے ہیں مہرباں  
 حال آس کا ہو چھیے جسے بیمار دیکھیے  
 مشتاق دل ہے جنبشِ ابروئے یار کا  
 چلتی ہے کس طرح سے یہ تلوار دیکھیے  
 دروازے میں سے چلیے سرے حبیب میں  
 حسرت سے تا کجا پس دیوار دیکھیے  
 سودے میں ابروؤں کے ہوں وہ ماہ ڈھونڈھتا  
 جس میں کہ چاند دیکھ کے تلوار دیکھیے  
 عالم کی سیر کیجیے آتش ، ملے کا یار  
 یوسف جو چاہیں آپ تو بازار دیکھیے

## ۱۰

اکون سے دل میں محبت نہیں جانی تیری  
 جس کو 'سنتا ہوں وہ کہتا ہے کہانی تیری  
 کچھ دہن ہی نہیں وہم شعرا کے نزدیک  
 'مو' سے باریک کمر بھی ہے کہانی تیری  
 جس کے آگے سے گزرتا ہے ، وہ کہتا ہے یہی  
 دیکھی ، اے روحِ رواں ! ہم نے روانی تیری  
 شیشہ' مے سے کوئی میری زبانی کہہ دے  
 خوش نہیں آتی ہے یہ پنہ دہانی تیری



کیا تیری شان ہے ، قربان ہوں اے عفوِ کریم !  
 آس رکھتا ہے ہر اک فاسق و زانی تیری  
 اس خرابی میں ترے واسطے پھرتے ہیں خراب  
 جستجو ہم کو ہے اے گنجِ نہانی ! تیری  
 عین احساں ہے ، مرے صفحہٴ دل پر ، مجھ کو  
 ایک تصویر اگر کھینچ دے ، مانی تیری  
 صبح تک شام سے کرتی ہے زبیاں ذکرِ جہاں  
 نیند آتی ہے کسے من کے کہانی تیری  
 مثلِ گل ہنس کے کسی روز تو دل کو خوش کر  
 خوں رلائی ہے ہمیں غنچہٴ دہانی تیری  
 ناز و انداز و ادا میں ہے ترقی دہ چند  
 فتنہ طفلی تھی ، قیامت ہے جہانی تیری  
 کون سے غلے کا دانہ ہے تو اے دانہٴ خال  
 ہم نے ارزانی میں بھی پائی گہرائی تیری  
 گرم جوشی سے جلایا کرے کشت و خرمن  
 برق ہو سکتی نہیں شوخی میں ثانی تیری  
 جان کی طرح سے رکھتا ہے عزیز اے گلِ رو !  
 داغِ دل لالہ نے سمجھا ہے نشانی تیری  
 مصرعِ تیغ ہے ہر مصرعِ موزوں آتش  
 دیکھ لی یار مرے سیفِ زبانی تیری

امہندی سے تیرے ہاتھ کی گل ضرب دست کھائے  
 جوئی کے فتح پیچ سے سنبھل شکست کھائے  
 لب ریز کر پیالے کو ساق اس ابر میں  
 افیوں نہ تنگ ہو کے کوئی سے پرست کھائے  
 شیر و ہلنگ و گرگ سے باہر نہیں ہوں میں  
 جو چاہے ران کھائے ، جو چاہے سو دست کھائے  
 دل کو برشتگی سے ہو حاصل شگفتگی  
 دھوکا کباب مرغ کا وہ چشم مست کھائے  
 ظالم کو سعی سے نہیں بحر جہاں میں نفع  
 ممکن نہیں کباب جو مچھلی کا شست کھائے  
 پھر خوشے آتیں ، پھر کھنچے انگور کی شراب  
 پھر شاخ تاک پیچ سرِ دارِ بست کھوائے  
 طے کر چکوں کہیں میں نشیب و فرازِ دہر  
 تا چند ٹھوکریں یہ بلند اور پست کھائے  
 اس بندوبستِ جسم سے جاں کو نجات ہو  
 چھوٹے سری ، طلسم عناصر شکست کھائے  
 دھوکا نہ دے مجھے تری شوخی کی چال کا  
 بل تو کمر نہ چیتے کی ہنگامِ جست کھائے  
 برخاست ہو ہماری جو چپ بیٹھتے ہیں آپ  
 غم کون دیکھ کر یہ تمہاری نشست کھائے

جڑ سے اکھیڑ کر میں جلاؤں تمام تاک  
 میرے چمن میں دھوپ اگر داربست کھائے  
 اُس لالہ رو کے حسن کا جب سے ہوا ہے عشق  
 کھاتا ہوں داغ یوں میں ، گزک جیسے مست کھائے  
 کہنا بلے وہ بھولے نہ اے ساقی ازل  
 لغزش نہ پائے آتش مست الست کھائے

## ۱۲

اپیمبر میں نہیں ، عاشق ہوں جانی !  
 رہے موسیٰ ہی سے یہ ”لن ترانی“  
 سلیماں ہم ہیں اے محبوب جانی !  
 سمجھتے ہیں تجھے بلقیس ثانی  
 کھلا سودے میں ان زلفوں کے سر کر  
 پریشان خواب تھی یہ زندگانی  
 یہ کون آتا ہے اُن سے قد کشی کو  
 گڑے جاتے ہیں سرو بوستانی  
 وہی دے گا کبابِ نرگسی بھی  
 جو دیتا ہے شرابِ ارغوانی  
 رنگا ہے عشق نے کس دردِ سر سے  
 ہمارا جامہ تن زعفرانی  
 مسافر کی طرح رہ خانہ بردوش  
 نہیں جائے اقامت دارِ فانی

ترے کوچے کے مشتاقوں کے آگے  
 جہنم ہے بہشتِ آسانی  
 وہ میکش ہوں دیا ہے قابلہ نے  
 جسے غسلِ شرابِ ارغوانی  
 یقین ہے، دیدہ باریک بین کو  
 کرے عینک طلب یہ ناتوانی  
 وہ خط ہے یادگارِ 'حسنِ رفتہ  
 وہ سبزہ ہے گلستان کی نشانی  
 نکلتی منہ سے قاصد کے نہیں بات  
 مگر لایا ہے پیغامِ زبانی  
 یہ 'مشتِ خاک ہو مقبولِ درگاہ  
 عبا کی چاہتا ہوں مہربانی  
 لیے ہیں بوسہ 'رخسارہ صاف  
 ہیا ہے ہم نے آئینے کا پانی  
 سفیدی 'مو کی ہو کافور ہرچند  
 کوئی مٹتا ہے یہ داغِ جوانی ؟  
 نہ خوش ہو فرہی تن سے غافل  
 'مبک کرتی ہے مردے کو گرانی  
 موٹے جو بیشتر مرنے سے وہ لوگ  
 کفن سمجھے قبائے زندگانی  
 جلاتی ہے دل آتشِ طور کی طرح  
 کسی پردہ نشین کی لن ترانی

'وہ افسوں ہے ہماری شعرخوانی  
 جو ستا گنگ ہو جاتا فغانی  
 مبارک ابر کو دریا کا پانی  
 ہمیں دور شراب ارغوانی  
 لہو سے اپنے لکھوں گر خط شوق  
 قلم بھولے سیاہی کی روانی  
 دل عالم ہو عشق حسن سے داغ  
 رہے ہر فرد پر تیری نشانی  
 فراق یار کو دل نوش جاں ہو  
 یہ یوسف گرگ کی ہے میہانی  
 وہ ترک آیا لگا اے آتش گل  
 کباب طائران بوستانی  
 کریں گے یار کو عریاں شب وصل  
 عیاں ہو جائے گا راز نہانی  
 ہوا کوئی نہ حال دل سے آگاہ  
 رہی مشتاق گوش اپنی کہانی  
 ہمیں گے مثل دریا دیدہ تر  
 ہیں گے ابر ان چشموں کا پانی

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۶۰ ، نول کشور قدیم ص ۱۴۷ ، جدید ص ۲۳۳ -

۲ - کلیات طبع نول کشور جدید میں ایک نسخہ ہے : ”ہمیں درد شراب ارغوانی۔“

آڑا دے گی صبا مثلِ پرکھ  
 سلامت ہے جو اپنی ناتوانی  
 بہاری قبر پر وہ شمع رو آئے  
 رہے روشن چراغِ مہربانی  
 رلاتا ہے وصالِ یار کا شوق  
 فراق اپنا لہو کرتا ہے ہانی  
 خدا کے حکم سے ہے قوتِ نطق  
 کلام اپنا ہے ہاتھ کی زبانی  
 کہوں ہرجائی تو بولے وہ کافر  
 نہیں مومن کو لازمِ بدگانی  
 بڑھی ایڑی سے چوٹی آس ہری کی  
 زمیں پکڑے بہلائے آسانی  
 نہیں دیتا وہ دلبر بوسہ خال  
 مگر کالے تلوں کی ہے گرانی  
 نہیں واقف ہم آس بت کی کمر سے  
 خدا کے واسطے ہے غیبِ دانی  
 رلائی ہے مثالِ ابرِ پیری  
 دکھا کر داغِ طاؤسِ جوانی  
 مرا دیواں ہے اے آتش ! خزانہ  
 ہر اک بیت اس میں ہے کنجِ معانی

'صدہ' ہے دوش پر سر و گردن کے بوجھ سے  
 ہر ایک بوجھ بہاری ہے مومن کے بوجھ سے

ہوش و خرد ہے باعثِ تکلیفِ آدمی  
 دیوانہ آشنا نہیں دامن کے بوجھ سے  
 راحت طلب کو رنج کشوں کی خبر کہاں  
 آگاہ کیا سوار ہے توسن کے بوجھ سے  
 سارِ سفر کبھی نہ ہوا بارِ دوش یاں  
 سمجھا میں مال و جنس کو رہزن کے بوجھ سے  
 سختیِ بخت و عشقِ بُتاں دونوں قہر ہیں  
 کم بوجھ سنگ کا نہیں آہن کے بوجھ سے  
 رندوں کو قیدِ سبوح زنار کی نہیں  
 واقف نہیں میں شیخ و برہمن کے بوجھ سے  
 غماز اپنا ذکر نہ لاوے حضورِ دوست  
 گردن جھکے نہ منتِ دشمن کے بوجھ سے  
 عاشقِ ملالِ خاطرِ اہلِ جہاں نہ ہوں  
 خم ہو نہ شاخِ بلبلِ گلشن کے بوجھ سے  
 آتشِ بے سارے رنج ہیں اس زندگی کے ساتھ  
 'مردے کو کیا خبرِ گلِ مدفن کے بوجھ سے

## ۱۵

ارتگ جو جو کچھ کہ چاہیں لائیں تین میں آبلے  
 ہامے بوسی کو ترستے تھے وطن میں آبلے  
 چشمِ زخمِ خار سے یا رب بچانا 'تو انہیں  
 اک رفیقِ حال ہیں رنج و محن میں آبلے

بدگمانی سے عبث پھرتا ہے گلچیں میرے ساتھ  
 ڈھونڈھتے آئے ہیں کانٹوں کو چمن میں آبلے  
 کون سرگرداں نہیں ہے جستجوے بار میں  
 پڑ گئے ہیں پامے شیخ و برہمن میں آبلے  
 آدمی کی بے شعوری ہے طلبِ راحت کی یاں  
 داغ ہیں یا 'خانہ' چرخِ کہن میں آبلے  
 ہاؤں کے چھالے تو نذرِ خارِ صحرا کر چکے  
 پھوڑے اب چل کے دل کے انجمن میں آبلے  
 تیغِ شعلہ سے کیا تھا قتلِ قاتل نے مگر  
 دیکھتا ہوں اپنے زخموں کے دہن میں آبلے  
 خار بھی میرے نصیبوں کا بیاباں میں نہیں  
 کیا شریکِ حال ہوویں گے کفن میں آبلے  
 اس قدر مجھ سے زمانے کی ہوا ہے برخلاف  
 کیا عجب 'بوے حنا ڈالے بدن میں آبلے  
 حالتِ بد کا نہیں کوئی زمانے میں شریک  
 جسمِ ساں ممکن نہیں ، ہیں پیرہن میں آبلے  
 ایڑیاں رگڑیں نہ آتش پھوڑ کر سر مر گیا  
 مثلِ مجنوں تھے نہ پائے کوہِ کن میں آبلے

۱۶

'رہ گیا چاک سے وحشت میں گریباں خالی  
 لے چلے خار سے ہم گوشہ' داماں خالی

۱ - علی بخش "یا -" نولکشوری نہ خے "یہ" -

۲ - کیاٹ طبع علی بخش ص ۱۶۱، نولکشور قدیم ص ۱۳۸، جدید ص ۲۳۵ -



ایک بوسہ دہنِ یار سے حاصل نہ ہو  
 اپنی تقدیر کا تھا چشمہ حیوان خالی  
 وقتِ فرصت کو غنیمت سمجھو ، آنا ہے تو آ  
 اے اجلِ عالمِ تنہائی ہے ، میدانِ خالی  
 کیوچہ یار میں مشتاقِ رخ و قد آئے  
 ہو گئے بابل و قمری سے گلستانِ خالی  
 دلِ عاشق سے اشارہ ہے یہ اُن مڑگان کا  
 قلعہ کر لیتے ہیں یہ دستہ ترکانِ خالی  
 چشمِ پروانہ سے دیکھا تو ہوا یہ روشن  
 جا تری دل میں ہے اے شمعِ شبستانِ خالی  
 مرغِ دل سینے کو کھولے ہیں نشانے کی طرح  
 ترکِ چشم اُن کے کریں ترکشِ مڑگانِ خالی  
 باغِ عالم میں نہیں کوئی کسی کی مستی  
 نہ دماغ اپنا کر اے مرغِ خوش الحانِ خالی  
 قیدِ مذہب کی گرفتاری سے جھٹ جاتا ہے  
 ہو نہ دیوانہ ، تو ہے عقل سے انساں خالی  
 عہدِ پیری میں کہاں اب وہ جوانی کے رفیق  
 صاف پہلوے زباں کر گئے دندانِ خالی  
 تیری درگاہ کے فقیروں کے لیے اے محبوب  
 تخت پر اپنی جگہ کرتے ہیں سلطانِ خالی  
 خالِ مشکیں سے شکارِ اہلِ قلم کو کیجیے  
 گلِ چلے شیر سے کرتے ہیں نیستانِ خالی  
 بتِ کافر نہیں ہوتے جو ہم آشوش ، نہ ہوں  
 بغلِ گور میں ہے جاے مسلمانِ خالی

ہنستے ہنستے تو کیا قتل گنہ گاروں کو  
 رو دیا دیکھ کے جلاذ نے زلداں خالی  
 دل بے کینہ کدورت نہیں رکھتا آتش  
 خس و خاشاک سے ہے اپنا بیاباں خالی

بندِ نقابِ عارضِ دلدار توڑے  
 باغِ مرادِ عشق کی دیوار توڑے  
 وہ درد دوست ہیں ، جو خدا ہم کو زخم دے  
 سو بار ٹانگے کھائیے ، سو بار توڑے  
 دیکھے ترا جو مصحفِ رو برہن ، کہے  
 بت کو سلام کیجیے ، زناں توڑے  
 بے ہر مجھے فلک نے کیا تو بجا کیا  
 لازم ہے بالِ مرغِ گرفتار توڑے  
 مرغِ ترانہ منج ہوں آس بوستان کا میں  
 خونِ بہار ٹپکے ، اگر خار توڑے  
 اپنا کچھ اختیار شفا میں نہیں طیب !  
 پریش سے نہ خاطرِ بیمار توڑے

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۶۱ ، نول کشور قدیم ص ۱۴۹ ، جدید  
 ص ۲۳۶ ، بہارستان سخن ص ۲۱۷ - یہ غزل بھی ابتدائی زمانے کی  
 ہے - مصحفی نے صرف مطلع لکھا ہے :

بندِ نقابِ عارضِ دلدار توڑے

یعنی ریاضِ حسن کی دیوار توڑے

ریاض النصحاء ، ص ۸ -

فتراک صید زئندہ ہے زلفِ سیاہِ یار  
 ٹوٹیں ہزارِ دل ، اگر اک تار توڑے  
 گردن ہی اپنی دوش پر اپنے وبال ہے  
 کیا چھین کر حریف کی تلوار توڑے  
 عاشق کی بے قراری سے اے بُت ! پناہ مانگ  
 ٹکرائیے جو سر کو تو کُھسار توڑے  
 بوسے کسی کے چہرہ رنگیں کے لسیجیے  
 اک دن تو پھول باغ سے دو چار توڑے  
 انسان کو پاسِ خاطرِ نازک ضرور ہے  
 شیشہ شراب کا بھی نہ زہار توڑے  
 بوسٹ کے دبکھنے کا ہے آنکھوں کو اشتیاق  
 بندِ نقاب کو سرِ بازار توڑے  
 سوداے دل نہ کیجیے گولا کھسکا ہو  
 جب تک نہ خوب ہاے خریدار توڑے  
 نامرد آساں سے گوارا ہے کس کو جنگ  
 آتشِ سپر کو چیرے ، تلوار توڑے

احسرتِ جلوہ دیدار لیے پھرتی ہے  
 پیشِ روزن پسِ دیوار لیے پھرتی ہے  
 اس مشقت سے اسے خاک نہ ہوگا حاصل  
 جاں عبث جسم کی یسگار لیے پھرتی ہے

دیکھنے دیتی نہیں اس کو مجھے بے ہوشی  
 ساتھ کیا اپنے یہ دیوار لیے بھرتی  
 کسی فاسق کے تو منہ کو نہ کرے گی کالا  
 کیوں سیاہی یہ شب تار لیے بھرتی ہے  
 'تو نکلتا نہیں شمشیر بکف اے قاتل !  
 موت میرے لیے تلوار لیے بھرتی ہے  
 مال مفلس مجھے سمجھا ہے جنوں نے شاید  
 وحشتِ دل سرِ بازار لیے بھرتی ہے  
 کعبہ و دیر میں وہ خانہ برانداز کہاں  
 گردشِ کافر و دیں دار لیے بھرتی ہے  
 رنج لکھتا ہے نصیبوں میں مرے راحت سے  
 خواب میں بھی ہوسِ یار لیے بھرتی ہے  
 چال میں اس کی سراپا ہے کسی کی تقلید  
 کبک کو یار کی رفتار لیے بھرتی ہے  
 درِ یار آئے ٹھکانے لکے مٹی میری  
 دوش پر اپنے صبا بار لیے بھرتی ہے  
 بنستے ہیں دیکھ کے مجنوں کو گلِ صحرائی  
 پا برہنہ طلبِ خار لیے بھرتی ہے  
 سایہ ساں حسن کے ہمراہ ہے عشقِ بے باک  
 ساتھ یہ جنس خریدار لیے بھرتی ہے  
 کسی صورت سے نہیں جاں کو قرار اے آتش  
 طہشِ دل مجھے لاچار لیے بھرتی ہے

رفتگان کا بھی خیال اے اہل عالم کیجیے  
 عالم ارواح سے صحبت کوئی دم کیجیے  
 حالت غم کو نہ بھولا چاہیے شادی میں بھی  
 خندہ گل دیکھ کر یاد اشکِ شبنم کیجیے  
 عیب الفت روزِ اول سے مری طینت میں ہے  
 داغِ لالہ کے لیے کیا فکرِ مرہم کیجیے  
 اپنی راحت کے لیے کس کو گوارا ہے یہ رخ  
 گھر بنا کر گردنِ محراب کو خم کیجیے  
 عشق کہتا ہے مجھے رام آں بت وحشی کو کر  
 حسن کی غیرت اسے سمجھاتی ہے رم کیجیے  
 راتِ صحبت گل سے ، دن کو ہم بغل خورشید سے  
 رشک اگر کیجیے تو رشکِ بختِ شبنم کیجیے  
 دیدہ و دل کو دکھایا چاہیے دیدارِ یار  
 حسن کے عالم سے آئینوں کو محرم کیجیے  
 شکلِ گل ہنس ہنس کے روزِ وصل کائے ہیں بہت  
 ہجر کی شب صبح رو کر مثلِ شبنم کیجیے  
 تھی سزا اپنی جو شادی مرگ قسمت نے کیا  
 ہجر میں کس نے کہا تھا وصل کا غم کیجیے  
 آپ کی نازک کمر پر بوجھ پڑتا ہے بہت  
 بڑھ چلے ہیں حد سے گیسو ، کچھ انہیں کم کیجیے

اٹھ گئی ہیں سامنے سے کیسی کیسی صورتیں  
 روئیے کس کے لیے ، کس کس کا ماتم کیجیے  
 روزِ مردم شب کیے دیتا ہے ، سرمہ ہونچھیے  
 خون ہوتے ہیں بہت ، شوق حنا کم کیجیے  
 آنے کو روبرو آنے نہ دیجیے یار کے  
 شانے سے آتش مزاج زلف برہم کیجیے

۲۰

اثر رکھتی مٹے گلگوں کی کیفیت کا ہستی ہے  
 ابھرنے میں حبابِ بحر کے اک جوشِ مستی ہے  
 دکھائی دیتے ہیں بندو ہی بندو مجھ کو خالوں سے  
 رخِ محبوب ہے یا نامسلمانوں کی ہستی ہے  
 پسندِ طبعِ محبوباں دلِ عاشق نہیں ہوتا  
 نظر میں کب کسی کے چڑھتی ہے جو چیزِ مستی ہے

۱۔ کایات طبع علی بخش ص ۱۶۳ ، نولکشور قدیم ص ۱۵۰ ، جدید ص ۲۳۸ ۔  
 یہ غزل چونکہ ریاض النضا ص ۲۳۸ پر بڑی ہے ، اس لیے ۱۴۲۱ء  
 کے قریب لکھی گئی ہے ۔ مصحفی کے مطلع و مقطع سمیت نقل کردہ  
 اشعار کی تعداد نو ہے ۔ مطلع یہ ہے :

حبابِ بحر دیوانوں کو اک زندانِ ہستی ہے  
 یہیں دشتِ عدم تک جا پہنچنا جوشِ مستی ہے  
 سرِ جاناں رکھا کب میں نے زانوے تصور میں  
 شبِ ہجر آہ کیوں چوٹی کی ناگن بن کے لستی ہے

۲۔ اس مصرع کی ابتدائی صورت یہ ہے :  
 ”برہن زلف و مردم گبر و کافر خالِ بندو ہے“

وہ دہقانِ غریبِ سرزمینِ عشق بازی ہوں  
 عوضِ بارانِ کے میری کشت پر آتشِ برستی ہے  
 فرومایہ کی گردنِ خمِ فلک سے بھی نہیں ہوتی  
 بھلا تیغِ گلی کو بھی کہیں دیکھا کہ کستی ہے؟  
 غم و شادی کی حالت دیکھ عالم کے مرقع میں  
 کوئی تصویرِ رومی ہے، کوئی تصویرِ ہنستی ہے  
 نہیں معلوم لذت کون سی رکھتا ہے زخمِ ایسی  
 نہایت روحِ آبِ تیغ کی خاطر ترستی ہے  
 غنیمتِ جانِ یارِ آوے لحد پر جان کھونے سے  
 مرادِ دلِ ملے کوئین تک دے کر تو مستی ہے  
 نہیں رہتا مزاجِ سفلہ ہرگز ایک حالت پر  
 بلندی کا بگولے کی مآلِ کارِ ہستی ہے  
 نہیں منظور بعد از مرگ ہتھرِ آس کی چھاتی پر  
 برہمن اس لیے مصروفِ کارِ بتِ ہستی ہے

---

۱۔ ریاض الفصحا: ”کشت پر آفتِ برستی ہے“۔ پھر ایک اور شعر ہے

جو یہاں نہیں ہے :

دلِ صاف اپنا کیوں کر نقشِ خوباں کا نہ طالب ہو  
 ازل سے کارِ لوحِ آئینہ، صورتِ ہرستی ہے

۲۔ ریاض الفصحا میں اس کے بعد یہ شعر ہے :

مبارک بادِ خونِ حسرتِ نظارہ عاشق کو  
 ہمیشہ بازوے قاتل کو مشقِ تیز دستی ہے

'ستارہ اپنا گردش میں ہے ، آتش آس کی گردش سے  
فلک کی تنگ چشمی سے ہماری تنگ دستی ہے

۲۱

'کام ہمت سے جواں مرد اگر لیتا ہے  
سانپ کو مار کے گنجینہ زر لیتا ہے  
ناگوارا کو جو کرتا ہے گوارا انسان  
زہر پی کر مزہ شیر و شکر لیتا ہے  
بالے میں ماہ کا ہوتا ہے چکوروں کو یقین  
کبھی انگڑائی جو وہ رشکِ قمر لیتا ہے  
وہ زبوں بخت شجر ہوں میں کہ دھقان میرا  
پیچھے ہوتا ہے مجھے ، پہلے تبر لیتا ہے  
منزل فقر و فنا جائے ادب ہے غافل  
بادشاہ تخت سے پاں اپنے اُتر لیتا ہے  
گنج پنہاں ہے تصرف میں بنی آدم کے  
کان سے لعل یہ ، دریا سے گہر لیتا ہے  
ضبط کرتا ہے جو نالے کا شبِ فرقت میں  
زخم پہلو میں نمک پیس کے دھر لیتا ہے  
نظر آ جاتا ہے اے گل ! جسے رخسار ترا  
پھولوں سے دامنِ نظارہ وہ بھر لیتا ہے

۱ - ریاض الفصحا میں مقطع یوں ہے :

ہوائے سیر دشت و کوہ ہے تو کر سبک باری  
کہ یکساں سائے کو آتش بلندی اور پستی ہے

۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۶۳ ، نول کشور قدیم ص ۱۵۰ ، جدید  
ص ۲۳۸ - بہارستانِ سخن ص ۲۵۶ آخری غزل ہے -



رہ پُر خوفِ محبت میں جو رکھتا ہے قدم  
 گور میں کامِ نخستیں کو وہ دھر لیتا ہے  
 پیش کش گل سے طالب کرتے ہیں رنگیں مضمون  
 سرو سے باج مرا مصرعِ تر لیتا ہے  
 عقل کر دیتی ہے انساں کی جہالت زائل  
 موت سے جان چھپانے کو سپر لیتا ہے  
 نگہ لطف کی حسرت ہے ہمیں وائے نصیب  
 کس طرح سرمہ گھر آن آنکھوں میں کر لیتا ہے  
 یاد رکھتا ہے عدم میں کوئی ماغر کش اسے  
 ہچکیاں شیشہ مے ، شام و سحر لیتا ہے  
 روح و قالب کی جدائی ہے ، جدائی تیری  
 دم نکلتا ہے جو گو نامِ سفر لیتا ہے  
 ہجر میں وصل کا ملتا ہے مزا عاشق کو  
 شوق کا مرتبہ جب حد سے گزر لیتا ہے  
 عزت نالہ و فریاد نہ کہو اے آتش !  
 آشنا کوئی نہیں ، کون خبر لیتا ہے

۲۲

'اللہ ری روشنی مرے سینے کے داغ کی  
 اندھیاری رات میں نہیں حاجت چراغ کی  
 بستی چند روز نے تو تنگ ہی رکھا  
 خوابِ عدم میں دیکھیں گے صورت فراغ کی

بے اعتبار نقش و نگارِ زمانہ ہے  
 اک رنگ پر ہوا نہیں رہتی ہے باغ کی  
 بختِ سیہ نے کام کیا بعدِ مرگ بھی  
 رنگیں مرے لہو سے ہے منقارِ زاغ کی  
 ظاہر ہوا مجھے یہ بلندیِ سرو سے  
 کرتی ہے کام خاک بھی عالی دماغ کی  
 سو تاز سے بلند کرے باغباں تو کیا  
 ہمت کے آگے ہست ہے دیوارِ باغ کی  
 اخگر کی طرح سے جو دہکتے ہیں داغِ عشق  
 سینے میں اپنے رہتی ہے گرمیِ اجاغ کی  
 رخ کیا ملائے گا رخِ رنگیں یار سے  
 لالے کو کیا خبر نہیں ہے چارِ داغ کی  
 ابرِ کرم کے فیض نے ایسا کیا ہے سبز  
 مہندی کی ٹٹی ہو گئی دیوارِ باغ کی  
 شاعر ہوں ، بوے سیبِ زخداں ہوں سونگھتا  
 اصلاح رہتی ہے مجھے اپنے دماغ کی  
 گم ہوں گے ایسے ڈھونڈھے بھی پائے نہ جائیں گے  
 کھو وے گی فکرِ ہم کو تمہارے سراغ کی  
 جلتی ہے شوقِ آتشِ رخسارِ یار میں  
 ہے شمع سوختہ اُسی چشم و چراغ کی  
 پائے نہیں زمانے میں آتشِ خوشی کا نام  
 عنقا ہے اپنے دور میں گردشِ ایاغ کی

احسنِ امرد کا بہت مائل دل بے باک ہے  
 گردِ راہ نے سواراں آخر اپنی خاک ہے  
 خطِ روئے یارِ حجت بہرِ حسنِ بہاک ہے  
 جانتے ہیں سب کہ کعبے کی سیہ پوشاک ہے  
 سرخ شادی سے رخِ ساغر کش بے باک ہے  
 زرد روئے محتسب ہے ، سبز شاخِ تاک ہے  
 بانس کا رتبہ ہے پیشِ قدِ موزوں سرو کو  
 گل کو تیرے روبرو حکمِ خس و خاشاک ہے  
 قسلبِ ماہیت سے جانے نفرتِ پا کاں نہ ہو  
 جوشِ کھا کر ، مٹے ہوا انگور جب ، ناپاک ہے  
 مومن و کافر جگہ دیتے ہیں آنکھوں میں اسے  
 طور کا سرمہ کسی نقشِ قدم کی خاک ہے  
 جوشِ گریہ سے رواں رہتا ہے دریا گرد و پیش  
 اب پہنچتا ہے وہ مجھ تک جو کوئی تیراک ہے  
 بختِ باور نے دیا انگور سا فرزند اُسے  
 خاندان کا فخر اپنے سلسلے میں تاک ہے  
 دستِ وحشت پنجمہ مژگنِ اشک افشاں ہے باں  
 آستینِ میری گریباں کی طرح سے چاک ہے  
 کلفتِ ایام سے پردہ نہیں کچھ حسن کو  
 خوب رویوں کو مزینب ملگجی پوشاک ہے

وہ گریباں گیر ہے تیرا ، میں دامن گیرِ یار  
 عشق یاں گستاخ ہے ، واں حسن اگر بیباک ہے  
 بہرہ ور دیدار سے یہ ، وصل کی حسرت آسے  
 شاد نیں آنکھیں بہاری ، دل مگر غم ناک ہے  
 دورِ ساغر سے دگرگوں رنگ ہو جاتا ہے یاں  
 مے کدے میں لطف رکھتی گردشِ افلاک ہے  
 ڈھونڈ لوں گا چار دن میں قاتل اپنے واسطے  
 دیکھتا ہوں آسماں کو ، کس قدر سفاک ہے  
 نارسائی طالعِ بد کی بیاں کیا کیجیے  
 پاؤں شل ہو جائیں قاصد کے اگر چالاک ہے  
 کون سے صیاد نے صید افگنی کی اختیار  
 حلقہٴ گوشِ غزالاں حلقہٴ فتراک ہے  
 مرد سے بہتر ہے نامِ مرد ، سچ ہے یہ مثل  
 پہلوانی ہے سو ہے رسم کی آتش دھاک ہے

## ۲۲

کبھی جو جذبِ محبت سے کام ہوتا ہے  
 نقابِ آئنا ہے ، دیدارِ عام ہوتا ہے  
 وہ صبحِ عید جو بالائے بام ہوتا ہے  
 مہِ صیام میں روزہ حرام ہوتا ہے  
 بلائے بزمِ جہاں ہے وہ چشم کی گردش  
 نگاہِ پھرتی ہے دورِ تمام ہوتا ہے

اٹھاؤں کس لیے احسانِ یار گردن پر  
 مرا تو اُس کے تغافل سے کام ہوتا ہے  
 خدا کی یاد جوانی میں غافلُو ! کر لو  
 وگرنہ وقتِ فضیلت تمام ہوتا ہے  
 الہی کیوں نہیں خواہاں کوئی صنم اُس کا  
 یہ دل تو شرطِ وفا پر غلام ہوتا ہے  
 کسی کو کیا کوئی گھر اپنے دل میں کرنے دے  
 نگیں سے دیکھ لے ، برعکس نام ہوتا ہے  
 فرشتے سنتے ہیں آوازِ دورباش کا شور  
 کبھی ہمارا جو واں اہتمام ہوتا ہے  
 زیارت ان کی جو کرتے ہیں مومنین آ کے  
 زبانِ حُور میں اُن سے کلام ہوتا ہے  
 ہزار لال ہوئے اخکروں سے داغِ جنوں  
 بنوڑ پختہ ہے سوداے خام ہوتا ہے  
 کوئی زمانے سے جاتا ہے ، کوئی ہے آتا  
 کسی کا کوچ ، کسی کا مقام ہوتا ہے  
 پھنسا جو زلف میں اُس گل کی مرغِ دل ، بولا  
 نہ تھی خبر یہ کہ سنبل بھی دام ہوتا ہے  
 ہمارے حلقے میں کرتا ہے شیشہ دل خالی  
 ہمارے دور میں لب ریز جام ہوتا ہے  
 کمند شوق ہو درگاہِ عشق کی رہبر  
 یہ آستانہ بلندی میں بام ہوتا ہے  
 وہ کون ہے جو نہیں اُن کو دیکھنے آتا  
 نظارہ بازوں سے ایک اژدھام ہوتا ہے

ملازموں میں ہیں سلطانِ عشق کے ہم بھی  
کبھی بہارا بھی آتشِ سلام ہوتا ہے

۲۵

'جہاں حور و پری ہر ہے طعنہ زن مٹی  
بلائے جاں ہوئی سرخ و سفید بن مٹی  
قدم بڑے جو ترا آس پر اے گلِ رعنا  
زمینِ شور کی ہو قابلِ چمن مٹی  
خدا کے واسطے ، اے آہاں ! حوالے کر  
دھرے دھرے نہ کہیں ہو مرا کفن مٹی  
یہی جو تیشہ زنی ہے تو ایک دن سنا  
کرے گا اینٹ کا گھر اپنا کوہ کن مٹی  
جلا رقیب سیدِ رو حسد سے ، میں سمجھا  
ہوئی ہے گبر کے مُردے کی شعلہ زن مٹی  
ہمیشہ جھاڑتے ہیں گردِ پیرہن غافل  
نہیں سمجھتے کہ ہے زیرِ پیرہن مٹی  
زمانے میں کوئی غربت زدہ نہیں ہم سا  
آڑی نہ اپنی کبھی جانبِ وطن مٹی  
قبولِ خاطرِ مردم ہو تو تیا کی طرح  
عزیزِ تیری کریں شیخ و برہمن مٹی  
ہوائے تند سے رہتا ہے بیمِ بربادی  
تپِ دروں نے کیا ہے زبس بدن مٹی

نہ ہووے قالبِ خاکی غبارِ خاطرِ روح  
 قبول سینے کے اوپر ہزار من مٹی  
 نظارہ باز یہ درپردہ کون ہے اس کا  
 دکھاتی ہے کسے چشم و لب و دہن مٹی  
 زمیں سے ہووے گا اک آسمان نو پیدا  
 بس از فنا جو ہوئی اپنی چرخ زن مٹی  
 کسی کا یار برے وقت میں نہیں کوئی  
 نہ دیکھا روح کو ہوتے شریک تن مٹی  
 کڑے ہیں اس میں صباحت کے سیکڑوں کشتے  
 عجب نہیں ہے جو دے بوئے یاسن مٹی  
 مالِ کار کا اپنے نہیں خیال آتا  
 ملایا کرتے ہیں مٹی میں گورکن مٹی  
 کسی نے آف بھی نہ کی شمع جل کے خاک ہوئی  
 نہ ہووے گی مگر آتش یہ انجمن مٹی ؟

۲۶

آبلوں سے خارِ صحرا ہی نہیں سر کھینچتے  
 بید کے پتے بھی بجنوں پر ہیں خنجر کھینچتے  
 کیمیاگر روغنِ گوگرد احمر کھینچتے  
 ہم تری زلفوں کو دھو کر عطرِ عنبر کھینچتے  
 ناتوانی کا برا ہو ، گو اثر ہوتا نہ کچھ  
 آزمانے کو تو نالے ہم مقرر کھینچتے

ٹھوکریں کھائی ہیں جو ہم نے بتوں کے عشق میں  
 آب ہو جاتے ، جو یہ آزار پتھر کھینچتے  
 شاعروں نے تیرے قد سے دی ہے جو تشبیہ بار  
 قمریوں کو سرو ہیں سولی کے اوپر کھینچتے  
 دیکھ کر وہ خالِ رخ ملتے ہیں روغن ساز ہاتھ  
 ان تلوں کا تیل کھینچتا تو مقرر کھینچتے  
 فکرِ معنی خیز صفحے کو بناتی صید گاہ  
 دام ہو کر مرغِ مضمون تارِ مسطر کھینچتے  
 رعشہ پیری ہے وہ جوشِ جوانی کا عوض  
 اپنی بد مستی کا خمیازہ نہ کیوں کر کھینچتے  
 'بوالہوس عاشق کے جیتے جی نہیں شایانِ قتل  
 دوست تھے میرے تو دشمن پر نہ خنجر کھینچتے  
 'جنبشِ مڑگاں سے چل جاتے ہیں آرمے جان پر  
 دل شکنجے میں ہیں گیسوے مغنبر کھینچتے  
 یاد کرتے ہیں تجھے تنہائی میں اے لازیں !  
 معتکف رہتے ہیں ہم ، چلتے ہیں اکثر کھینچتے  
 بجر کی شب میں ہے روزِ وصل کا آنکھوں کو شوق  
 دسترس ہوتا تو ہم دامنِ محشر کھینچتے  
 جب سے دیکھا ہے تجھے آنکھوں نے اے بالا بلند !  
 قد کے سودے میں ہیں تصویرِ صنوبر کھینچتے  
 زندگی میں سیرِ جنت کا جو ہوتا دل کو شوق  
 ہم تجھے اپنی طرف اے حور پیکر کھینچتے  
 میں اڑا دیتا ہوں آن کو دے کے اک اک خطِ شوق  
 دام میں صیاد ہیں جو جو کبوتر کھینچتے



ٹیڑھی صورت آئینہ کرتا جو اُس محبوب سے  
 قبر سے مردہ ترا ہم اے سکندر کھینچتے  
 روشنیِ 'حسن' کرنے آتشِ اپنی گور پر  
 شمعِ 'رویوں' کو شبِ آدینہ مرا کر کھینچتے

## ۲۷

اے رخِ یار مجھے جان سے بیزاری تھی  
 چاندنی رات نہ تھی، گور کی اندھیری تھی  
 کام ہی ہو گیا آمیدِ شفا میں آخر  
 دل کی بیماری تھی یا چشم کی بیماری تھی  
 کیا مزا کالبدِ خاک میں اے روح ملا  
 یا نکلتی ہی نہیں، یا تو وہ بیزاری تھی  
 پاں مرے پاؤں میں زنجیر تھی، واں گردن میں  
 یار سے میں نے بدی شرطِ وفاداری تھی  
 نہ 'موا' میں تو ہے قسمت کا قصور اے قاتل !  
 ہاتھ کمزور، نہ تلوار تری بھاری تھی  
 نالہ کرنے سے نہ کم ظرف کہو جلا دو  
 ضبطِ فریاد بس اب آگے دل آزاری تھی  
 وائے قسمت کبھی پہنچے بھی جو ہم کم طالع  
 میلے سے میدنی کے پھرنے کی تیساری تھی  
 بوسہٴ لعلِ لبِ یار کی حسرت ہی رہی  
 مردِ مفلس کو جواہر کی خریداری تھی

’طور جس برق تجلی نے کیا خاکِ سیاہ  
تیرے آتش کدہ حسن کی چنگاری تھی  
گاہ روتا ، کبھی ہنستا تھا نصیبوں پر میں  
خوابِ بد میرے لیے حالتِ بیداری تھی  
’چھوٹ کر عشق کے پھندے سے ہوں تنگ اے آتش  
مجھ کو آزادی سے بہتر وہ گرفتاری

’ایڑیوں تک تری چوٹی کی رسائی ہوتی  
کل جو آئی تھی بلا ، آج ہی آئی ہوتی  
روزِ بحراں شبِ تاریک جدائی ہوتی  
مرضِ عشق و طبیعت سے لڑائی ہوتی  
قدِ موزوں رخِ رنگیں جو دکھاتا تو آنہیں  
سرو و قمری ، گل و بلبل میں جدائی ہوتی  
دستِ محبوب کا مرجاں نے دیا تھا دھوکا  
پنچہ جیسا تھا جو ویسی ہی کلائی ہوتی  
چھین کر دل کو لیا ، خوب کیا اے شہِ حسن  
مانگ کر ہم سے جو لیتا تو کدائی ہوتی  
دولتِ اللہ سے کرتے جو طلب دیوانے  
نقری طوق ، تو زنجیرِ طلائی ہوتی  
بزمِ رنگیں میں تری سبز قدم رہنے نہ پائیں  
گھاس اکھڑتی جو چمن سے تو صفائی ہوتی

ذات باری کو کیا ظلم بتاں نے ثابت  
 عدل کرتے یہ اگر ان کی خدائی ہوتی  
 چھوٹے بند محبت کے گرفتار اگر  
 طوق سے گردنِ قمری کی رہائی ہوتی  
 عیش ہوتا کچھ اگر غم کدہ دلیا میں  
 روح قالب میں خوشی سے نہ سہائی ہوتی  
 گھر گرایا جو مرا سیلِ حوادث نے تو کیا  
 چار دیوار عناصر کی گرائی ہوتی  
 توڑتے اہلے دیوانہ دست رنگیں  
 خار پر تہمت انگشتِ خنائی ہوتی  
 غیر گھورے نگہ بد سے تجھے ، حیف ہے یار  
 آنکھ ہم سے جو لڑانا تو لڑائی ہوتی  
 ان عذاروں کی جو پاتی یہ صباحت آتش  
 یاسمین باغ میں پھولے نہ سہائی ہوتی

۲۹

'پیرہن تیرے شہیدوں کے گلستان ہو گئے  
 زخمِ خنداں غیرت گلِ ہائے خنداں ہو گئے  
 آرزوے دل رہی نا آشناے گوشِ یار  
 حرفِ مطلب اپنے منہ تک آ کے دندان ہو گئے  
 حسن وہ شے ہے کہ ہتھر میں بھی کرتا ہے اثر  
 چشمِ عاشق کی طرح آئینے حیراں ہو گئے

منزلِ دل کی خرابی کا الم کیا کیجیے  
 کیسے کیسے خالہ آباد ویراں ہو گئے  
 سیرِ نیرنگ جہاں دیکھا کیے رندانِ عشق  
 شیعہ سنی ہو گئے ، ہندو مسلمان ہو گئے  
 عاشقوں سے ٹیڑھے رہنے کی سزا آخر ملی  
 چشم سے برگشتہ تیرے موے مڑکاں ہو گئے  
 کیا نفاق انکیز چلتی ہے زمانے میں ہو  
 سیکڑوں مجموعہٴ صحبت پریشان ہو گئے  
 آہ بر لب ، داغ بر دل ، بسکہ عبرت نے کیا  
 شمع و کل ہم بر سرِ گورِ غریباں ہو گئے  
 موسمِ کل کر دیا آن کی قبائے سرخ نے  
 چاک تا دامن ہزاروں ہی گریباں ہو گئے  
 زخم کھانے کا مزا دل کو ملے گا وقتِ قتل  
 ابروے قاتل بھی جو دو تیغِ عربیاں ہو گئے  
 دل نے جب سمجھا ہمارے یادگارِ رفتگان  
 یوسف اپنی آنکھ میں داغِ عزیزاں ہو گئے  
 جو چلن چاہیں چلیں آتشِ بتان بے وفا  
 حسن جب پیدا ہوا سب عیب پنہاں ہو گئے

۳۰

اکوے جانان چمن سے بہتر ہے  
 اس کا کتنا ہرن سے بہتر ہے

گل قبا پر ہو جامے سے زباہر  
 کب ترے پیرزن سے بہتر ہے  
 گور میں بھاگ اہل دنیا سے  
 خلوت اس انجمن سے بہتر ہے  
 چمن دہر کا ہے ہر گل خوب  
 نسترن ، باسمن سے بہتر ہے  
 ہنسنے والا نہیں ہے رونے پر  
 ہم کو غربت وطن سے بہتر ہے  
 ترک دنیا مسجھ جوان مردی  
 نفرت اس پیرزن سے بہتر ہے  
 بازو آس کا مکان شکم آس کا  
 دھکدکی نورتن سے بہتر ہے  
 نہیں کھلتا کسی طرح سے پھر  
 عیب پوشی کفن سے بہتر ہے  
 سیب ہے یہ تو پھر بھی ہے وہ  
 غیب اے دل ذقن سے بہتر ہے  
 مانگیے کیا خدا سے چشمہ خضر  
 کیا صنم کے دہن سے بہتر ہے ؟  
 دشمن جاں اجل کو جاں آتش  
 دوستی گورکن سے بہتر ہے

اکون سی شب ہے جو رو رو کے نہیں کٹی ہے  
 شام ہوتی ہے ادھر ، چھاتی ادھر پھٹی ہے  
 صورت شمع ہوں ہر چند فروغ محفل  
 بات کرنے نہیں پاتا کہ زبان کٹی ہے  
 درد دل سے کبھی نالہ جو کر اٹھتا ہوں میں  
 آسمان چرخ میں آتا ہے ، زمیں پھٹی ہے  
 کس کی دیوار کے سارے کا میں دیوانہ ہوں  
 میری پرچھائیں سے دیوار ہرے ہٹی ہے  
 لاش پر لاش نکلتی ہے ترے کوچے میں  
 کیا تماشا ہے کہ پھر بھیڑ نہیں چھٹی ہے  
 بینی یار سے دعویٰ ہے گلِ زنبق کو  
 بے حیائی سے مگر ناک نہیں کٹی ہے !  
 حسن سے اپنے وہ نادان ہوا ہے آگہ  
 آرسی سامنے سے اس کے نہیں ہٹی ہے  
 بوسے کا اس لب شیریں کے زباں نام نہ لے  
 جان جاتی ہے ، مٹھانی نہیں کچھ ہٹی ہے  
 عشقِ محبوب میں غم ہے کسے مر جانے کا  
 جان جاتی نہیں ، عاشق کی بلا کٹتی ہے  
 طلب آرام کی بے جا ہے گرفتاری میں  
 کب بھلا خانہ زنجیر میں چھت پٹی ہے

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۶۷ ، نول کشور قدیم ص ۱۵۴ ، جدید

ص ۲۴۵ -

۲ - ایک قسم کا لمبا سفید پھول - مرہم زخم کا بھی ایک جزو ہے -

شب ہجران کی درازی کا گلا کیا کیجے  
 خضر کی عمر بھی دو چار گھڑی گھٹی ہے  
 گوش وہ ہے جو سنا کرتا ہے افسانہ حسن  
 وہ زباں ہے جو صنم نام ترا رتی ہے  
 مسائلِ دولت دنیا ہوں میں اے آتش کیا  
 گنجِ قاروں سے بھی اوقات نہیں کٹی ہے

۳۲

آنکھ پڑتے ہی قرار و صبر و طاقت لے گئے  
 خالِ مشکینِ دلبری میں گوئے سبقت لے گئے  
 خاک چھانی ہم سپکِ روحوں نے مثلِ گردِ باد  
 وادی پُر خار سے تلوے سلامت لے گئے  
 زہر کھا کر اک شکر لب پر ہوا ہوں دیکھنا  
 قبر پر دشمن گھڑے بھر بھر کے شربت لے گئے  
 عالمِ اسباب سے حاصل ہوا آخر کفن  
 چلتے چلتے آسماں سے ہم بھی خلعت لے گئے  
 ناتوانی سے فشارِ قبر کی طاقت نہ تھی  
 گور میں بھی تیرے عاشق کو امانت لے گئے  
 تیرہ بجتی کے اثر نے شام سے گل کر دیا  
 صبح کو کسوے اٹھا کر شمعِ تربت لے گئے  
 دیدہ دل نے گھسیٹا کوچہ محبوب میں  
 کھینچ کر مجھ کو فرشتے سوئے جنت لے گئے

باغِ عالم میں ہے نا فہموں کو بے برگی کا غم  
 سبز پتے اس چمن سے زرد صورت لے گئے  
 کوئی مومن ہو نہ گلِ درِ گلِ الٰہی بعدِ مرگ  
 وائے برحالِ آن کے جو دل میں کدورت لے گئے  
 گردشِ چشمِ غزالاں نے ستایا دشت میں  
 ساتھ اپنے ہر جگہ ہم اپنی قسمت لے گئے  
 مصحفِ رخسار کے مضمون سوا مضمون نہیں  
 سب کے مضمون پر مرے مضمون فضیلت لے گئے  
 دیکھ سکتے تھے کسہاں کافر مسلمان کی نمود  
 کھود کر بت ساز آذ سنگِ تربت لے گئے

۳۳

ہے' یہ آسیدِ قوی زلفِ رسائے بار سے  
 گنج چھینے، مسہرہ اگلانے دہانِ مار سے  
 سامنا جب اس مسیحا کا ہوا یہ بار سے  
 بھر دیے آنکھوں کے کاسے شربتِ دیدار سے  
 نازک اندامی میں کیا نسبت کسی کو بار سے  
 بدھیاں پڑتی ہیں اس گل کے بدن پر بار سے  
 کم ہے ایذا ہو جو کچھ عاشق کو زلفِ بار سے  
 یہ بلائے بد زیادہ ہے شبِ بیمار سے

۱ - کلیاتِ طبع علی بخش میں یہ نواں شعر ہے -

۲ - کلیاتِ طبع علی بخش ص ۱۶۸، نول کشور قدیم ص ۱۵۵، جدید

ص ۲۴۵، بھارتستان سخن ص ۲۰۳ -



چاہیے لیے کر جواب نامہ قاصد ہو پھرا  
 بال ہد ہد کی ہوا آتی ہے کدوے یار سے  
 بعدِ مردن بھی رہے گا دل کو شوقِ قصرِ یار  
 سایہ بن کر روح لیٹے گی مری دیوار سے  
 عاشقوں کے دل کو پیسا کرتی ہے مشقِ خرام  
 رہتی ہے ہازیبِ نالان یار کی رفتار سے  
 وجدِ اہلِ حال سے یہ منکشف ہم کو ہوا  
 پردے کی آواز سن لیتے ہیں موسیقار سے  
 بادشاہِ حسن نے خلعت دیا ہے عشق کا  
 یہ علاقہ ہے ہمارے نام پر سرکار سے  
 مشتریِ حسن مجھ ما دوسرا عاشق نہیں  
 بوئے یوسف آتی ہے گھر میں مرے بازار سے  
 کر دیا ہے عشقِ زلفِ یار نے خوش ذائقہ  
 شہد کا ہم کو مزا ملتا ہے زہرِ مار سے  
 جان سودے میں تمہارے خالِ رخ کے جانے گی  
 رکھتی ہے پرہیز یہ حُبِ شفا بیار سے  
 دامنِ نظارہ لبِ ریزِ جواہر کیجیے  
 بنس کے دکھلا دیجیے دندانِ درِ شہوار سے  
 شب کی شب میں ہو گئی اس مرتبہ دل بستگی  
 صبح کو روتی ہوئی شبنم گئی گلزار سے  
 دم فنا ہوتے ہیں دیکھے سے تمہارا بانک پن  
 قتل کرتی ہے یہ شملے کی لٹک دستار سے  
 غیر سے احوالِ ہر می یار کرتا ہے مری  
 گوشِ گلِ بلبل کی سنتا ہے زبانِ خار سے

دل کو داغِ عشقِ حسن آیا زمانے میں پسند  
 یہ شگوفہ لے چلے آ کر ہم اس گلزار سے  
 بے سبب مشقِ خرامِ لاز صاحب کی نہیں  
 کبک کو سیدھا کرو گے پائے کچ رفتار سے  
 حسن سے ساقی کے حاصل ہوگی کیفیاتِ عشق  
 مست ہو کر جائیں گے ہم خالہٗ خُتار سے  
 آرزومند شہادت ہوں ، ارادہ ہے یہی  
 بھیک مانگوں زخمِ امے قاتل تری تلوار سے  
 کی نہ جن آنکھوں نے بُلبُل کی نگہ سے سیرِ باغ  
 ہم نے یہ جانا کہ نائینا گئیں گلزار سے  
 لوٹ لینے کا ارادہ مردمِ دیدہ کا ہے  
 سامنا تو ہو نگہ کا دولتِ دیدار سے  
 حشر کی گرمی میں تو یاد آئے گا امے قصرِ یار  
 دھوپ بچ جاتی ہے تیرے سایہٗ دیوار سے  
 خار خارِ دل سے جاتی ہے بہاری جان ، یار !  
 دور کر یہ غنچہ سا گھونگھٹ گلِ رخسار سے  
 آنکھِ رغبت کی اگر میری طرح سے ڈالتا  
 پیانسی دلوانا برہن کو وہ بت زنار سے  
 نیند آتی ہے کسے آتشِ فراقِ یار میں  
 خواب کو نفرت ہے اپنے دیدہٗ بیدار سے

۳۴

اکوچہٗ یار میں چلیے تو غزلِ خواں چلیے  
 بُلبُلِ مست کی صورت سے گلستانِ چلیے

دن کو ملتا نہیں وہ ماہ ، نہیں تو کہتا  
 رات بھر کے لیے گھر میں مرے مہماں چلیے  
 پاؤں میں تا رہے رفتار کی طاقت باقی  
 پیچھے پیچھے ترے اے عمرِ گریزاں چلیے  
 زلف میں لعل لبِ بار کا مشتاق ہے دل  
 بند سے کوچ جو کیجیے تو بدخشاں چلیے  
 شوق صحرا کا جو ہوتا ہے تو کہتا ہے جنوں  
 تیغ کی طرح سے میدان میں عرباں چلیے  
 دم فنا کیجیے اپنا نفسِ سرو کے ساتھ  
 ٹھنڈے ٹھنڈے طرفِ گورِ غریباں چلیے  
 کافرِ عشق فرشتے کی نہیں سنتے ہیں  
 کس سے کہتا ہے وہ غارت گرِ ایماں ، چلیے  
 ہاتھ سے ہاتھ چھڑا کر وہ گئے ہیں جب سے  
 قصہ رہتا ہے یہی پاؤں کو یاں ، واں چلیے  
 رہنا جوشِ جنوں سا ہے بہارِ گل میں  
 طوق و زنجیر پہن لیجیے ، زنداں چلیے  
 زلف کے سودے میں اک عمر بسر کی آتش  
 بس بہت دیکھ چکے خوابِ پریشاں ، چلیے !

۳۵

ابرنگِ آئندہ انسان کی قسمت ہے اگر سیدھی  
 موافق ہے زمانہ ، دوست دشمن کی نظر سیدھی

زمیں پر پاؤں رکھ کر آسماں پر ناز کرتا ہے  
 مگر ٹھوکر سے چرخِ پیر کی ہوگی کمر سیدھی  
 سرِ مغرور کو جمعیتِ دنیا جھکاتی ہے  
 نہیں دیکھی چمن میں ہم نے شاخِ بارور سیدھی  
 نہ پستی و بلندی ہے ، نہ ایسے پھیر کے رستے  
 عدم کی راہ سب راہوں سے ہے اے یخبر سیدھی  
 نہیں زور آوری میں بازوئے قاتل کی شک پرگز  
 کرے گی صاف دو ٹکڑے پڑی تلوار اگر سیدھی  
 پس از مُردن بھی حسرت باقی رہتی ہے جوانی کی  
 لحد میں کرنے ہیں پیرانِ خم گشتہ کمر سیدھی  
 اثر کرتی نہیں تعلیمِ تیرہ روزگاروں کو  
 ادھر ٹیڑھی ہوئی شانے نے کی وہ زلفِ ادھر سیدھی  
 کرے گی صاف چیں آن ابروؤں کی گرمی صہبا  
 کہاں رخِ کرگئی جب پھر وہ ہوگی آگ پر سیدھی  
 محبت ہے ہمیشہ کاملوں کو راست بازوں سے  
 کمر میں رکھتے ہیں تلوارِ راوتِ بیشتر سیدھی  
 غریب آزار کا انجامِ کار اچھا نہیں ہوتا  
 بس اب اے آہ چرخِ پیر پر برجھی نہ کر سیدھی  
 جو منہ میں بار کی آتا ہے بک جاتا ہے اے آتش  
 نہ آلتی ہی سمجھتا ہے ، نہ وہ رشکِ قمر سیدھی

'کوچہ تیرا عیش باغ' اے یار! بے تاویل ہے  
 چشمِ اشکِ آلودِ عاشقِ آس میں موتی جھیل ہے  
 آفتِ جانِ سامنا آس کا ہے انساں کے لیے  
 خوب صورت جس کو کہتے ہیں وہ عزرائیل ہے  
 معنیِ توریتِ موسائی سمجھتے ہیں تجھے  
 واسطے عیسائیوں کے مطلبِ انجیل ہے  
 بلبل و 'قمری' ہیں نالانِ راہِ کوئے یار میں  
 گل جو ہے سنگِ نشاں ہے سرو جو ہے میل ہے  
 گردِ رہتے ہیں ستارے رات بھر پروانہ وار  
 ماہِ تاباں کون سے دروازے کی قندیل ہے  
 جلوۂ قربانیاں عشقِ کس دن واں نہیں  
 روزِ آسِ یوسف کے کٹو میں عیدِ اسماعیل ہے  
 کیا سمجھ کر بلبلوں کو حسن سے آس کے ہے عشق  
 چار دن میں رنگِ رخسارِ چمن تبدیل ہے  
 عشقِ بازی میں ہمیں فرہاد و مجنوں سے ہے فوق  
 لیلیٰ و شیریں سے تم کو حسن میں تفضیل ہے  
 بے سر و پائی نے پایا ہے یہ عالم میں رواج  
 ہا جو ہے بے کفش ہے، سر ہے سو بے مندیل ہے

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۷۰، نول کشور قدیم ص ۱۵۷، جدید

ص ۲۳۸۔

۲۔ لکھنؤ میں 'عیش باغ' اور 'موتی جھیل' عہدِ آصف الدولہ کے دو  
 خوب صورت تفریحی مقام تھے جن کے نام باقی ہیں مگر نشان مٹ چکے۔

بادشاہ وقت اُس کے شیفتہ ہیں اے صنم  
 گیسوؤں کا تیرے سودا ہند کی تحصیل ہے  
 شعر الہامی یہ پہنچاتی ہے وہ لاتا تھا وحی  
 فکرِ عالی منزلت بھی ہمارے جبریل ہے  
 راہ پر لاتے ہیں جب گمرہ ہوا ہے آسماں  
 بیشتر ہم نے بنایا ہے جو بگڑا فیل ہے  
 جو کہ دیوانہ ہے حاضر ہووے بازی گاہ میں  
 لڑکوں کو چھٹی ہے، روزِ جمعہ ہے، تعطیل ہے  
 عشق کے غم سے کوئی نعمت نہیں لذتِ سرشت  
 نوش کیجیے اس غذا کو جس قدر تحلیل ہے  
 منتظر ہے چشمِ روزِ وعدہ دیدار کی  
 گوشِ مشتاقِ صدائےِ صورِ اسرافیل ہے  
 بیشہ، عشق و جنوں کی سیر کے قابل ہے تو  
 شیر کے مانند آتشِ تجھ میں زورِ فیل ہے

۳۷

’کیفِ مے نے سرخ وہ رخ کر دیا عتاب سے  
 آتشِ گل کس مزے کے ساتھ بھڑکی آب سے  
 تیرے سودے میں کھلونا بن گیا ہے اے پری !  
 کھیلنے آتے ہیں طفلِ اپنے دلِ بے تاب سے

۱ - علی بخش کے نسخے میں یہ مصرع غلط چھپا ہے :

”شیر کی سی دلیر آتشِ تجھ میں -“

۲ - کلیاتِ طبعِ علی بخش ص ۱۷۰ ، نول کشور قدیم ص ۱۵۷ ، جلد

ص ۲۴۹ ، بہارستانِ سخن ص ۲۲۳ -

باغِ عالم میں ہو تسکین خاک مجھ بیمار کو  
 اک زخندان سیب سا ، دو لب نہیں عناب سے  
 سامنا ہوتا ہے بے تیرے جو اے آرامِ جاں !  
 مردمِ دیدہ چرا لیتے ہیں آنکھیں خواب سے  
 دیکھتے ہیں زور اپنے ہاتھ کا وہ آج کل  
 خونِ عاشقِ مل کے پنجہ کرتے ہیں قصاب سے  
 تم اندھیری رات میں اٹھو جو چہرے سے نقاب  
 روئے رشکِ مہر ذروں کو جگا دے خواب سے  
 رعشہ پیری تھا تن کو کریمہ طفلی سے قہر  
 زلزلے سے ڈھے گیا بچ کر یہ گھر سیلاب سے  
 چاہتا ہوں یار کو پیشِ نظر آئہوں پھر  
 مانگتا ہوں رات پروانے سے ، دن سُرخاب سے  
 کیمیا گر دیکھ کر کہتے ہیں خطِ سبزِ یار  
 کشتہ اس بُوٹی سے ہوں گے سیکڑوں سیاب سے  
 حلقے اُن آنکھوں کے ہیں یوں ابروؤں سے خوش نما  
 خوب صورت جیسے ہو جاتا ہے درِ محراب سے  
 جسمِ خاکی ہو گیا داخل گڑھے میں گور کے  
 کھنچ گئی آخر یہ کشتی جذبہ گرداب سے  
 حسن اگر چلنے لگے عاشقِ نوازی کا چلن  
 کبکِ مردہ کا کفن ہو چادرِ مہتاب سے  
 جان بچتی عشقِ بازی میں نظر آتی نہیں  
 دوستی رکھتا ہے دل اک دشمنِ احباب سے  
 بوسہ دینے کا نہیں ہرگز زخندان کا وہ شوخ  
 تشنہ لب محروم پھرتا ہے چہرے آب سے

یار کے رخسارِ روشن پر ہے افشاں کا عجب  
کیونکر انجم پیش آئے مہرِ عالم تاب سے  
دل نے اے آتش کیا داغِ محبت کو پسند  
ساتھ جاوے گی یہ شے اس عالمِ اسباب سے

۳۸

گل سے افزوں مری آنکھوں میں ہیں دل جو کانٹے  
پھول رکھتے ہیں تری بو، تو تری خو کانٹے  
شیفتہ سبزہ خط کا نہ ہو اے دل! ہرگز  
بے شعور اپنے لیے آپ نہ ہو تو کانٹے  
ہم نشیں دل نہیں، اک آبلہ سا پکتا ہے  
جی میں آتا ہے بھروں چیر کے پہلو کانٹے  
نہ تو بلبل نظر آتا ہے چمن میں نہ تو گل  
اک طرف برگِ خزاں ڈھیر ہیں، اک سو کانٹے  
کام اک آبلے کا آن سے نہیں ہوتا ہے  
نہیں معلوم ہیں کس درد کی دارو کانٹے  
بد سرشتوں کو نہ نیکوں کا اثر ہو ہرگز  
صحبتِ گل سے نہ ہوویں کبھی خوشبو کانٹے  
گرم رفتاری سے ہر آبلہ اک اخگر ہے  
پاؤں سے میرے تہی کرتے ہیں پہلو کانٹے

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۷۱، نول کشور قدیم ص ۱۵۷، جدید

ص ۲۵۰۔

۲۔ علی بخش کے نسخے میں دوسرے مصرع کی صورت یہ ہے :  
”پھول رکھتا ہے تری بو تو تری خو کانٹے“



زاہد خشک کے ایمان کا یقین ہو کیونکر  
 نہ مسلمان ہیں ثابت ، نہ تو ہندو کانٹے  
 پا خراشی ہے مری کوہ کنی سے افزوں  
 پہلے پیدا تو کریں قوت بازو کانٹے  
 باغِ عالم میں جو راحت ہے تو پھر رنج بھی ہے  
 تا کمر گل ہیں تو یاں تا سر زانو کانٹے  
 ایک دن دعوتِ جنازہ لیلیٰ ہوگی  
 اس لیے بیچ میں مجنوں ہے یہ ہر سو کانٹے  
 دیکھتے ہی انہیں تلوے مرے کھجلاتے ہیں  
 اے جنوں ! جانتے ہیں کیا کوئی جادو کانٹے ؟  
 خار خارِ غمِ آفت کا اثر کیا کہے  
 نکلے آخر مرے تن پر عوضِ مو کانٹے  
 کیا سمجھ کر انہیں خوش چشموں سے نسبت دیجیے  
 پھول یہ سونگھتے ہیں ، کھاتے ہیں آہو کانٹے  
 جو نہ دے رنج کسی کو آسے ہوتا نہیں رنج  
 پاؤں پر میرے نہیں پانے کے قابو کانٹے  
 یارو اغیار کو روپوشی ہے مجھ سے آتش  
 گل ہی یاں سامنے آتا ہے ، نہ بر رو کانٹے

۳۹

'وہم سا اک اے بتِ مغرور ! پیراہن میں ہے  
 نام کو میرا تنِ رنجور پیراہن میں ہے

شمعِ ایمن وہ سراپا نور پیراہن میں ہے  
 داغِ سینہ یاں چراغِ طور پیراہن میں ہے  
 جسم کے جامے کو بھی دیکھا تو ہے زندانِ تنگ  
 سخت دیوانہ ہے جو مسرور پیراہن میں ہے  
 موجِ عنبر ہے کہ سیلی ہے شکم پر یار کے  
 ناف ہے یا چشمہٴ کافور پیراہن میں ہے  
 نیش سی لگتی ہے ٹھنڈی سانس ہجرِ یار میں  
 روحِ قالب میں نہیں، زنبور پیراہن میں ہے  
 عطر کیا ملتا ہے غافل، آخر کار ایک دن  
 بوے آبِ سدرہ و کافور پیراہن میں ہے  
 یار کی تصویر کھنچواؤں تو کہتا ہے وہ شوخ  
 قالبِ بے جاں کسے منظور پیراہن میں ہے  
 چار دیوارِ چمن ہے یاں لباسِ خستہ تن  
 داغ کا گل زخم کا انگور پیراہن میں ہے  
 شبہ ہو جاتا ہے مجھ کو شمع کا فانوس میں  
 نور کا عالم ترے اے حور پیراہن میں ہے  
 ناتوانی سے ہے یکساں ظاہر و باطن مرا  
 تار پیراہن، تنِ رنجور پیراہن میں ہے  
 عالمِ نیرنگ ہے دنیا، طبائع مختلف  
 تنگ ہے غنچہ تو گل مسرور پیراہن میں ہے  
 مصرعِ رقت کو پڑھیے، کپڑے آتش پھاڑے  
 ”ہے قبا میں عقب اور زنبور پیراہن میں ہے“

اپیری میں آئے وہ رخِ روشن نظر مجھے  
 دکھلانے آفتاب کی صورت سحر مجھے  
 خالِ رخِ صبیح ہے مدِ نظر مجھے  
 یوسفؑ سے بھی عزیز ہے زنگی ہسر مجھے  
 اے نونہال ! تو بھی دکھا چشمِ نرگسی  
 دکھلا رہے ہیں اپنے شگونے شجر مجھے  
 جاتا ہوں آڑ کے شہر سے صحرا بہار میں  
 جوشِ جنوں پری کے لگاتا ہے ہسر مجھے  
 بے قصرِ یار میں گئے آیا نہیں قرار  
 دیوارِ پھاندی ، بند سلا ہے جو در مجھے  
 گم ہوں خیال میں دہنِ ناپدید کے  
 رکھتی ہے پیچ و تاب میں نازک کمر مجھے  
 قاصد کی طرح قتل جو کرتے تو عید تھی  
 ہونا تھا خطِ شوق کا خود نامہ بر مجھے  
 کانوں نے میری یادؑ ، مرے ہوش آڑا دیے  
 تیری خبر سنا کے کیا بے خبر مجھے  
 رسوا چکور سے ہوں سوا اس کے عشق میں  
 پہچانتا ہے خوب وہ رشکِ قمر مجھے  
 لب بند ہو گئے لب شیریں کے وصف میں  
 میرا دہن ہوا گرہِ نیشکر مجھے

- 
- ۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۷۲ ، نول کشور قدیم ص ۱۵۸ ، جدید  
 ص ۲۵۱ ، بہارستان سخن ص ۲۳۰ -  
 ۲ - نولکشور : ”میرے یار میرے ہوش“ اصل مطابق نسخہ علی بخش ہے۔

کس مست کا خیال ہوں ، پیرانِ پارِما  
 عینک کی طرح رکھتے ہیں پیشِ نظر مجھے  
 پیری میں چب سکی جو نہ روئی تو آئی یاد  
 دانتوں سے کھولنی گرہِ لبشکر مجھے  
 برسوں سے میں خراب ہوں دل کی تلاش میں  
 رکھتا ہے شوقِ کعبہ میانِ سفر مجھے  
 سودے میں تیغِ ابروے خم دارِ یار کے  
 گردن و بال ہو گئی ہے ، بوجھ سر مجھے  
 دونوں جہاں کے کام کا رکھتا نہ عشق نے  
 دنیا و آخرت سے کیا بے خبر مجھے  
 واماندگی سے میری نہ نالاں ہو اے جرس !  
 منزل میں سب سے دیکھو تو پیشتر مجھے  
 معشوق تھے ، غرور سزاوار تھا تمہیں  
 شکوہ نہیں ہے ، تم نے نہ پوچھا اگر مجھے  
 حلقوں سے زلفِ یار کے تھرا رہا ہوں میں  
 پھانسی نہ دیں کہیں ، یہی رہتا ہے ڈر مجھے  
 ملتا نہیں ہے دل سے ابھی میرے مرا مزاج  
 صحبت کا تیری یار ہوا ہے اثر مجھے  
 طالب نہیں ہے دولتِ دنیا کا دل مرا  
 اُس سیم تن کا وصل ہے تحصیلِ زر مجھے  
 جب دیکھتا ہے یار تو ہے دانت پیستا  
 ڈوبوں گا میں ، ڈبوئے گا آبِ گُہر مجھے  
 شمشیرِ خارجی نہیں ہونے کی کارگر  
 ”حبِ علی“ کی کافی ہے آتش سپر مجھے

'چمن کا رنگ تجھ بن اپنی آنکھوں میں مبتدل ہے  
 چراغِ لالہ چشمِ غول ہے ، گلزار جنگل ہے  
 شب تاریک مرقد دبکھتے ہی یار کو دیکھے  
 دمِ آخر ہمارا ، عاشقی کا روزِ اول ہے  
 ہزاروں حسرتوں کے روز و شب ہوتے ہیں خوں اس میں  
 نہیں معلوم دل ہے یا مرے پہلو میں مقتل ہے  
 بدن سے یار کے نرمی میں کچھ نسبت نہیں اس کو  
 جو مغل وہ شکم تا ناف ہے تو ٹاٹ مغل ہے  
 قدم رکھتے تو گل درِ گل رقیبِ روسیہ ہووے  
 گلی میں یار کی ایسی مرے اشکوں سے دل دل ہے  
 سوا تیرے کسی کا دھیان آتا ہو تو کافر ہوں  
 دُور جس دل میں ہے وہ دل نہیں ہے چشمِ احوال ہے  
 بنایا ہے آسے شاید کہ دودھ روغنِ گل سے  
 ہزاروں گل پھلاتا یار کی آنکھوں کا کاجل ہے  
 جو عالم حسن رکھتا ہے تو حالتِ عشقِ غارت گر  
 کہیں زلفِ مسلسل ہے ، کہیں اشکِ مسلسل ہے  
 جو روتا ہوں تو دو دو دن مرے آنسو نہیں تھمتے  
 ہجومِ یاس سے ابرِ مژہ ساون کا بادل ہے  
 فروغِ ظاہری کرتا ہے کیا ، باطن کو روشن کر  
 طلانی گو کہ ہو ، مطلب سے خارجِ خطِ جدول ہے

پہنچتی ہے مجھے ہر صبح بے کوشش مری روزی  
 توکل آدمی کے واسطے گویا موکل ہے  
 وہی عالم ہے اب تک خاکسارانِ محبت کا  
 وہی نقشِ قدم کی خاک پیشانی کا صندل ہے  
 ہوا ہے آج مجنوں عشق میں لیلیٰ کے دیوانہ  
 یہ زنجیرِ آس کی گردن میں مری طفلی کی پیکل ہے  
 اندھیری رات میں دیتی ہے دھوکا روشنی مجھ کو  
 فروغِ حسن سے کس کا رخِ پُر نور مشعل ہے  
 بہار آئی ہے ، ہنگامِ جنوں ہے ، کپڑے پھٹتے ہیں  
 مسلسل ہوں میں دیوانہ ، درِ زنداں مقفل ہے  
 تفاوت ہے بڑا آئینہ و آئینہ رو میں  
 یہ صیقل کا نہیں محتاج ، وہ محتاجِ صیقل ہے  
 فقیری جس نے کی گویا کہ اس نے بادشاہی کی  
 جسے ظلمِ ہمارا کہتے ہیں ، درویشوں کا کبمل ہے  
 کتابی چہرے پر زلفِ پریشاں ہے وہ مجموعہ  
 کہ جس کے سامنے اک مختصر نسخہ مطبوعہ ہے  
 لب نانِ جوینِ خشک ، رکھتا ہے دہن شیریں  
 قناعتِ شہد ہے آتش ، ہوا و حرصِ حنظل ہے

---

۱۔ ”تخصیص المفتاح“ کی دو شرحیں : ”مختصر المعانی“ اور ”المطّول“۔

یہ علمِ معانی و بیان و بدیع میں شیخ سعد الدین تفتازانی کی یہ مشہور  
 کتابیں ہیں۔

'باتھ مشتاقِ گریباں ہے ، جنوں کا جوش ہے  
 پیرہنِ تن پر مرے گرمی میں بالا ہوش ہے  
 'دور ہوں یک جائی پر بھی صورتِ فانوس و شمع  
 ہے بغل میں یار ، پر خالی مرا آغوش ہے  
 کشورِ خوبان میں مرگ و زیست دونوں ہیں خراب  
 یارِ خاطر زندہ ہے ، 'مردہ و بال دوش ہے  
 جان جاتی ہے ولیکن آہ دل کرتا نہیں  
 ناقہ لیلیٰ رواں ہے پر جرس خاموش ہے  
 کوچہ و بازار میں رسوا نہ کر عاشق کو 'تو  
 اے صنم ! اللہ کو سنتے ہیں پردہ پوش ہے  
 عاقل اتنے تو بکارِ خویش ہم دیوانے ہیں  
 موسمِ گل تک گریباں پہاڑنے کا ہوش ہے  
 حال دل سن کر وہ چپکا ہو رہا ، میں خوش ہوا  
 نیم راضی کا نشان ، یعنی لبِ خاموش ہے  
 روتے روتے پانی ہو کر بہ گیا آخر کو میں  
 قصرِ تن کے ڈھانے کو سیلابِ دل کا جوش ہے  
 ضعفِ پیری سے نہیں ہوتا ہے قد انسان کا خم  
 توڑتی آخر کمر کو حسرتِ آغوش ہے  
 دردِ دل کہنے کی 'خو مجھ کو ، نہ سننے کی آس  
 عہد میں میرے زباں نایاب و عنقا گوش ہے

سوں وہ دیوانہ ، گرفتاری ہے جس کو زندگی  
 طوق کا حلقہ پری کا حلقہ آغوش ہے  
 موت کا سامان ہے بے یار سامان نشاط  
 لب تو ساغر نوش ہیں پر دل مرا خون نوش ہے  
 گور میں کیوں کر قوی ہووے نہ اُمید وصال  
 رات اندھیری ہے ، چراغِ خالہ تک خاموش ہے  
 ناگوار آتش ہے اپنی ہمتِ مردانہ کو  
 باندھنا مضمونِ غیر آتری ہوئی پاپوش ہے

## ۴۳

انصلِ گل ہے خون ۔۔۔ دختِ رز کا جوش ہے  
 گردنِ قاضی میں دستِ رندِ ساغر نوش ہے  
 یار سے دست و بغل ہونا ہے عناق کا شکار  
 تنگ اُس گل کی قبا سے بھی مرا آغوش ہے  
 حالِ دل ہوتے ہیں حسرت کی نگاہوں سے عیاں  
 میری اُس کی گفتگو میں اب زباں خاموش ہے  
 ہشت بر دیوارِ حیرت ہیں ہزاروں صورتیں  
 صاحبِ آئینہ خانہ آج تک روپوش ہے  
 جامہٴ ہستی جنوں میں مثلِ گل پُرزے اڑا  
 سنگِ یان بہرِ شکستِ شیشہ ، مے کا جوش ہے

۱۔ کلیاتِ طبعِ علی بخش ص ۱۷۳ ، نول کشور قدیم ص ۱۶۰ ، جدید  
 ص ۲۵۳ ، بہارستانِ سخن ص ۲۴۸ -  
 ۲۔ یہاں سے ایک لفظ ہر بنائے کثافت حلف ہے ۔



موسم سرما میں رُلواتا ہے پہلو سے تہی  
 اب کف دریا بدن پر میرے بالاہوش ہے  
 وصل کی شب کھوئی شادی مرگ ہو کر جانِ زار  
 تنگ مردے پر ہماری گور کا آغوش ہے  
 فرطِ الفت کا مالِ کار ہے عاشق کو موت  
 جب شرابی کو زیادہ نشہ ہو ، بیہوش ہے  
 مردہ کس بے کس کا دریا میں بہایا جائے گا  
 جس حبابِ بحر کو دیکھا سراپا دوش ہے  
 گفتگوئے اہلِ غفلت کی حقیقت کچھ نہیں  
 خواب میں چلائے ہر چند آدمی ، خاموش ہے  
 اہلِ دنیا حالِ ہم دیگر سے کیا ہوں مطلع  
 مجلسِ تصویر میں کس کو کسی کا ہوش ہے  
 یارِ سرگرمِ خرامِ ناز ، میں محوِ جمال  
 گوہرِ جانِ گرامی صدقہٗ پاپوش ہے  
 کنجِ تنہائی میں بھی چلا کے رو سکتا نہیں  
 لوگ کہتے ہیں در و دیوار کے بھی گوش ہے  
 گل ہر اک ساغرِ بکف ، بُلبُل ہر اک نغمہ طراز  
 سیرِ باغِ آتش مجھے ایمانے ناؤ نوش ہے

۲۲

'پاسِ رسوائی سے دل ہر مردے کا سا جبر ہے  
 ضبطِ نالہ ہجر کی شب میں فشارِ قبر ہے

صاف میرے آنسوؤں کا تار ہے اُمر کی جھڑی  
 دیدہ تر کا کسی عاشق کے رومال ابر ہے  
 پہلے پروانے سے مغزِ شمع میں لگتی ہے آگ  
 بے تامل حسن بھی ہے ، عشق اگر بے صبر ہے  
 کوچہ محبوب میں کہیں ، خانہ کعبہ میں شیخ  
 بُت کدے میں برہمن ، آتش کدے میں گبر ہے  
 مصحفِ رخ کی تلاوت میں ہوا ہے دم فنا  
 نور سے ایمان کے روشن بہاری قبر ہے  
 کان کھولے رکھتے ہیں ، سن رکھا ہے اے وصلِ یار  
 اختیار آگے ترا اب ہجر ہم کو جبر ہے  
 شغلِ مے خواری چمن میں چل کے آتش کیجیے  
 فرش سبزے کا لبِ جو ہے ، ہوا ہے ، ابر ہے

۲۵

’خون تیغ زنوں کے دمِ شمشیر سے ٹپکے  
 کیا کیا نہ کہاں دار ! ترے قیر سے ٹپکے  
 وہ حسن جوانی ہے ترا طفل کے مانند  
 دیکھے سے جسے رال لبِ پیر سے ٹپکے  
 دیوان میں ہمارے ہے مرقع کا سا عالم  
 مضمون ہے زبس چاند سی تصویر سے ٹپکے  
 شب باش ہوں سائے تلے جس کے میں بلا کش  
 شبنم سی وہ چہمت ، شامتِ تقدیر سے ٹپکے

۱ - کلیات طبع علی بخش : ”مصحفِ رو۔“

۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۷۴ ، نول کشور قدیم ص ۱۶۱ ، جدید ص ۲۵۴ -

بے رنگی رہی مندِ نظر کو سحر و شام  
 رنگِ شفق اس سقّٰی زمیں گیر سے ٹپکے  
 کٹواقی بے سرِ شمع جو ثابتِ قدمی سے  
 آنسو بھی نہ اندیشہٴ گل گیر سے ٹپکے  
 وصف لب شیریں وہ کرے اپنی زباں سے  
 یوں شیرۂ جاں جس کی کہ تقریر سے ٹپکے  
 آہن کو کیا آبِ تپِ حارِ جنوں نے  
 قطرے ہوئے دانے، مری زنجیر سے ٹپکے  
 غصّے سے بھی کر لیجیے سرخ آنکھوں کو صاحب  
 خوں بھی مژدۂ عاشقِ دل گیر سے ٹپکے  
 پونچھے نہ بھوؤں پر سے جو رومالِ پسینہ  
 آبِ ابروے خمِ دار کی شمشیر سے ٹپکے  
 جس نے کہ لکھا اس کو نہایت ہی وہ رویا  
 آنسو مرے حالات کی تحریر سے ٹپکے  
 کٹوانے جو بشتاشی سے سرِ میری طرح شمع  
 نادم ہو پسینہ، رخِ گل گیر سے ٹپکے  
 دیکھے نگہِ بد سے جو عیسیٰ نفسوں کو  
 کوڑھی کی طرح شومسی تقدیر سے ٹپکے  
 مے ہم سے غریبوں نے نہ پی، سیکڑوں مہوے  
 اُس قابضِ خورشید کی تاثیر سے ٹپکے  
 اُس مست کے ہو تیرِ نگہ کا جو نشانہ  
 مے چشمِ کبابِ دلِ نچچیر سے ٹپکے

مثلِ شفقِ چرخ وہ مہر آئے لبِ ہام  
 رنگِ اثر اس نالہ شبِ گیر سے ٹپکے  
 گر ابرِ سیہ جھومتا آتا ہے تو برسے  
 یہ فیلِ سیہ مستی کی تاثیر سے ٹپکے  
 بے رنگ زمیں ہو تو اسے کیا کرے شاعر  
 رینی ہو تو رنگِ ریز کی تدبیر سے ٹپکے  
 مضمون کہو آتشِ انہیں یا آمِ انہیں سمجھو  
 ہاتھ آئے ہیں دو چار یہ تقدیر سے ٹپکے

## ۴۶

تیرہ و تار جہاں ہو دلِ روشن ٹوٹے  
 خاطرِ دوست نہ یاں خاطرِ دشمن ٹوٹے  
 آہ کھینچوں جو پیالے کو کبھی ٹھیس لگے  
 سر کو پھوڑوں میں صراحی کی جو گردن ٹوٹے  
 مصحفِ رو سے ترے کفر کی بنیاد مٹی  
 مسجدیں بننے لگیں ، دیرِ برہمن ٹوٹے  
 اثرِ سنگ کیا بادِ خزاں نے پیدا  
 شیشہ رنگِ گل و لالہ و سوسن ٹوٹے  
 فکرِ درماں جو کروں دزدِ دگر پیدا ہو  
 متفقِ خار سے ہو ، پاؤں میں سوزن ٹوٹے

۱ - رینی : کسم کے دیڑے کو پانی میں رکھ کر پانی کے ذریعے رنگ چوانا ۔

۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۷۵ ، نولکشور قدیم ص ۱۶۱ ، جدید ص ۲۵۵ -

ہوں میں وہ کشت جیسے برق سے باراں میں اگر  
 لشکرِ مور ہئے غارتِ خرمن ٹوٹے  
 شاہدِ حسن کی بے دادگری سے ہے یقین  
 پامے بت کو جو چھوٹے دستِ برہمن ٹوٹے  
 حائلِ منزلِ مقصود سیہ بختی ہے  
 یا الہی ! کمرِ افعی رہزن ٹوٹے  
 اڑ چکے پُسرزے جو اڑنے تھے گریباں بے مہر  
 پامے بت کو جو چھوٹے ، دستِ برہمن ٹوٹے  
 سایہ ساں لگ چلی دیوار سے تیری جو نگاہ  
 بجلی بن بن کے ہر اک ذرہ روزن ٹوٹے  
 پشتِ پاسنگ کو لگ جائے تو تھرا جاوے  
 سر پٹکیے تو درِ قلعہ آہن ٹوٹے  
 جلوہ یار سے داغِ دل بے تاب ہوں دور  
 کشت پر یاس کے برقِ شرر افگن ٹوٹے  
 کوچہ یار کی زینت ہے مری چشمِ پُر آب  
 رونقِ باغِ کہاں ، جب چہ گلشن ٹوٹے  
 اہلِ دنیا کی خرابی ہوئی ظاہر مجھ کو  
 نظر آنے جو کہیں گنبدِ مدفن ٹوٹے  
 اس رہِ سخت میں لائی ہے پیادہ قسمت  
 گر سوار آئے یقین ہے 'سم' توسن ٹوٹے  
 آرزو ہے یہی آتش کی خدا سے اے دوست !  
 تیری ہاپوش سے اک دن سرِ دشمن ٹوٹے

اچلی ہے ایسی زمانے میں کچھ ہوا آلتی  
 کہ سیدھی بات سمجھتے ہیں آشنا آلتی  
 بیانِ حالتِ دل پیشِ یار ہو نہ سک  
 زبانِ کبھی نہ دمِ عرضِ مدعا آلتی  
 نہ روزِ ہجر ہی کچھ خوب ہے ، نہ شامِ فراق  
 گلیمِ بختِ سیہ سیدھی ہووے یا آلتی  
 نگاہِ ناز ہی ترچھی کچھ اس صنم کی نہیں  
 خلافِ عشوہ و انداز ، ہے ادا آلتی  
 ہمارے خوں سے ہوئے دست و پامے قاتل سرخ  
 نصیبِ اپنے پھرے ، قسمتِ حنا آلتی  
 کسی طرح سے نہ ٹوٹا طلسمِ حسرت و یاس  
 درِ قبول سے ٹکرا کے سر ، دعا آلتی  
 خلافِ وضع ہے انساں کے واسطے معیوب  
 بدن کی زیب نہ ہووے کبھی قبا آلتی  
 شبِ فراق میں میں نے جو منہ لپیٹا ہے  
 خیالِ وصل میں پھروں نہیں ردا آلتی  
 گلہ ہے حشر کے دن ہم کو سخت جانی سے  
 بزار بار پھری آن کر قضا آلتی  
 نگاہِ بار کے پھرتے ہی ہم سے اے آتش  
 زمانہ پھر گیا ، چلنے لگی ہوا آلتی

سرِ شمع ساں کٹائیے ، پر دم نہ مارے  
 منزل ہزار سخت ہو ، بخت نہ ہارے  
 مقسوم کا جو ہے سو وہ پہنچے گا آپ سے  
 پھیلائیے نہ ہاتھ ، نہ دامن ہمارے  
 طالب کو اپنے رکھتی ہے دنیا ذلیل و خوار  
 زر کی طمع سے چھانتے ہیں خاک نیارے  
 برہم نہ ہو مزاج کسی وقت آپ کا  
 اتر ہوئی ہیں زلفیں نہایت ، سنوارے  
 بے وجہ رنگِ زرد نے دی تہمتِ طلا  
 اک عمر میری خاک کو چھائیں نیارے  
 نرگس کو صدقہ کیجیے بیمارِ چشم کے  
 زلفِ سیاہ پر تری ، سنبل کو وارے  
 تنہائی ہے ، غریبی ہے ، صحرا ہے ، خار ہے  
 کون آشنائے حال ہے ، کس کو پکارے  
 ایمائے ناز ہے یہی آس شاہِ حسن کو  
 چینِ جبین کو قتلِ جہاں پر ابھارے  
 تبدیلِ روزِ وصل سے فرقت کی شب ہوئی  
 آئی ہوئی بلا ٹلی ، صدقہ آتارے

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۷۶ ، نول کشور قدیم ص ۱۶۲ ، جدید ص ۲۵۷۔

۲۔ کلیات علی بخش : ”اک عمر میری خاک کو چھائیں گے نیارے“۔

تم فاتحہ بھی پڑھ چکے، ہم دفن بھی ہوئے  
 بس خاک میں ملا چکے، چلیے، سدھارے  
 دکھلائی دے جو آنکھوں کو یوسف کا کارواں  
 چلائیے، جرس کی طرح سے ہکارے  
 نازک دلوں کو شرط ہے آتش خیال یار  
 شیشہ خدا جو دے تو ہری کو آتارے

## ۴۹

'یار قاتل ہے تو کس کو موت سے ہریز ہے  
 سر تصدق ہے، اگر مڑگاں کا خنجر تیز ہے  
 توڑے زنجیر ہستی مثلِ تارِ عنکبوت  
 آج کن جوشِ جنوں کا اپنے لوہا تیز ہے  
 طولِ عمرِ خضر دے تم کو خدا اے مغیچو!  
 چشمہٴ حیواں ہمیں پیانہٴ لبریز ہے  
 روئیے جس جا، یقیے وں سے پیدا ہو چنار  
 آتشِ پنہاں اس آبِ اشک میں آمیز ہے  
 زندگی کی کون سی صورتِ فراق یار میں  
 فتنہ انگیز آہ ہے، نالہ بلا انگیز ہے  
 سر کو لے کر ہاتھ پر رکھ، کوچہٴ قاتل میں پاؤں  
 آسماں سے بھی سوا یاں کی زمیں خوں ریز ہے  
 انعی رہزن ہے سنبلِ حسن کے گلزار کا  
 کہنہ گُرگ اس بوستاں کا سبزہٴ لوخیز ہے



کا آبِ قدرت سے اپنی گفتگو ہے روزِ حشر  
 خطِ پیشانی ہمارے پاس دست آویز ہے  
 پرزے اڑتے ہیں ہمارے خط کے کوئے یار میں  
 خونِ قاصد سے در و دیوار رنگ آمیز ہے  
 یارِ بنِ ساقِ قیامت ہے مجھے ساغرِ کشی  
 قلقلِ مینا نہیں ہے ، شورِ رستاخیز ہے  
 زہر کھانا ہے ، نہ پینا اب شرابِ شوق کا  
 وصل کی شب ہے ، پیالہ ہجر کا لبِ ریز ہے  
 غیرِ رسوائی کبھی ان سے نہ کچھ حاصل ہوا  
 عشق سے نفرت ہے مجھ کو ، حسن سے پرہیز ہے  
 منزلِ مقصود تک اللہ پہنچائے ہمیں  
 وقتِ شب ہے ، ابر ہے ، صحراے آفت خیز ہے  
 عشق کی نیرنگ سازی کا بیاں کیا کیجیے  
 کوہِ کن آس پر مرے جو کشتہ پرویز ہے  
 ظلم کرتے ہیں بتانِ سنگِ دل بہرِ نمود  
 شہرہ آفاق خونِ خلق سے چنگیز ہے  
 فکر کی دقت سے یاں طبعِ رواں آگہ نہیں  
 توسنِ چالاک کو کیا حاجتِ مہمیز ہے  
 بلبلِ بستان کے نالے سے یہ آتی ہے صدا  
 گوشِ گل نا آشناے حرفِ شوق آمیز ہے  
 اشک کے شامل ہے خوں نابِ دل پر داغ بھی  
 العذر اے آستیں ، یہ آبِ آتش بیز ہے  
 تختہ ہارے کی طرح ہے حالِ دل آتش تباہ  
 بے قراری لجتہ دریاے طوفانِ خیز ہے

'کوچہ' یار کے نظارے میں اغیار الجھے  
 سیرِ گلزار میں دامن سے مرے خار الجھے  
 پائے قاتل پہ الہی سرِ مغرور جھکے  
 رگِ گردن سے مری خنجرِ خون خوار الجھے  
 چیں جیں پر نہ ہو، ہرچند وہ ابرو کج ہوں  
 بھوں نہ ٹیڑھی ہو، جو زلفِ سیہ یار الجھے  
 فرصتِ وقت ہے تدبیر کی خاطر لازم  
 پھر سلجھتے نہیں جب آنسوؤں کے تار الجھے  
 باغبانوں سے ترے شیفتمہ زلف اے گل!  
 'سنبل الطائب' کے ہو ہو کے خریدار الجھے  
 جوشِ اشکوں کا یہی ہے تو یقین ہے دل کو  
 دامنِ سیل سے خارِ سرِ دیوار الجھے  
 ناتوانی نے یہ دم بند کیا تارِ نفس  
 سینے میں صورتِ موے سرِ بیمار الجھے  
 کفر و اسلام سے آزاد ہوں، بے قید ہوں میں  
 مجھ سے کافر ہی نہ جھگڑے، نہ تو دبی دار الجھے  
 روئے رنگیں سے ترے باغ میں وا ہو جو نقاب  
 صحبتِ گل سے دلِ بلبلِ گلزار الجھے  
 'کوچہ' یار میں ہنگامہ رہا غیروں سے  
 دن کو دو چار رکے، رات کو دو چار الجھے

حسن کو ایک طرح پر نہیں اک لحظہ قرار  
صاف سو بار وہ گیسو ہوئے ، سو بار الجھے  
شیشہ گر کرتے ہیں بند اپنی دکانیں آتش  
کس کے دیوانے سے لڑکے سر بازار الجھے

۵۱

۱۔ منزل گور اب مجھے اے آسماں ! درکار ہے  
مردم۔ بیمار کو نقل مکان درکار ہے  
ہجر کی شب میں کہانی سے کوئی آتی ہے نیند؟  
قصہ خواں کے بدلے یاں یاسین خواں درکار ہے  
ساحل دریاے ہستی ہے کنارہ گور کا  
کشتی تن کے لیے بھی بادباں درکار ہے  
دیکھیے کس کس نظارہ باز کا دل ڈوب جائے  
یار کو پیراہن۔ آبِ رواں درکار ہے  
کچھ علاج وحشت عاشق نہیں جز خوابِ مرگ  
ایسے دیوانے کو زنجیر گراں درکار ہے  
آدمی کے واسطے کچھ اور ہووے یا نہ ہو  
ساق و مے ، سبزہ و آبِ رواں درکار ہے

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۷۷ ، نولکشور قدیم ص ۱۶۳ ، جدید  
ص ۲۵۹۔ ریاض الفصحا ص ۷ میں یہ غزل موجود ہے۔ لیکن صرف  
چھ شعر ہیں۔ مطلع بلا اختلاف ہے۔ چار شعر مشترک ہیں ، باقی میں  
کچھ اختلاف ہے۔

۲۔ ریاض : ساحل مقصود عاشق ہے کنارہ گور کا  
تختہ میت کو میرے بادباں درکار ہے

۳۔ ریاض بلا اختلاف۔ اس کے بعد پانچویں شعر کا دوسرا مصرع بدلا ہوا  
ہے : بہرِ فیلِ مست زنجیر گراں درکار ہے

سیرِ بامِ عرش کی دکھلاتی ہے دل کی تڑپ  
 صاحبِ تاثیر کو کیا نردہاں درکار ہے  
 قیمتِ دل ان بتوں سے کیا سمجھ کر مانگیے  
 رہزनों کو مفت مالِ کارواں درکار ہے  
 خالی ہاتھ آئے ہیں ، خالی ہاتھ عاشقِ جائیں گے  
 واں نہ کچھ منظور تھا ہم کو ، نہ یاں درکار ہے  
 ابرو و مژگن معاً ہے جو تو سمجھے اسے  
 ترکِ حسنِ یار کو تیر و کہاں درکار ہے  
 شہر و صحرا میں بھرا کرتا ہوں اس اُمید پر  
 وہ جگہ دیکھوں ، مری مٹی جہاں درکار ہے  
 میری پامالی اگر مقصود ہے اے آسماں !  
 کہہ خدا سے مجھ کو اک سروِ رواں درکار ہے  
 سبزۂ خط کے تماشے سے مجھے ظاہر ہوا  
 حسن کو رشکِ بہارِ گل ، خزاں درکار ہے  
 چاہے سگ کو دے اسے ، چاہے ہاکو دے اسے  
 آسماں لے لے جو مشتِ استخوانِ درکار ہے

---

۱۔ ریاض الفصحا میں 'خزاں' کا تافیہ یوں درج ہے :  
 ہے ہوائے مریم اپنے سینہ پر داغ کو  
 پھولوں کو شاید سپر کی بھی خزاں درکار ہے  
 ریاض الفصحا کے یہ دو شعر کلیات میں نہیں ہیں :

طالبِ زلفِ معنبر کو ہے دل سودا زدہ  
 چغد کو بالِ ہما کا آشیاں درکار ہے  
 شاعرِ جاں باز ہے آتشِ خداوند ! اسے  
 ذوالفقارِ حیدری جاے زباں درکار ہے

بیشتر بندھتے ہیں مضمون ہم آغوشی، یار  
 پر فکر شعر اک تنہا مکان درکار ہے  
 نالہ، بلبل کو سن کر آف نہیں کرتا کبھی  
 گوش گل کے واسطے آتش زباں درکار ہے

## ۵۲

شبِ برات جو زلفِ سیاہ یار ہوئی  
 جبین سے صبح میں عید آشکار ہوئی  
 یہ سرخ نشے میں چشمِ سیاہ یار ہوئی  
 زیادہ تر شفقِ شام سے بہار ہوئی  
 تب دروں نے نہ رکھا نشان تک باقی  
 ہمیں حرارتِ قلبِ آتش چنار ہوئی  
 گزر ہوا جو کبھی مرقدِ غریباں پر  
 گھٹائیں پھوٹ ہیں، برق بے قرار ہوئی  
 شبِ فراق کی ظلمت جو آئی گور میں یاد  
 سفید صبح کا تاریکی سزار ہوئی  
 پیادہ پا جو چمن میں بہار کو دیکھا  
 ہوا کے گھوڑے کے اوپر خزاں سوار ہوئی  
 بڑی خرابی و جاں کاہی سے اسے کاٹا  
 شبِ فراق مجھے فیل کا شکار ہوئی  
 زمیں کو زلزلہ آئے گا، چرخ کو چکتر  
 ہماری روح لحد میں جو بے قرار ہوئی

شبِ فراق کے صدموں سے جان بچ جاتی  
 عنانِ مرگ نہ انسان کے اختیار ہوئی  
 وہ کوہ ہوں میں ، پر کاہ ہے گراں جس کو  
 وہ کاہ ہوں ، کمرِ کوہ پر جو بار ہوئی  
 بخوری ہے دل میں زبس آرزو شہادت کی  
 تڑپ گیا میں ، جو تلوار آبدار ہوئی  
 یہ کیسا تیشے سے فرہاد نے اسے کاٹا  
 بلند و پست بہت راہ کو ہمار ہوئی  
 وفا سرشت ہوں ، شیوہ ہے دوستی میرا  
 نہ کی وہ بات جو دشمن کو لاگوار ہوئی  
 سنا ہے قصہٴ مجنون و وامق و فرہاد  
 کسی کو عاشقی آتش نہ ساز وار ہوئی

## ۵۳

غم نہیں ، کوئے بتاں میں جو نہیں جا خالی  
 باغِ فردوس میں ہے پہلوئے حورا خالی  
 اے صنم ! مہر و وفا سے نہیں دلیا خالی  
 کون سا دل ہے ، نہیں جس میں تری جا خالی  
 نیچی نظروں سے ہوا آس کی زمانہ ہامال  
 آنکھ اٹھائی تو کیا عالمِ بالا خالی  
 شبِ تنہائی میں کیا گرم ہو پہلو اس سے  
 ناز و انداز سے ہے صورتِ زیبا خالی

دیکھ کر جان نکلتے ہوئے بھاگے اغیار  
 میں نے مر کر بھی کیا یاروں کا پالا خالی  
 گردشِ چشم کہاں ، گردشِ ساغر بھی نہیں  
 نظر آیا یہ مجھے گنبدِ مینا خالی  
 نکلے پہلو میں ہر اک نام کے ستر ستر  
 نہ ملی بعدِ فنا گور میں بھی جا خالی  
 سر بکف کوچہٴ جلال میں حاضر ہوں میں  
 فتنہ سمجھے نہ مرے عہد میں دنیا خالی  
 پیاس بجھتی نہیں مستقیٰ اُلفت کی ترے  
 سوکھ جاتے ہیں کنویں ، ہوتے ہیں دریا خالی  
 گردشِ چشم نہیں گردشِ افلاک سے کم  
 گھر کے گھر کرتی ہے وہ ترگسِ شہلا خالی  
 شکر کس منہ سے کروں گوشہٴ تنہائی کا  
 مجھ کو دل کھول کے رونے کو ملی جا خالی  
 جوش کھایا جو مرے خوں نے ، نہیں رہنے کی  
 پائے محبوب میں جائے کفکِ پا خالی  
 سمجھے آتش نہ کوئی آدمِ خاکی کو حقیر  
 نہیں اسرار سے یہ خاک کا پتلا خالی

---

۱۔ - مستقی : استسقا کا مریض جس میں پانی پیتے پیتے پیٹ پھول جاتا ہے  
 مگر پیاس نہیں بجھتی -

موت مانگوں تو رہے آرزوے خواب مجھے  
 ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے  
 میری ایذا کے لیے مردے میں جان آتی ہے  
 کاٹنے دوڑتی ہے ماہی بے آب مجھے  
 دہنِ گرگ سے جیتا جو بچوں صحرا میں  
 ذبح کرنے کے لیے مول لے قصاب مجھے  
 ہوں تصور میں صفائے بدن بار کے غرق  
 حلقہٴ ناف ہوا حلقہٴ گرداب مجھے  
 مردمِ دیدہ قربانی ہوں میں دیوانہ  
 آئے دروازہ کھلے بن نہ کبھی خواب مجھے  
 اے فلک رہنے دے عرباں ہی پس از مرگ بھی تو  
 سو نہتا کیا ہے کفن دزد کا اسباب مجھے  
 نہیں رکھتے ہیں امیری کی ہوسِ مردِ فقیر  
 شیر کی کھال ہی ہے قائم و سنجاب مجھے  
 جوش سے اشکوں کے پھر جائے گا سر ہر پانی  
 کھینچ لے جائے گا دریا میں یہ سیلاب مجھے  
 دیر و کعبہ میں آن آنکھوں سے نہیں حلقہٴ در  
 کوئی ابرو سے دکھاتا نہیں عراب مجھے  
 فرقتِ بار میں کرتی ہے قیامت برہا  
 روزِ محشر سے نہیں کم ، شبِ مہتاب مجھے

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۲۸ ، نول کشور قدیم ص ۱۶۳ ،  
 جدید ص ۲۶۱ ، بہارستانِ سخن ص ۱۹۳ -



مرضِ عشق سے بچ جاؤں جو تم دلوا دو  
 صدقہ اپنے لبِ جاں بخش کا عتاب مجھے  
 چین لینے نہ دیا دردِ جدائی نے کبھی  
 کب میں سویا کہ جگایا نہیں بد خواب مجھے  
 نہیں بھولا ہے جنوں میں وہ حواس آڑ جانا  
 یاد ہے برہمیٰ صحبتِ احباب مجھے  
 نام کو میرے بھی احباب میں اپنے لکھنے  
 ذرہ سمجھے رہے وہ مہرِ جہاں تاب مجھے  
 دل غنی چاہیے گو ہوں میں فقیر اے آتش  
 شیر کی کھال ہی ہے قائم و سنجاب مجھے

## ۵۵

’برق بے پردہ اگر چہرہ ’نورانی‘ ہے  
 پردہ پوشی تری تلوار کی عریانی ہے  
 ایک عالم ہے صنم بس کہ ترا فریادی  
 عرصہ حشرِ جلو خانہ سلطانی ہے  
 دل کے خوں ہونے سے اے جان ! نہ اتنا گھبرا  
 ایک دن ’تو بھی غمِ یار کی مہانی ہے  
 یارِ جلادی میں بکتاے زمانہ ہے اگر  
 واجب القتل نہیں کوئی مرا ثانی ہے

۱ - کلیات طبع علی بخش : ”ذرہ سمجھا رہے۔“

۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۷۹ ، نول کشور قدیم ص ۱۶۵ ،

جدید ص ۲۶۱ ، بہارستان سخن ص ۲۱۲ -

حال پر اپنے کسی وقت تو کر چشم کو تر  
 ہے پھر اندھا وہ کنواں جس میں نہیں پانی ہے  
 صورتِ غنچہ گل ہے دلِ بستہ میرا  
 مجھ کو شاید کی طلب فکرِ پریشانی ہے  
 مر نگوں خاک میں ملوا کے ہوا مجھ کو فلک  
 کارِ بد کردہ کا انجام ہیشیانی ہے  
 بے تمیزی سے ہے اپنے مجھے آسیدِ نجات  
 باعثِ بے گنہی طفل کی نادانی ہے  
 ہونٹ چٹواتا ہے تاحال محبت کا مزا  
 زخمِ دل پر وہی اب تک نمک افشانی ہے  
 زندگانی میں ہوں میں مردہ سے بدتر آتش  
 نقشِ تعویذِ لحد کا خطِ پیشانی ہے

## ۵۶

روئے خورشید سے روشن رخِ نورانی ہے  
 صبحِ صادق سے کشادہ تری پیشانی ہے  
 بابِ نظارہ کہاں اور کہاں دیدہ شوق  
 صورتِ یار میں آئینے کو حیرانی ہے  
 شام ہوتے ہی نہ معلوم ہوئی پھر شبِ وصل  
 عمرِ کوتاہ سے وفا چاہنی نادانی ہے  
 ٹھوکریں رہ گزرِ یار میں کھاتا ہوں میں  
 عاشقِ نقشِ کفِ پا مری پیشانی ہے

تا دمِ مرگ رہا منتظرِ قاتل میں  
 شاہدِ حال، مرا دیدہ قربانی ہے  
 صورتِ یار میں اٹکے گا دمِ بازپسین  
 حالتِ نزع سے مشکل مری آسانی ہے  
 نیم جاں چھوڑ کے نادم نہ ہوا ہوگا یار  
 سر جھکا کر جو ہوئی مجھ کو ہشانی ہے  
 آئینہ دیکھ ہوا یار غریقِ حیرت  
 منزلِ خوفِ شناور کو بندھا پانی ہے  
 دل سا دشمن ہے شب و روز عزیزِ پہلو  
 اپنے قاتل سے مجھے آفتِ روحانی ہے  
 وعدہ ہوتا نہیں تا چند برابر میرا  
 اے اجل! دیکھوں تو کب تک یہ نگہبانی ہے  
 نوجوانی میں غمِ عشق نہ بڑھنا معلوم  
 شبِ کوتاہ ہے، افسانہ طولانی ہے  
 دشمنی ہے عوضِ دوستی یاں اے آتش  
 دردِ سر ہی سببِ صندلِ پیشانی ہے

۵۷

کیا کیا نہ رنگ تیرے طلب گار لا چکے  
 مستوں کو جوش، صوفیوں کو حال آچکے  
 ہستی کو مثلِ نقشِ کفِ پا مٹا چکے  
 عاشقِ نقابِ شاہدِ مقصود اٹھا چکے

کعبے سے کدیر ، کدیر سے کعبے کو جا چکے  
 کیا کیا نہ اس دورا ہے میں ہم پھر کہا چکے  
 گستاخ ہاتھ طوق کمر بار کے ہوئے  
 حیدر ادب سے پاؤں کو آگے بڑھا چکے  
 کنعان سے شہر مصر میں یوسفؑ کو لے گئے  
 بازار میں بھی حسن کو آخر دکھا چکے  
 پہنچے تڑپ تڑپ کے بھی جلا د تک نہ ہم  
 طاقت سے ہاتھ پاؤں زیادہ ہلا چکے  
 ہوتی ہے تن میں روح پیام اجل سے شاد  
 دن وعدہ وصال کے نزدیک آ چکے  
 پیانہ میری عمر کا لبریز ہو کہہیں  
 ساقی مجھے بھی اب تو پیانہ ہلا چکے  
 دیوانہ جانتے ہیں ترا ہوشیار آہیں  
 جامے کو جسم کے بھی جو ہرزے اڑا چکے  
 بے وجہ ہر دم آئنے پیش نظر نہیں  
 سمجھے ہم آپ آنکھوں میں اپنی سا چکے  
 اس دل ربا سے وصل ہوا دے کے جان کو  
 یوسف کو مول لے چکے ، قیمت چکا چکے  
 آئینہ نقاب چہرہ زیبائے یار سے  
 دیوار درمیاں جو تھی ، ہم اس کو ڈھا چکے  
 زیر زمین بھی تڑپیں گے اے آسمان حسن !  
 بے تاب تیرے گور میں بھی تاب لا چکے  
 آرائشِ جلال کا نزول ہے  
 اندھیر کر دیا جو وہ رستی لگا چکے

دو ابرو اور دو لبِ جان بخش یار کے  
زندوں کو قتل کر چکے ، مردے جلا چکے  
مجبور کر دیا ہے محبت نے یار کی  
باہر ہم اختیار سے ہیں اپنے جا چکے  
صدموں نے عشق و حسن کے دم کر دیا فنا  
آتش سزا گناہِ محبت کی پا چکے

## ۵۸

'زلزلہ گاہ' ، گہرے چشمہٴ خوں جاری ہے  
گور پر بھی مرے مردے کا قدم بھاری ہے  
دور اتنا بھی بس اے منزلِ مقصود ! نہ کھینچ  
تھک گیا لاکھ میں ، ہمت تو نہیں پاری ہے  
شاق کیوں کر نہ ہو عاشق کو جدائی تیری  
کون ہے وہ کہ جسے جان نہیں پیاری ہے  
غمِ کونین فراموش ہوا آلفت میں  
لاکھ آزادی یہ اک دل کی گرفتاری ہے  
رات آرام سے کٹی ہے ، نہ دن راحت سے  
زندگانیِ دو روزہ مجھے بھاری ہے  
نہ کر اے بادِ بہاری ! مجھے تکلیفِ شراب  
آگے ہی گٹھری گناہوں کی مرے بھاری ہے

وصل میں ہجر کا دھڑکا ہے بجا عاشق کو  
 چار دن چاندنی ہے ، چار دن اندھیاری ہے  
 سایہ دامنِ جنّاد میں ٹھنڈا ہو لوں  
 منزلِ سخت ہے ، پشتارہ بہت بھاری ہے  
 نسبت اے پردہ نشیں تجھ سے نہیں یوسف کو  
 قدر آس کی نہیں جو حسن کہ بازاری ہے  
 دل کا کاپک وہ ہلا کو ہے ، خدا خیر کرے  
 بد بلا حاکمِ ظالم کی خریداری ہے  
 نہیں معشوق جو آتش نہیں میرا مطلوب  
 سکتہ عشق مرے نام پر اب جاری ہے

## ۵۹

ادیدہ مشتاق کو منظور تو عالم میں ہے  
 دم ترا بھرتے ہیں دم جب تک کہ اپنے دم میں ہے  
 خوش قدی کا تجھ سے دعویٰ کر کے اس تقصیر پر  
 سرو دن بھر دھوپ میں ہے ، رات بھر شبم میں ہے  
 اک نہ اک دن یار ہوگا مہرباں ، کام آئے گا  
 سو ہنر سے بہتر اک عیب محبت ہم میں ہے  
 خندہ زن دشمن ، نہ گریاں دوست میرے حال پر  
 رتبہ موتائے بے وارث مجھے عالم میں ہے  
 اس قدر پیٹے ، حنائی ہو گئے یاروں کے ہاتھ  
 صرف سینہ پنچہ مر جاں مرے ماتم میں ہے

آئندہ دل کا ریاضت سے اگر ہو جائے صاف  
 پھر تماشا ہے وہی ممکن جو جامِ جہم میں ہے  
 آنکھِ رغبت کی نہیں ہے وجہِ ذرے ڈالتے  
 روشنی اس رخ کی کچھ کچھ نیرِ اعظم میں ہے  
 توڑتا ہے کس طرح دستِ جنوں زنجیر و طوق  
 دیکھتا ہوں میں بھی کتنا زور اس رستم میں ہے  
 گرد پھرنا تیرے اے بُت عاشقوں کو ہے طوافِ  
 عالمِ محرابِ کعبہ ابروؤں کے خم میں ہے  
 دشمنِ جاں مستی تھے ، مہر و محبت کا مزا  
 چکھ کے دیکھا تو حلاوتِ شہد کی اس سم میں ہے  
 ایک بوسہ بھی غنیمت ہے لبِ جاں بخش کا  
 وہ کرے تکرار، حجت جس کو بیش و کم میں ہے  
 غیرِ عاشق دیکھ سکتا ہے تجھے کون اے حسین !  
 ایسی یار اے نظر کب چشمِ نامحرم میں ہے  
 قیدِ عفت میں ہے وہ محبوبِ عاشق جاں باب  
 نزع میں بیارِ عیسیٰ دامنِ مریم میں ہے  
 کھینچ لائے یار کو ، بھر دے مرا زخمِ فراق  
 وہ اثر ہو جذبِ دل میں ، جو اثر مرہم میں ہے  
 قالبِ خاکی کو تو مستی ہیں آتشِ زیرِ خاک  
 کچھ نہیں معلوم ہم کو ، روح کس عالم میں ہے

۶۰

الہی افعی گیسوے دلستان کاٹے  
 اجل کہیں مرے پاؤں کی بیڑیاں کاٹے

برنگِ غنچہ ہڑمردہ دل گرفتہ چلے  
 شگفتہ ہو کے نہ دو دن بھی ہم نے باں کاٹے  
 لگائے پہلے ہی تیشے کو اپنے سر پر کاش  
 بڑا پہاڑ یہ فرہادِ خستہ جاں کاٹے  
 کہے گا اُس سے پیامِ زیبائی کیا قاصد  
 جو ذکر سے مرے غماز کی زباں کاٹے  
 منہ آنے میں جو دیکھے وہ غیرتِ یوسف  
 ادھر یہ اور ادھر عکسِ آنکلیاں کاٹے  
 ہزار بار اگر زندہ ہوں نئے سر سے  
 تو پھر بھی سر وہ مرا پھر امتحاں کاٹے  
 نکل چلا ہے حسینوں کے قد موزوں سے  
 درخت سرو کو تھوڑا سا باغباں کاٹے  
 خدا کے واسطے اک وار اور بھی قاتل  
 تڑپ تڑپ کے کہاں تک یہ نیم جاں کاٹے  
 تبر لگا کے گیا تھا وہ ترکِ گلشن میں  
 شہیدِ ناز جو یاد آئے ارغواں کاٹے  
 قیامت آتی ہے ، اس عمرِ چند روزہ کو  
 زمیں کی طرح غربی سے آسماں کاٹے  
 بناتا ہے خطِ گل چہرہ یار یوں حجام  
 چمن کی گھاس کو جس طرح باغباں کاٹے  
 زبان چلتی ہے قینچی کی طرح سے ہر بار  
 یقین ہے بات کو پیروں کی وہ جواں کاٹے  
 سزا ضعیف کا ایذا دہندہ پاتا ہے  
 وہ زرد ہوتا ہے جو کشتِ زعفران کاٹے



ملاؤں خاک میں اہلِ سخن کے دشمن کو  
 آکھیڑوں جڑ سے میں وہ دانت جو زباں کاٹے  
 کسی کا ہو رہے آتش ، کسی کو کر رکھتے  
 دو روزہ زیست کو انساں نہ رائگاں کاٹے

۶۱

افردم دیدہ رہے سایہ مڑگاں کے تلے  
 زیست کا لطف ملا خنجر بُتران کے تلے  
 عیب لگتا ہے کسی جامہ عریانی سے  
 اے جنوں ! داغ نہیں اپنے گریباں کے تلے  
 دستِ بارانِ وطن سے نہیں مٹی درکار  
 دب مروں گا میں کہیں ریگِ بیاباں کے تلے  
 شجر خشک ہوں ، رہتا ہوں گرفتارِ بلا  
 ارہ کے نیچے سے جاتا ہوں میں سوہاں کے تلے  
 لے چلے وحشتِ دل اب کی جو صحرا کی طرف  
 فرش آنکھوں کو کروں ہائے غزالاں کے تلے  
 نیند آتی نہیں اک دم آسے بے گل تکیے  
 تکیہ دیکھا تھا مرے یار نے قرآن کے تلے  
 اس قدر دانت مرے قتل پر اے یار ! نہ پیس  
 سودہ الہاس کا آ جائے گا دندان کے تلے  
 آسمان میری طرف سے نہ عداوت رکھتے  
 روند ڈالے قدمِ کبر و مسلمان کے تلے

رنجِ دنیا سے زیادہ ہے عذابِ مرقد  
 جائے آرام نہیں گنبدِ گرداں کے تلے  
 حسرتِ بوسہ سے ہونٹوں کو چباتا ہوں میں  
 زہرِ بنتی ہے مٹھائی مرے دندان کے تلے  
 دستخطِ فرد تو قسمت کی ہوئی ہے لیکن  
 بھولے سے رہ گئی ہے مسندِ سلطان کے تلے  
 بوجہ شانے کا نہ اُس پر پڑے اے مشاطہ  
 کمرِ یار بھی ہے زلفِ پریشاں کے تلے  
 بدِ بلا لعلِ لبِ یار کے اوپرِ مسنی  
 سرمہِ آسیبِ پری سایہِ مژگان کے تلے  
 لاکھِ نعمت کے برابر ہے کلامِ شیریں  
 ذائقہ بس ہے زباں کا مرے دندان کے تلے  
 بختِ بد نے مجھے ہرچند مٹایا آتش  
 رہ گیا نام مرا گنبدِ گرداں کے تلے

۶۲

اب کی زندہ ہم اگر یار کے در تک پہنچے  
 مردہ بھی آٹھ کے یقیں ہے کہ نہ گھر تک پہنچے  
 شعلہٴ حسن نے کی ہے یہ حرارت پیدا  
 آگ لگ آٹھے جو پردہ کبھی در تک پہنچے  
 حسرتِ بوسہ سے پانی مرے منہ میں بھر آئے  
 دہنِ مور اگر تنگِ شکر تک پہنچے  
 دمِ آخر ہی وہ کاش آئے، کہ کچھ نہیں پھر  
 دوستِ رخصت کو جو ہنگامِ سفر تک پہنچے

منتِ سفلہ اٹھائیں نہ کبھی عالی جاہ  
 اڑ کے کافور کہاں داغِ قمر تک پہنچے  
 گرم جوشی نہ کر اے یار! کسی سے یہ نہ ہو  
 آگ لگ کر مرے گھر غیر کے گھر تک پہنچے  
 موت ہی آئے جو آنسو نہیں تھمتے یا رب!  
 دامنِ خاک ہی اس دیدہ تر تک پہنچے  
 صورتِ آئنے حیرت سے ہوئے ہیں بے خود  
 سامنے سے ترے پھر کر ہیں جو گھر تک پہنچے  
 دلِ خوں خوار سے ہوتی ہے کدورت کوئی دور  
 زنگِ شمشیر نہ نکلے جو جگر تک پہنچے  
 آئنے آپ نے دیکھا ہے تو توڑیں اس کو  
 تم سے منہ پھیر کے ثابت نہ یہ گھر تک پہنچے  
 جان بچنے کی خوشی ایسی ہو نوبت رکھوں  
 نوبتِ شامِ جدائی جو سحر تک پہنچے  
 رگِ گل کہتے ہیں شاعر، کبھی تارِ سنبل  
 دستِ فکر ان کے نہیں تیری کمر تک پہنچے  
 خدمتِ یار میں ہو اپنی رسائی یا رب!  
 مہر تک ذرہ، چکور اڑ کے قمر تک پہنچے  
 حسن و خوبی کا ہوا نصف جہاں سودائی  
 اے ہری! بالِ ترے سر کے کمر تک پہنچے  
 تیغِ ابرو کی محبت میں گلِ آس پر کھائے  
 پھول بارے مرے سینے کی سپر تک پہنچے  
 واٹے قسمت ہمیں حسرت رہی سرگوشی کی  
 کان تک یار کے یاقوت و گہر تک پہنچے

جسمِ خاکی کی تمنا ہے یہی بعدِ فنا  
 'مشتِ خاک اپنی تری راہ گزر تک پہنچے  
 آبِ شمشیر جو یہ تا کمرِ قاتل ہے  
 جوش میں آ کے الہی مرے سر تک پہنچے  
 مشقِ طفلان ہے خطِ شوق ہمارا آتش  
 پڑھ سکے یار نہ ہرچند نظر تک پہنچے

ابلیس حسد سے رہے تدبیر میں میری  
 تدبیر کو کیا دخل ہے تقدیر میں مری  
 خالِ رخِ محبوب کے مضمون میں یک لخت  
 نقطے کی جگہ اب نہیں تحریر میں میری  
 معشوق بھی کوئی نظر آتا ہے تو ٹھنڈا  
 اوقات بسر ہوتی ہے کشمیر میں میری  
 دنیا میں محبت کا کہیں نام نہیں ہے  
 گم عقل ہے ربطِ شکر و شیر میں میری  
 ہر لحظہ ہے یاں وردِ زباں ذکرِ الہی  
 دم مارنے کی جا نہیں تقریر میں میری  
 دل کو نہیں آس گوشہٴ ابرو کے سوا چین  
 آسودگی ہے سایہٴ شمشیر میں میری

۱۔ کلیات طبع نول کشور لکھنؤ و لاہور میں ”عشق طفلان“ غلط ہے۔

۲۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۸۲، نول کشور قدیم ۱۶۸، جدید ص ۲۶۶۔

ہر لحظہ دگرگوں ہے مرا حالِ پریشان  
 صورت نہیں ملتی مری تصویر میں میری  
 اس ریشہ پیری سے تو موت آتی ہے بہتر  
 دن رات ہے اک زلزلہ تعمیر میں میری  
 پور بھی چکے شمشیر گلے پر کہیں آتش  
 جنہاد کو شک آتا ہے تقصیر میں میری

۶۴

ازاہد فریفتہ ہیں مرے نونہال کے  
 عاشق بزرگ لوگ ہیں اس خورد سال کے  
 ہر شب شبِ ہرات ہے ، ہر روز عید ہے  
 سوتا ہوں ہاتھ گردنِ مینا میں ڈال کے  
 مضمونِ رفتگاں ہے طبیعت کو اپنی تنگ  
 گاہک نہ ہوویں ہم کبھی مردے کے مال کے  
 شان و شکوہ نے ہمیں برباد کر دیا  
 مثلِ حباب آڑ گئے خیمہ نکال کے  
 رنجِ خار اٹھانے کی طاقت نہیں مجھے  
 پیتا ہوں میں شراب میں بھی لونِ ڈال کے  
 بے عشق لوگ کہتے ہیں ماہِ چہارہ  
 سن کر مقرر ہوئے ہیں تمہارے کمال کے

۱ - کلیات آتش طبع علی بخش ص ۱۸۳ میں شیرازے کے قریب لکھا ہے :  
 ”۵ محرم ، حیدری“ شاید حیدری کاتب کا مختصر نام ہے اور ۵ محرم  
 ۱۳۶۷ ہجری کو کتابت اس منزل میں تھی - یہ بھی ممکن ہے کہ یہ  
 الفاظ سنگ ساز نے لکھے ہوں - نول کشور قدیم ص ۱۶۸ ، جدید  
 ص ۲۶۷ ، بہارستان سخن ص ۱۹۵ -

اُس مُترک کی نگہ جو کرے ناوک افگنی  
 تودے لگائے خاکِ شہیداں کلال کے  
 سرمہ نہیں ہوا ہے تجلی سے طور ہی  
 ہم بھی ہیں سوختہ تری برق جہاں کے  
 شامِ شبِ فراق سے پہلے موے جو لوگ  
 آئی ہوئی بلا گئے سر پر سے نال کے  
 اُس شمعِ روکا واہ رے جسمِ گداز و صاف  
 اللہ نے بنایا ہے سانچے میں ڈھال کے  
 انعی ہے زلف ، خال ہے انعی کی مردمک  
 عقدے کھلے یہ فکر سے اُس زلف و خال کے  
 آنکھوں میں اپنی رکھتے ہیں اہلِ نظر آنہیں  
 سرمہ ہوئے ہیں پستے ہوئے تیری چال کے  
 اخوانِ دہر سے عجب اس کا نامہ جائے  
 یوسفؑ کی فکر میں جو پھریں گُرک ہال کے  
 معنی کے شوق میں جو ہوا دل کو میلِ فکر  
 تصویرِ شعر بن گئے پُتلے خیال کے  
 سودائی جان کر تری چشمِ سیاہ کا  
 ذیلے لگاتے ہیں مجھے دیدے غزال کے  
 شک ہوتا تیرے ہاتھ کا ہونے جو اے صنم !  
 پنچے میں آفتاب کے ناخنِ ہلال کے  
 آئینے سے کلام کو کیوں کر کیا ہے صاف  
 حیرانِ کار ہم بھی ہیں آتش کے حال کے

رخصتِ یار کا جس وقت خیال آتا ہے  
 عمرِ رفتہ کو مجھے یاد دلا جاتا ہے  
 آتشِ گل سے کیا ہے مری طینت کا خمیر  
 دامنِ بادِ بہاری مجھے بھڑکاتا ہے  
 اے ہا! منہ نہ لگانا تو مری ہڈیوں کو  
 سگِ دیوانہ مجھے کاٹ کے مر جاتا ہے  
 ذرے آس کوچے میں جا سکتے نہیں وزنِ تک  
 سایہِ دیوار سے لگ چلنے نہیں پاتا ہے  
 گوشِ زدِ یار کے ہوتی نہیں فریادِ دلا !  
 عالمِ خواب میں گویا کہ تو بتراتا ہے  
 خار سے خشک ہوں گو ہجر میں آس گلوں کے  
 پر وہ کانٹا ہوں جو دامن نہیں آلیجاتا ہے  
 خس و خاشاک کا رتبہ ہے مجھے عالم میں  
 پہلے پھنکتا ہوں میں جو آگ کو سلگاتا ہے  
 امتحانِ عاشقِ صادق کا سزاوار نہیں  
 زرِ خالص کو بھی اے یار کوئی تاتا ہے ؟  
 مشتِ خاک اپنی ہوں گردوں کے حوالے کرتا  
 دامنِ گورِ مرے سامنے پھیلاتا ہے  
 جان کھوتا ہے عبثِ عشقِ بتاں میں آتش  
 سر کو ناداں کوئی کہسار سے ٹکراتا ہے ؟

میری قسمت میں لکھی موت جو تلوار کی تھی  
 شیرِ دایہ میں حلاوت لٹی ہر دھار کی تھی  
 آبِ شمشیر دوا عشق کے بیمار کی تھی  
 چاشنی اس میں مگر شربت دیدار کی تھی  
 جاے ہر موئے تن اے کاش میں گردن رکھتا  
 آبِ ابرو کی ہر اک بال میں تلوار کی تھی  
 آرزو رہ گئی آسِ کوچے میں پامالی کی  
 دھوم ہی دھوم فقط چرخِ جفا کار کی تھی  
 دلِ دیوانہ زبس عشقِ صنم رکھتا تھا  
 ہر نفسِ کاٹنی منزل بھجے کہسار کی تھی  
 کیا بناتا ہے شکستہ نفسوں کو صیاد  
 فکر لازم دلِ مرغانِ گرفتار کی تھی  
 گرم جوشی سے تپِ عشق کی کیوں کر پیتا  
 نبضِ اول ہی سے دودی ترے بیمار کی تھی  
 پا بہ گل بے خودیِ شوق سے میں رہتا تھا  
 کوچہٴ یار میں حالتِ مری دیوار کی تھی  
 حسنِ یوسف ہے وہی رونقِ بازار اب تک  
 وہی کثرت ہے جو کثرت کہ خریدار کی تھی

۱۔ کذیات طبع علی بخش ص ۱۸۴ ، نولکشور قدیم ص ۱۶۹ ، جدید

ص ۲۶۸ ، بہارستانِ سخن ص ۲۰۸ -

۲۔ کذیات طبع علی بخش : ”شکستہ نفسوں“ - مطبوعہ نولکشور و لاہور :

”شکستہ نفسوں“ -



اڑیاں راہ میں رگڑا کیے ہم واساندے  
 پہنچے منزل میں وہ طاقت جنہیں رفتار کی تھی  
 چھچھے کنجِ قفس میں بھی وہی باغ کے ہیں  
 سرِ بلبل میں ہوا تھی وہ جو گلزار کی تھی  
 تیغِ ابرو سے مجھے قتل کیا قاتل نے  
 وہ سزا دی جو محبت کے گنہگار کی تھی  
 مصلحت تھی وہی جو کچھ کہ کیا جس سے سلوک  
 دل جو تھا یار کا تھا، جان جو تھی یار کی تھی  
 راہِ صحرا میں جنوں کیوں نہ رکھے سرگشتہ  
 جستجوِ آہاں پایوں کو ترے خار کی تھی  
 شب جو تھی پیشِ نظر صورتِ زیبائے حبیب  
 روشنی گھر میں مرے چاند سے رخسار کی تھی  
 طرہ سمجھا کیے مضمون کو اس کے شاعر  
 جست اس طرح کی بندش تری دستار کی تھی  
 جو محبت کی نظر سے تھے خریدار اے یار !  
 پھونک دیتی انہیں گرمی ترے بازار کی تھی  
 'طور پر کیجیو آتش کو عزیزو ! تم دفن  
 آرزو اس کو بہت جلوۂ دیدار کی تھی

۶۷

'اہدم تفِ دروں سے ہم آفت طلب رہے  
 ہے دشمنِ حیات جگر میں جو تب رہے

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۸۳ ، نول کشور قدیم ص ۱۷۰ ، جدید  
 ص ۲۶۹ ، بہارستانِ سخن ص ۱۸۶ ۔ اس غزل کے سات شعر  
 (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

جا کی ہے تو نے منزلِ دل میں تو اے صنم !  
 آنکھوں کا بھی حجاب یہ ہم سے نہ اب رہے  
 دامنِ دوست کی ہے سکندر کو آرزو  
 باہر کفن سے ہاتھ نہیں بے سبب رہے  
 اللہ رے بے نیازیِ محبوب ، آفریں !  
 دل سے قریب ہو کے کوئی دور جب رہے  
 معدوم جوشِ گریہ سے کیا ہو بخارِ دل  
 کچھ گرد تو نہیں جو یہ باران سے دب رہے  
 مانع تھا عرضِ حال کا از بسکہ رعبِ حسن  
 منہ دیکھتے ہی یار کا عفل میں سب رہے  
 'روپوشی' حبيب کا کشتہ ہوں ، چاہیے  
 مردہ بھی بے چراغ مرا شب کی شب رہے  
 'عزالت گزین کو عیب لگاتی ہے سرکشی  
 دنداں وہ بدنما ہے ، نہ جو زیرِ لب رہے  
 آتشِ ظہورِ سہدی<sup>۳</sup> دیں ہو خدا کرے  
 تاجند بے چراغ یہ معمورہ اب رہے

(بید حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ریاض النصحا میں موجود ہیں یہی شعر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹۔

ساتواں شعر کابات میں موجود نہیں ہے :

رکھے قدمِ رفیب نہ کوئے حبيب میں

بیشے میں شیر کے نہ سگِ بے ادب رہے

۱۔ ریاض النصحا میں اس مصرع کی شکل یہ ہے :

روپوش اک حبيب کا کشتہ ہوں ، چاہیے

عاشقِ رونے کتاہی اگر انسان ہووے  
 اُس سے بہتر ہے جو یہ حافظِ قرآن ہووے  
 میرے مرنے کی خبر ہو نہ کسی کو معلوم  
 دوست گریاں ، نہ تو دشمن کوئی خنداں ہووے  
 نفسِ سرد سے یہ روح کو آتی ہے صدا  
 ٹھنڈے ٹھنڈے وہ سدھارے کہ جو مہاں ہووے  
 قدرتِ اللہ کی اے بُت ! ہے ترا حسن و جمال  
 کافرِ عشق ، عجب کیا ، جو مسلمان ہووے  
 کون سا بال ہے اُس زلف کا بکھرا جو نہیں  
 کوئی مجموعہ نہ اتنا بھی پریشان ہووے  
 دوریں دل ہو صفا سے تو تماشا دکھلائے  
 آشکارا ہو وہ آنکھوں سے جو پنہاں ہووے  
 چاندنی چھٹکے اندھیرے میں تم التو جو نقاب  
 'حسن' کی جوت سے کارِ سہ تاباں ہووے  
 جی میں آتا ہے کہ یاسین سنو عیسیٰ سے  
 دل بیمار کی مشکل کہیں آساں ہووے  
 جان بھی جائے تو نکلے نہ زباں سے کبھی آہ  
 چاہیے سینہ ترا گورِ غریباں ہووے  
 بے حجابی ہے حیا سے بھی تمہاری قاتل  
 تشنہٴ خون ہے وہ شمشیر جو عریاں ہووے

رخِ رنگیں رہے منظورِ نظر اے آنکھو !  
 دیکھیے اُس کا تماشا جو گلستاں ہووے  
 عاشقوں کا تجھے لازم ہے خیال اے شہِ حسن !  
 بے خبر ہو نہ رعیت سے جو سلطان ہووے  
 موسمِ گل میں آڑا دے گی ہوا صحرا کی  
 باغِ ہرچند کہ دیوانوں کا زنداں ہووے  
 حسنِ بے عیب خدا نے وہ دیا ہے تم کو  
 مدعی ہو کے جو دیکھیے وہ ہشیاں ہووے  
 کفر و اسلام کی کچھ قید نہیں اے آتش !  
 شیخ ہو یا کہ برہمن ہو ، پر انساں ہووے

'رشکِ پنجنہ' مرجاں پنجنہ' حنائی ہے  
 صاف پیرے کی ترشی یار کی کلائی ہے  
 کیا چمن شگفتہ ہیں ، کیا ہمار آئی ہے  
 کیا دماغِ بلبل میں بوے گل سہائی ہے  
 اشتیاقِ وصلت میں جان لب تک آئی ہے  
 عشق نے ستایا ہے ، حسن کی دہائی ہے  
 دیر سے نہیں واقف ، بے خبر ہیں کعبے سے  
 قصرِ یار کے در پر شوقِ جبہ سائی ہے

عرش سے بھی عالی ہے بامِ یار کا پایہ  
 آہ کی کمندوں کو عذرِ نارسائی ہے  
 مر بھی دیکھیے ، شاید گور پر وہ شوخ آوے  
 یہ بھی آخری اپنی قسمتِ آرزائی ہے  
 عشق ہے مرے دل کو حسن کے نظارے کا  
 آنکھ کے پیالے سے حسرتِ گدائی ہے  
 پھر رہا ہے آنکھوں میں حسنِ پردہ سوز آن کا  
 ہے نقابِ یوسفؑ سے ہم سے آشنائی ہے  
 جس قدر بڑھیں آن کو چند روز بڑھنے دو  
 دیکھیے تو زلفوں کی کس قدر رسائی ہے  
 زندگی ہے وابستہ اس مسیح کے دم سے  
 مژدہ فنا ہم کو یار سے جدائی ہے  
 سامنے سے تیرے ہے رنگِ مدعی اُڑتا  
 ماہ تاب کے منہ پر چھوٹی ہوئی ہے  
 اور کچھ نہیں رکھتے ہیں پری کے دیوانے  
 سرِ برہنگی ہے یاں ، یا برہنہ پائی ہے  
 مرغِ روح قیدی ہے جسم کے تعلق سے  
 صورتِ قفس چھوڑا جب اسے رہائی ہے  
 جان زار پائی ہے لطفِ یار سے تسکین  
 دل شکستہ عاشق کے حق میں مومیائی ہے  
 دل فریبِ عالم ہے حسن اے صنم تیرا  
 دم تری محبت کا بھر رہی خدائی ہے  
 روِ سیاہ زاہد ہے سجدہِ ربائی سے  
 اس کے ماتھے کا گنٹھا داغِ پارسائی ہے

بھاگتے ہیں وہ آتشِ آن سے ہم لپٹتے ہیں  
واں وہی کدورت ہے ، یاں وہی صفائی ہے

۷۰

دیوانہ اک ہری کا ہے رکھتی ہوا مجھے  
زنداں سے تنگ تر ہے یہ وحشت سرا مجھے  
ہوتا ہے لقمہ میرے دہن کا نصیبِ غیر  
کم بختی نے کیا ہے سفالِ گدا مجھے  
ظاہر میں گرچہ کاہ ہوں ، باطن میں کوہِ ہوں  
اپنی طرف نہ کھینچ سکے کھربا مجھے  
ہے اتحادِ میرا ترا موج و آب کا  
اے بحرِ حسن ! اپنا سمجھ آشنا مجھے  
نازک حبابِ جو سے بھی میرا مزاج تھا  
راسِ آبی اس چمن کی نہ آب و ہوا مجھے  
کافر سے بھی نہ ہو سکے کرتا جو کچھ کہ فعل  
بندہ جو ان بتوں کا بناتا خدا مجھے  
کب سے ہوں اشتیاق میں قاتل کے جاں بلب  
بادشِ بخیر ، بھول گئی ہے قضا مجھے  
پیتا ہوں میں ہنوز چھپا کر شرابِ کسو  
تا حالِ رند جانتے ہیں پارسا مجھے

۱۔ کلیاتِ طبعِ علی بخش ص ۱۵۸ ، نولکشورِ قدیم ص ۱۷۱ ، جدید ص ۲۷۱۔  
۲۔ کلیاتِ علی بخش : ” ہے اتحادِ میرے ترے موج “۔

ناز و نیاز کی ہے ترقی وہی ہنسوز  
 صد آفریں ہے یار تجھے ! مرحبا مجھے !  
 دل مثلِ غنچہ خوں نہ کیا مجھ پرہیز نے  
 کیا لطف تھا جو ملتی پہٹی اک قبا مجھے  
 دانے کی طرح رنجِ ضعیف و قوی سے ہے  
 ہے کامِ مور بھی دہنِ آسیا مجھے  
 افشاں چھڑا کے چہرے سے ، تم نے دکھا دیا  
 ذروں کا آفتاب سے ہونا جدا مجھے  
 صوتِ حزیں نصیبِ گلوے بریدہ ہے  
 آتشِ حلال کسرتی ہے بانگِ درا مجھے

۷۱

’گوشِ گل کو نالہ‘ مرغِ خوش الحان چاہیے  
 ’ناقہ‘ لیلنی کو مجنوں سا حدی خواں چاہیے  
 روح کو تن میں خیالِ باغِ رضواں چاہیے  
 تا قفس میں بند ہے ، شوقِ گلستان چاہیے  
 چہرہٴ محبوب پھیکا ہے جو خالِ اس میں نہ ہو  
 خوانِ نعمت پر مقرر اک نمکِ داں چاہیے  
 روزِ محشر تو بھلا سر کو جھکا کر میں چلوں  
 تیغِ قاتل کا مری گردن پہ احساں چاہیے

۱۔ کلیات کے مطبوعہ نسخوں میں ”صوتِ حزیں“ کے بجائے غلطی سے  
 ”صورتِ حزیں“ چھپا ہے۔

۲۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۸۶ ، نول کشور قدیم ص ۱۷۱ ، جدید  
 ص ۲۷۲ ، بہارستان سخن ص ۱۹۰۔

چاہتا ہوں اُس پری پیکر سے دست آویزِ وصل  
 عہد نامے پر مگر 'مہرِ سلیاں چاہیے  
 عشق میں اللہ کے ہوں ہو گیا دیوانہ میں  
 کعبے کے نقشے کا مجھ مجنوں کا زنداں چاہیے  
 دشمنہ 'قصاب سے ہے تیز ہر موے مڑہ  
 روزمرہ تم کو شغلِ عیدِ قرباں چاہیے  
 اے جنوں! دیوانہ 'دستِ حنائی ہوں ، مجھے  
 پنجنہ 'مرجاں پے 'چاکِ گریباں چاہیے  
 کچھ سوا اس کے علاجِ وحشتِ عاشق نہیں  
 موت سی زنجیر یا مرقد سا زنداں چاہیے  
 گل چراغِ زندگی کرنے کا ہے دل کو خیال  
 جامہ زیبوں کی قبا سے بادِ داماں چاہیے  
 بادشاہِ حسن بھی کہتے ہیں عاشقِ پیار سے  
 جیں جیں پر آپ کی مانندِ سلطان چاہیے  
 کہتے ہیں بیمارِ حسن اُس نونہالِ حسن سے  
 سونگھ لینے کے لیے سیبِ زخنداں چاہیے  
 دل کو لازم ہے خیالِ چہرہ 'پر نورِ یار  
 چودھویں کے چاند سا اک گہر میں مہاں چاہیے  
 زلف کا اُس غیرتِ لیلیٰ کے سودا ہو جسے  
 بیدِ مجنوں کی طرح سے 'مو پریشان چاہیے  
 موسمِ گل کی ہوا ہے یہ اشارہ کر رہی  
 ان دنوں جامے سے بابر اپنے انساں چاہیے  
 اس خرابے کو کیا کرتے ہو تم زیر و زبر  
 آشکارا ہووے آتشِ گنجِ ہنساں چاہیے



اتری ابروے پیوستہ کا عالم میں فسانہ ہے  
 کبھی استاد شاعر کی یہ بیت عاشقانہ ہے  
 کفن دزدوں میں قبر اہل دولت کا فسانہ ہے  
 تمامی کی ہے چادر ، بادلے کا شامیانہ ہے  
 جودِ یوانہ ہے صحرا میں وہ بھاگے میرے سایے سے  
 سوار شیر میں مجنوں ہوں ، افعی تازیانہ ہے  
 گریباں پہاڑ کر دیوانے نے زنجیر کیوں پہنی  
 کرے کیا عقل دخل اس میں ، جنوں کا کارخانہ ہے  
 کبھی کچھ ہے تلون سے ، کبھی کچھ ہے تلون سے  
 مزاج یار بھی نیرنگ سازی میں زمانہ ہے  
 کہا مجنوں نے دنیا سے گزرنا سن کے لیلیٰ کا  
 کوئی آگے روانہ ہے ، کوئی پیچھے روانہ ہے  
 نظر آتی نہیں آنکھوں کو باریکی کے باعث سے  
 کمر سے یار کی ہم کو محبت غائبانہ ہے  
 صفا کا آس رخِ زیبا کی ہے حیران آئینہ  
 لٹک پر گیسوؤں کی پستا دانت اپنے شانہ ہے  
 سمنہ حسن کو وہ ترک آڑا دے جس قدر چاہے  
 مڑہ مہمیز ہے ، گیسوے مشکیں تازیانہ ہے  
 پھراتا ہے عبث واعظ سر اپنا بک کے زندوں سے  
 تکلف برطرف ، یاں لاآبالی کارخانہ ہے

سیاہی دور کسر دل کی تو پیدا نورِ عرفاں ہو  
 سرِ افعیٰ کو کچلا جس نے، مالِ آس کا خزانہ ہے  
 بلند اختر، بلند اقبال، قصرِ یار کو کہہ ہے  
 ہوائے بام رکھتا ہے وہ عالی آستانہ ہے  
 چمن کی سیر میں لطفِ شکار آنکھوں کو آٹھنے گا  
 ترے تیرنگہ کا بلبل اے گلِ رو نشانہ ہے  
 گلے میں اپنے باہیں ہنستے ہنستے ڈال سکتے ہو  
 کرم ڈھونڈھے تمہارا تو جاناہ ہی بہانہ ہے  
 وبالِ جاں ہوا ہے جسمِ خاکی ضعفِ پیری سے  
 قفس سے تنگ بلبل کو خزاں میں آشیانہ ہے  
 نہیں معلوم اُن آنکھوں نے آنکھوں میں ہے کیا پھونکا  
 دمِ بیگانگی بھرتا سرے دل سا یگانہ ہے  
 نہ مطلب کشت سے رکھیں، نہ خرمن سے غرض آتش  
 سمجھ لے اپنے منہ میں مور جو قسمت کا دانہ ہے

## ۷۳

اے جنوں ہوتے ہیں صحرا پر اتارے شہر سے  
 فصلِ گل آئی کہ دیوانے سدھارے شہر سے  
 خوب روئے حال پر اپنے وطن کا سن کے حال  
 کوئی غربت میں جو آنکلا ہمارے شہر سے  
 جانِ دوں کا میں اسیر اے دوستو! چپکے رہو  
 ذکر کیا اس کا کہ دیوانہ سدھارے شہر سے  
 موسمِ گل میں رہا زنداں میں اور آئی نہ موت  
 سامنے ہوتی نہیں ہے آنکھ سارے شہر سے

جوشِ وحشت میں جو لی زنداں سے میں نے راہِ دشت  
 کو دکانِ مجھ کو خدا حافظ ہیکارے شہر سے  
 پاؤں میں مجنوں کے تو طاقت نہیں اے کود کو !  
 موسمِ گل کی ہوا تم کو ابھارے شہر سے  
 اک نظرِ للہ ہم کو صورتِ زیبا دکھاؤ  
 تشنہ دیدار جاتے ہیں تمہارے شہر سے  
 دشت گردی کی نہیں دیوانے کو کچھ احتیاج  
 جامے سے باہر جو ہے باہر ہے سارے شہر سے  
 چوٹ سی لگتی ہے ، دل جنگل سے ہوتا ہے آچاٹ  
 سنگِ طفلان کرتے ہیں مجھ کو اشارے شہر سے  
 جوشِ وحشت سے نہیں پہنچا میں صحرا تک ہنوز  
 جانے والے گور کے پہنچے کنارے شہر سے  
 موسمِ گل آئے ، نیت سیرِ دیوانوں کی ہو  
 میوہِ صحرائی ہر ہیں منہ پسارے شہر سے  
 اب تو آزرده ہے تو لیکن کلمے کا ہاتھ پھر  
 جس گھڑی آتش نکل جاوے گا پیارے شہر سے

۷۴

دل کو گھر آس گل کی آفت کا بنایا چاہیے  
 بوے یوسف سے یہ پیراہن بسایا چاہیے  
 نرگسِ جادو کو آس گل کی دکھایا چاہیے  
 سامری کافر کو گوسالہ بنایا چاہیے

روزِ دیوارِ چشموں کو بنایا : چاہیے  
 خانگیِ معشوق سے آنکھیں لڑایا چاہیے  
 اُس کے کوچے کے تصور میں غش آیا ہے مجھے  
 آستانِ یار کی مٹی سنگھایا چاہیے  
 وعدہ دیدار آتا ہے ، اُلٹتا ہے نقاب  
 نکتی باندھیں ، یہ آنکھوں کو سجھایا چاہیے  
 کوچہ گیسو کے سودے میں فنا ہوتی ہے روح  
 خانہ زنجیر میں اے دل در آیا چاہیے  
 بھولی ہے بلبل خزاں کے جور سے لطف بہار  
 پھر 'کَلستان' چند روز اُس کو پڑھایا چاہیے  
 برہمن کہتے ہیں تیرا مصحف رو دیکھ کر  
 کفر سے باز آئیے ، ایمان لایا چاہیے  
 گفتگو اللہ نے موسیٰؑ سے کی ہے اے صنم  
 ہم کو بھی آواز پردے سے سنایا چاہیے  
 ساعدِ زیبا تو ہیں الہاس کے ترشے ہوئے  
 اک نظرِ ساقِ بلوریں بھی دکھایا چاہیے  
 دل کڑھاتی ہے نہایت نرگسِ بیمار یار  
 صدقے کر کے مرغِ روح اُس پر آڑایا چاہیے  
 ایک راہِ اتحاد ، اے دل یہ ہے ، جو ہو سکے  
 یاد میں اُس کی دو عالم بھول جایا چاہیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

”دل کو گھر اس گل کے آنے کا بنایا چاہیے“

متن مطابق نول کشور قدیم ص ۱۷۳ ، جدید ص ۲۷۴ -

عاشق ہے خود کو بوسہ دیجیے مولا مرے  
 بندہ مسکین کے اوپر رحم کھایا چاہیے  
 آسمان شمس و قمر پر اپنے نازاں ہے کمال  
 تاج زرین کج کلاہوں کے دکھایا چاہیے  
 میر دریا نشے کے عالم میں دیکھے گا وہ شوخ  
 کشتی سے گھاٹ پر ساق لگایا چاہیے  
 سر پہرا میرا نہ میں بیدار ہوں اے نفخِ صور  
 بے خبر سوتے جو ہوں آن کو جگایا چاہیے  
 کیسویے مشکین کی دکھلا کر لٹک کہتا ہے دل  
 آتش اس افعی کے اوپر زہر کھایا چاہیے

## ۷۵

عاشق ہوں میں نفرت ہے مرے رنگ کو رو سے  
 پیوند نہیں چاکِ گریباں کو رفو سے  
 دامن مرے قاتل کا نہ رنگیں ہو لہو سے  
 ہرچند کہ نزدیک ہو رگ ہائے گلو سے  
 گلزارِ جہاں پر نہ پڑی آنکھِ بہاری  
 کوتاہ تھی عمر اپنی حبابِ لبِ جو سے  
 پیشانیِ بت پر آسے ملتا ہے برہمن  
 آتی ہے جو خاک اڑ کے مری بار کے کو سے

کرتا ہے وہ سفاک خط شوق کے ہرزے  
 مہندی مہلی جاتی ہے کبوتر کے لہو سے  
 منہ پھیرنے بی یار کو صورت بھی گئی بھول  
 ہم چشم وفا رکھتے تھے اس آئنے رو سے  
 عاشق ہوں مگر کرتے ہیں معشوق خوشامد  
 نازک ہے طبیعت مری بیمار کی خو سے  
 زلفوں سے پھنسا یا دل لالان کو صم نے  
 طوطی کو گرفتار کیا حلقہ مو سے  
 دیوانہ شرابی ہوں خراباتِ مغان میں  
 ہے سنگ سے آفت تو مجھے عشق سب سے  
 تھی اس میں زبس کاکلِ مشکین کی سیاہی  
 نیند آگئی مجھ کو بغلِ گور کی بو سے  
 آ رہتا ہے خود یار بغل میں مری ہر شب  
 درباں سے نہ جھگڑا، نہ خلش یاں سگِ کو سے  
 کانٹ کو نہ ہو میل کبھی جانبِ مصحف  
 زلفِ سیہ یار پھری رہتی ہے رو سے  
 ہوں نزع کی حالت میں جو میں منتظرِ یار  
 رک رک کے مری جان نکلتی ہے کاو سے  
 عاشق ہوں برابر مجھے اندیشہ جاں ہے  
 بل کھاتے ہوئے سانپ سے، بکھرے ہوئے مو سے  
 از بس کہ سمجھتا ہوں اسے دشمنِ جاں میں  
 ہوتا ہے مجھے مرتبہ عشقِ عدو سے  
 کشتہ ہوں میں بیزاریِ جلاذ کا آتش  
 تلوار نہیں رنگ پکڑتی ہے لہو سے

یہ وصیت مری ساقی نہ فراموش کرے  
 کاسہ سر کو خم بادہ کا سرپوش کرے  
 کشتہ عالمِ عربیانی خواباں ہوں ، فلک  
 ہے سزاوار جو مجھ کو نہ کفن پوش کرے  
 گردشِ چشم بتاں سے نہ ہو کیونکر دل غش  
 ٹھگ مسافر کو یقیں ہے یہ کہ بے ہوش کرے  
 صورتِ قطرہ شبنم ہوں عزیز ہر دل  
 کھینچے خورشید تو گل مجھ کو درِ گوش کرے  
 عاشقوں سے ہے اشارہ یہی آن مڑگاں کا  
 نشتروں سے ہیں بھرے گنج ، لہو جوش کرے  
 ہو کبھی تو سببِ خیرِ عدو اپنا بھئی  
 نشہ حسن ، الہی ! آسے مدہوش کرے

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۸۸ ، نواکشور قدیم ص ۱۷۴ ، جدید ص ۲۷۵ -  
 ریاض الفضا میں غزل کی ابتدائی صورت موجود ہے ۔ نہ معلوم آتش  
 نے ان اشعار پر نظر ثانی کی ہے یا براہ راست نئے شعر لکھے ۔ بہر حال  
 شعر ۲ و ۴ بلا تغیر اور مقطع ذرا سی تبدیلی کے ساتھ موجود ہے ۔  
 یہ پانچ شعر کلیات میں شریکِ اشاعت نہیں ہیں :

باد بھولے سے تو وہ سرو تباپوش کرے  
 خاطرِ دوست کسی کو نہ فراموش کرے  
 آرزو ہے جو لحد پر مری روشن ہو چراغ  
 کسی محبوب کا دامن اسے خاموش کرے  
 قتل کرتی ہے عبث مجھ کو خنائے کفِ یار  
 بے گناہوں کا غضب ہے جو لہو جوش کرے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آس گزرگہ میں لازم ہے ”گنہ سے پرہیز  
 راہ رو چاہیے اپنا نہ گراں دوش“ کرے  
 داغِ دل ہوویں چراغوں کی طرح سے معدوم  
 جلوہ فرمائی جو وہ صبحِ بناگوش کرے  
 اس تماشے کی ہیں مشتاق ہماری آنکھیں  
 کبک ٹیڑھا چلے ، سیدھا تری پاپوش کرے  
 ”دشمنِ جان بھی تغافل کا نہ ہووے کشتہ  
 خاطرِ دوست کسی کو نہ فراموش کرے  
 آرزو ہے یہی آتش کی خدا سے“ زاہد  
 تجھ کو غم نوش کرے ، مجھ کو قدح نوش کرے

۷۷

”یہ آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرنے  
 ہم اور بلبلِ بے تاب گفتگو کرنے  
 پیامِ بر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا  
 زبانِ غیر سے کیا شرحِ آرزو کرنے

(صفحہ گزشتہ کا بقیہ حاشیہ)

بارِ خاطر نہ کسی کے ہوں کبھی سوختہ دل  
 شمعِ کشتہ کا جنازہ نہ گراں دوش کرے  
 یار سے تو نہ بسفل گیر کیا گردوں نے  
 گورِ ہی سے مجھے جلادِ ہم آغوش کرے  
 آرزو ہے یہی آتش کہ خدا ، اے زاہد !  
 تجھ کو غم نوش کرے ، مجھ کو قدح نوش کرے

- ۱ - نول کشور طبع جدید : ”گراں گوش کرے۔“ متن مطابق علی بخش -
- ۲ - نول کشور جدید : ”خدا ، اے زاہد“ اور ”غم کو غم۔“
- ۳ - کنیات طبع علی بخش ص ۱۸۹ ، نول کشور قدیم ص ۱۷۴ ، جدید ص ۲۷۶ -



مری طرح سے مہ و مہر بھی ہیں آوارہ  
 کسی حبیب کی یہ بھی ہیں جستجو کرتے ؟  
 ہمیشہ رنگِ زمانہ بدلتا رہتا ہے  
 سفید رنگ ہیں آخر سیاہ ہو کرتے  
 لٹاتے دولتِ دلِیا کو مے کدے میں ہم  
 طلائی ساغرِ مے ، نفرتی سبو کرتے  
 ہمیشہ میں نے گریباں کو چاک چاک کیا  
 تمام عمر رفو گر رہے رفو کرتے  
 جو دیکھتے تری زنجیرِ زلف کا عالم  
 اسیر ہونے کی آزاد ، آرزو کرتے  
 بیاض گردنِ جاناں کو صبح کہنے جو ہم  
 ستارہٴ سحری تکمہ گلو کرتے  
 یہ کہنے سے نہیں بے وجہ نسبتِ رخِ یار  
 یہ بے سبب نہیں مردے کو قبلہ رو کرتے  
 مکھاتے نالہٴ شب گیر کو در اندازی  
 غمِ فراق کا اس چرخ کو عدو کرتے  
 وہ جانِ جاں نہیں آتا تو موت ہی آتی  
 دل و جگر کو کہاں تک بھلا لہو کرتے  
 نہ پوچھ عالمِ برگشتہ طالعی آتش  
 بزمِستی آگ ، جو باران کی آرزو کرتے

۷۸

خاک ہونے سے درِ دلدار نے جادی مجھے  
 ہو گئی اقبال آخر میری بربادی مجھے

ایک دم میں منزلِ بستی سے جا پہنچا عدم  
 راہزن سنا تھا جس کو، ہو گیا ہادی مجھے  
 کم نصیب ایسا ہوں، گر ہو خرمی کو اذنِ عام  
 ہو نہ شادی مرگ ہونے کے سوا شادی مجھے  
 ترک کرنا جامہ تن کا ہے یاں ترکِ لباس  
 روح کی قالب سے آزادی ہے آزادی مجھے  
 یاد دلوا کر لڑکپن یار کا بسل کیا  
 تیغ چوبیس بھی ہوئی شمشیرِ فولادی مجھے  
 تلخ کاسی شہد ہے سوداے زلفِ یار میں  
 عشقِ افسی نے کیا ہے زہر سے عادی مجھے  
 پا بہ گل جب فرقہ آزاد پایا، مثلِ سرو  
 ہو گئی بدتر گرفتاری سے آزادی مجھے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۶ گزشتہ)

ص ۲۷۶، ریاض النصحا ص ۶۔

ریاض النصحا میں اس غزل کے بارہ شعر ہیں، لیکن کلیات میں اس کی صورت اتنی بدلی ہوئی ہے جیسے آتش نے یہ پوری غزل دوبارہ لکوی ہے۔ مثلاً پہلا مصرع مصحفی نے یوں لکھا ہے :

”خاک بوئے ہی ہر اک دامن لے جا دی مجھے“

۱۔ ”ایک دم میں کٹ گئی یہ منزلِ دورِ عدم۔ راہزن کہتے تھے جس کو“  
 (ریاض النصحا) ”ایک دن میں“ کلیات آتش، نول کشور ۱۹۲۹ع۔

۲، ۳۔ یہ شعر مصحفی نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

۴، ۵۔ ریاض النصحا میں یہ شعر نہیں ہے۔

۶۔ اس شعر کا دوسرا مصرع ریاض النصحا میں یوں ہے :

”ہو گیا گالی سے بدتر نامِ آزادی مجھے“

'روز و شب رہتی ہے مرغانِ مضامین کی تلاش  
 فکر سے کرنا پڑا ہے کارِ ستیادی مجھے  
 کس قدر آدم کو تھی وابستگی حوا کے ساتھ  
 حسنِ عالم گیر سے ہے عشقِ بنیادی مجھے  
 یہ عروسِ فاحشہ آتی نہیں دل کو پسند  
 زالِ دنیا کی نہیں منظور دامادی مجھے  
 اے بتو! تیغِ تغافل سے نہ چھوڑو نیم جاں  
 سامنے اللہ کے بھیجو نہ فریادی مجھے  
 حسنِ قاتل سے ازل سے دل کو عشقِ پاک ہے  
 خوبصورت کی پسند آتی ہے جلادی مجھے

- ۱۔ یہ شعر بالکل بدل دیا ہے۔ پہلے اس کی صورت یہ تھی :  
 ہر نفس ہے سعیِ تن کی پرورش کے واسطے  
 آپ ہی کرنا پڑی ہے اپنی ستیادی مجھے
- ۲۔ مصحفی نے یہ شعر نہیں لکھا ہے۔
- ۳۔ طبع علی بخش میں دوسرا مصرع یوں ہے :  
 "یہ عروسِ فاحشہ دل کو نہیں آتی پسند"  
 اور مجمع الفصحا میں اس مصرع کی صورت یہ ہے :  
 "جان دے کر مہر میں دیتا ہوں میں اس کو طلاق"
- ۴۔ 'فریادی' کا قافیہ مصحفی کی روایت میں یوں ہے :  
 طاقِ ابروے صنم کی یاد میں نالاں رہا  
 برہنِ سمجھے در کعبہ کا فریادی مجھے
- ۵۔ 'جلادی' کا قافیہ بھی پہلے یوں نظم ہوا تھا : (ریاض الفصحا)  
 ہر نفس ششیر ہے یاں بہرِ قتلِ آرزو  
 خاکساری نے دیا ہے حکمِ جلادی مجھے

دل گزرگاہِ حسیناں تھا ، تصور سے کبھی  
یاد آس ویرانے کی آتی ہے آبادی مجھے  
میں نے فنِ شعر اے آتش پڑھایا ہے تجھے  
تجھ کو شاگردی ہے زیبا ، اور استادی مجھے

۱۔ 'آبادی' کا قافیہ ریاض الفصحا میں یوں ہے :  
تالیاں لڑکے پھراتے ہیں مری آواز پر  
اے جنوں تو نے بنایا چند آبادی مجھے  
ترتیبِ ریاض الفصحا کے لحاظ سے چوتھا اور گیارھواں شعر کلیات میں  
نہیں ہے :

ہے تصور میں مرے ہر کوہ ، رشکِ کوہ طور  
وادیِ ایمن کی عزت ہے ہر اک وادی مجھے  
ہر نفس شمشیر ہے یاں بہرِ قتلِ آرزو  
خاکساری نے دیا ہے حکمِ جلادی مجھے

۲۔ مقطع بالکل بدلا ہوا ہے ۔ ریاض الفصحا میں ہے :

قصرِ تن کی بے ثباتی کا غم آتش تا کجا  
خانہ بربادیِ حباب آسا ہے بنیادی مجھے

(الف) ”میں نے فنِ شعر اے آتش سکھایا ہے تجھے“ بہت بڑا طنز اور  
بہت سخت حملہ ہے ، معلوم نہیں یہ خطاب کس سے ہے ۔

(ب) ریاض الفصحا میں اس غزل کا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ شعر  
۱۲۲۱ ۱۸۰۶/۵ ع کے لگ بھگ لکھے گئے ہیں ۔

(ج) مصحفی نے اس غزل کے بارہ شعر لکھے ہیں ، کلیات میں ۱۴ شعر ہیں ۔  
گویا آتش نے غزل پر نظر ثانی کی ہے ۔

اصرارِ دل کو ہدفِ ناوکِ مڑگان کرتے  
 کسی ابرو کی کہاں پر اے قرباں کرتے  
 دلِ پُر داغ کو مدفونِ یساہاں کرتے  
 کسی ویرانے میں اس گنج کو پنہاں کرتے  
 گنجِ تنہائی میں رہتا ہے نہایت دل تنگ  
 چار دیوار گرا کر اے میدان کرتے  
 اور کوئی طلبِ ابنائے زمانہ سے نہیں  
 مجھ پر احسان جو نہ کرتے تو یہ احسان کرتے  
 بے وفائی کا اگر عیب نہ ہوتا تم میں  
 اے بتو ! سجدہ خدا کو نہ مسلمان کرتے  
 قامتِ بار کا عالم آسے دکھلاتے ہم  
 منکرِ روزِ قیامت کو ہشیاں کرتے  
 بار سے وعدہ فردا ہے ، جو ممکن ہوتا  
 شام سے صبح کا ہم چاک گریباں کرتے  
 موج زن رہتے جو دریا نہ مرے اشکوں کے  
 سفرِ آب نہ ہندو نہ مسلمان کرتے  
 آس پری رو نے سنی ایک نہ دیوانوں کی  
 غل رہے خانہ زنجیر کے مہماں کرتے  
 دل میں رکھتے ہیں محبت جو تری پوشیدہ  
 حسنِ یوسف سے ہیں روشن وہی زنداں کرتے

مرغِ دل شیکڑوں ہی لٹکے ہوئے پاتا ہوں  
 پیچشِ دام میں وہ گیسوے پیچاں کرتے  
 شربتِ وصل تو ناممکن و ناپیدا ہے  
 زہر ملتا تو علاجِ تپِ بھراں کرتے  
 دل کو یوسف سے نہ کیوں داغِ محبت ہو عزیز  
 صاحبِ خانہ میں ، کیا خاطرِ مہاں کرتے  
 گیسوؤں کو نہ ہوا سے انہیں آجھانا تھا  
 اپنے سودائیوں کے دل نہ پریشان کرتے  
 دم فنا کرتے چمک اپنی دکھا کر آتش  
 کارِ الہاس وہ الہاس سے دندان کرتے

## ۸۰

اظاہر ہے یہ اے بار تری کم سخی سے  
 لب بند ہوئے جاتے ہیں شیریں دہنی سے  
 اخوان کی عداوت سے ہوا شہرہ یوسف  
 کچھ پیش نہیں جاتی ہے قسمت کے دہنی سے  
 بوسے سے لبِ یار کے کھونی ہے تپِ غم  
 یہ آگ بجھانی ہے عقیقِ یمنی سے  
 افسانے سے بدتر ہے ، جو ہو راز ہویدا  
 اظہارِ فقیری نہیں بہتر کفنی سے

روتا ہے ادھر ابر، ادھر ہنس رہی ہے برق  
 گرے سے کوئی خوش ہے، کوئی خندہ زنی سے  
 طفلی میں اشارہ تھا یہ اس چشمِ سیہ کا  
 ہم آنکھ لڑا دیں گے غزالِ خنتی سے  
 وہ مدسے اٹھائے ہیں تب عشق سے میں نے  
 اندیشہ نہیں نزع کی اعضا شکنی سے  
 گردوں سے نہ ہو دولت دنیا کا طلب گار  
 کب فیض کو پہنچا ہے کوئی مالِ دنی سے  
 انوس کہ فرہاد کو پہلے ہی نہ سوجھی  
 سر پھوڑ کے مر جائیے اس تیشہ زنی سے  
 اللہ رے مغرور! زمیں پر نہ رکھا پاؤں  
 پھولے نہ سائے کبھی گل پیرہنی سے  
 کیا چیز ہے اے آہ ترے سامنے گردوں  
 فولادی سپر ٹوٹی ہے برجھی کی انی سے  
 کرتے ہیں عبث یارِ سلامت مجھے آتش  
 مجبور ہے یہ خاک کا پتلا شدنی سے

۸۱

دمِ شمشیر کی موجِ نفس میں یاں روانی ہے  
 گلے تک حسرتِ جلاد میں لوہے کا ہانی ہے  
 چمن میں جا کے کن آنکھوں سے دیکھوں داغِ لالہ کا  
 یہ میرا داغِ دل، بے داغِ لالہ کی نشانی ہے

دلِ نازک نہیں تابِ جالِ یار لائے گا  
 مجھے پردے میں عزرائیل کو صورت دکھانی ہے  
 نسیمِ صبح سے مرجھایا جاتا ہوں ، وہ غنچہ ہوں  
 وہ گل ہوں میں ، جسے شبنم بلائے آسانی ہے  
 عبث کرتا ہے واعظ میرے آگے ذکرِ حوروں کا  
 منی میں نے بہت تریبا چرتہ کی کہانی ہے  
 خرابی سے ارادہ ہے مکانِ تعمیر کرنے کا  
 گرا کر قصرِ تن کو گور کی منزل اٹھانی ہے  
 شبِ فرقت نہیں یہ واسطے شبنم بچانے کے  
 سیہ بختی نے کملی میرے سر پر لا کے تانی ہے  
 السنہی طولِ عمرِ خضر دے بادِ بہاری کو  
 مزارِ بے کساں پر پھولوں کی چادر چڑھانی ہے  
 نہیں بس بے جہت موباف چوٹی میں تمامی کا  
 تجھے ابرِ سیہ سے اے کبریٰ بجلی گرائی ہے  
 ارادہ عرشِ اعظم کا ہے آہِ صبح گاہی کو  
 درِ فریادِ رَس پر چل کے اب دھونی لگانی ہے  
 کوئی ویرانہ آتش ، کوئی آبادی نہیں باقی  
 تلاشِ گوہرِ مقصود میں کیا خاک چھانی ہے

۸۲

اسینے پر سنگِ سلامت جو گراں جاں روکے  
 گزرِ رستم کو یقین ہے کہ وہ انسان روکے



عرصہ روئے زمیں صحنِ گلستان روکے  
 چار دیوار چمن سارا یہ میدان روکے  
 لکھت گل ہوں میں ، کیا مجھ کو گلستان روکے  
 بوئے پیراہن یوسف کو نہ زنداں روکے  
 برق رفتار ہوں ، منزل ہے سرے زیرِ قدم  
 ابر گھیرے مجھے ، ہرچند کہ باراں روکے  
 جو خلش آبلوں سے ہونا ہو ، صحرا ہی میں ہو  
 راستے میں نہ مجھے خارِ مگیلاں روکے  
 حشر کے روز وہ ناسرد ہے گردن زدنی  
 ڈھال پر تیری سروبی کو جو انسان روکے  
 کوچہ تنگ میں ملتا ہے تو کہتا ہے وہ شوخ  
 مرد ہے وہ کہ جو ہم کو سرِ میدان روکے  
 بلبلوں کے لیے ہے دامِ رگِ گل کافی  
 جال پھیلا کے نہ صیادِ گلستان روکے  
 لذتِ زخم سے محروم نہ رکھنے قاتل  
 ہاتھ کو اپنے نہ خیرات سے انسان روکے  
 انگلیاں ہانچوں ترا دست نگاہیں توڑے  
 ایک زورِ آس کا اگر ہنچہ مرجاں روکے  
 شوق سے لٹکے کمر پر ، ہمیں کچھ کام نہیں  
 سامنا رخ کا نہ وہ زلفِ پریشان روکے  
 دوڑواتا ہوں جلو میں انہیں دیوانہ  
 زعم میں اپنے مجھے لشکرِ طفلان روکے  
 غیرتِ عشق عطا شہرِ توفیق کرے  
 اے چکور اڑ کے تو راہِ مہ تاباں روکے

دھجیاں کر کے رہِ دامنِ صحرا لوں گا  
 تنگ مجھ کو نہ کرے ، دم نہ گریباں روکے  
 حافظ اللہ ہے ہم بے سر و سامانوں کا  
 اوس جس کملی سے چھنتی ہے وہ باراں روکے  
 شوقِ صحرا سے نہیں پاؤں زمیں پر پڑتے  
 کس کو ٹھہرائے آجھ کر ، کسے داماں روکے  
 دل میں آس بت کے الہی ہو مرا گھر ایسا  
 ہر طرف آس کو کرے ، مجھ کو جو درباں روکے  
 چار دن موسمِ گل میں تو رہوں دشتِ نور  
 راہ کھوئی نہ کرے ، مجھ کو نہ زنداں روکے  
 بنستے ہیں گل کی طرح اہلِ جہاں کیا آتش  
 مثلِ شبنم گئے اس باغ سے مہاں روکے

## ۸۳

'ہوجنا بُت کا نمازِ زابدِ سالوس ہے  
 نعرۂ اللہ اکبر نعرۂ ناقوس ہے  
 زلف و رخ سے تیرے وابستہ جو ہے مایوس ہے  
 چشمِ حیرت آئینہ ، شانہ کفِ افسوس ہے  
 قدرِ نعمت بعدِ نعمت کے ہے کرتا آدمی  
 عہدِ پیری میں جوانی کا مجھے افسوس ہے  
 زلف کے سودے کو اپنے سر میں جس نے دی جبکہ  
 یہ سمجھ لے خانہ زنجیر میں محبوس ہے

یہ صدا دیتی ہے خلخال آن کی ہنگامِ خرام  
 خاک میں مل جائے جس کو حسرتِ ہابوس ہے  
 حسن بے پردہ سے کیا کیا نوجوان ہوتے ہیں قتل  
 شمع بھئی شمشیرِ عربیاں ہے جو بے فانوس ہے  
 خوش نما ہے یار کے اندام ہر یوں پیرہن  
 روح کو جیسے مزینب جسم کا ملبوس ہے  
 آہِ سرور و افسکِ گرم و رنگِ زرد و دردِ عشق  
 دے جو اس معجون کو ترکیب ، جالینوس ہے  
 بخشے جاویں گے گنہ گارِ محبت اے صنم !  
 رحمتِ اللہ سے ، کافر ہے ، جو مایوس ہے  
 دیکھیے آغازِ آفت کا ہو کیا انجامِ کار  
 بے وفا محبوب سے ، خاطر مری مانوس ہے  
 باغ میں دکھلا رہی ہے اپنی نیرنگی بہار  
 کثرتِ گل سے جو بوٹا ہے دمِ طاؤس ہے  
 بادشاہِ وقت ہے ، لیلیٰ کا دیوانہ نہیں  
 غلغلہ زنجیرِ محبتوں کا صدا ہے کوس ہے  
 عمو حیرت کر دیا ہے اُس صنم کے حسن نے  
 دل خموشی سے ہارا ہے صدا ناقوس ہے  
 عاشقِ بے خود کو اندیشہِ ملامت کا نہیں  
 مردِ دیوانہ جو ہے بے تنگ و بے ناموس ہے  
 ہجر کی شب صبح ہوگی وصل کا دن آنے کا  
 خوابِ بید بھی لیک ہے ، تعبیر اگر معکوس ہے  
 عاشقوں سے اُس پری رخسار کا یہ ہے کلام  
 بھاڑ کر کپڑے جو دیوانہ بنے ، سالوس ہے

خط نکلتا روئے رنگیں پر ہے پیغامِ خزاں  
اس گلستاں پر قدم اس سبزے کا منحوس ہے  
سر کو تیرے جب سے ہے سوداے ہابوسیِ بار  
ہاتھ ملتا ہوں میں اے آتش! کمال افسوس ہے

۸۴

تحدویر کھینچی اُس کے رُخِ سرخِ فام کی  
اک صفحے میں قلم نے 'گلستاں' تمام کی  
اللہ رے تکلفِ ساقی بہار میں  
میر کی گلابیاں ہیں مرصع کے کام کی  
ناساز ہے یہ انجمنِ دہر کی ہوا  
'مطرب' نے راہ بھولی ہے اپنے مقام کی  
کیا اپنی انجمن میں صبا کو میں راہ دوں  
گلیوں میں بسوئے خلوتِ خاص اس نے عام کی  
خَطِ سیہ ہوا رُخِ 'پُر نور' رشکِ باغ  
صبحِ بہار سبزۂ نورس نے شام کی  
اصلاح لینے آتے ہیں رنگیں خیال لوگ  
خدمت ہے اس چمن میں مجھے انتظام کی  
اس پر چلیں گے مثلِ قلم پائے خوش خطاں  
'نُربت' ہماری تختی ہے مشقِ خرام کی  
سر ٹوٹے محتسب کا جو اس سے کدے میں آنے  
جامِ آبِی ، صراحی ہے سنکِ رخام کی

بُلبُلِ قفس میں عرش کے اوپر دماغ ہے  
 حالت وہی ہے نکمتِ گل سے مشام کی  
 صورت پذیر ہو حرکت بے خبر کی کیا  
 پتلا بنا سکے نہ . . . . . احتلام کی  
 حجت ہے ہر مذہبِ عشق ایک ایک داغ  
 سینہ مرا کتاب ہے علمِ کلام کی  
 اللہ رے پھوڑکنا اسیرانِ تازہ کا  
 صیادِ خیر مانتا ہے اپنے دام کی  
 نظارہ کر لے قُلمِ حُسن و جمال کا  
 مثلِ حباب ہے تجھے فرصتِ قیام کی  
 استادہ دیکھتا ہوں گلستان میں سرو کو  
 آزادی پر بھی خوں نہیں بدلی غلام کی  
 ملتا ہوں متصل کفِ افسوس روز و شب  
 حسرت ہے میرے ہاتھ کو کس کے سلام کی  
 مضمون کا چور ہوتا ہے رسوا جہان میں  
 چکھی خراب کرتی ہے مالِ حرام کی  
 آتشِ کمال مہدیؑ دیس کا ہے اشتیاق  
 آنکھوں کو آرزو ہے ظہورِ امام کی

۸۵

'فرقت کی شب میں گرمیِ روزِ قیام کی  
 'مردوں کی نیند نالوں نے میرے حرام کی

۱۔ ایک لفظ پر بنائے کثافت حذف کر دیا گیا۔

۲۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۹۲، نول کشور قدیم ص ۱۷۷، جدید

گزرا مجاز سے تو حقیقت کھلی مجھے  
 قرآن کا سامنا تھا جو ابجد تمام کی  
 'سرخسی' پاں ہو لعل مسی زبیر بار پر  
 پھولی شفق دیارِ بدخشاں کی شام کی  
 گہر سے خدا کے ملتے ہیں مضمون مجھے بلند  
 فکرِ رسا کمند ہے کعبے کے بام کی  
 اچھٹا نہیں ہے صورتِ عاشق سے بھاگنا  
 صاحبِ سمجھ لیں یہ حرکت' ہے غلام کی  
 'بلبل' موا پھڑک کے تو کیا دے گا خوں بہا  
 خالی ہر اک گرہ نظر آتی ہے دام کی  
 پہنچا وہ عرش پر جو درِ دل تلک گیا  
 رفعت ہے آستانے میں اس گھر کے بام کی  
 پیش از سوال دون میں نکیرین کا جواب  
 ہے التجا زباں سے مجھے اتنے کام کی  
 باغِ جہاں میں 'گل' کی قناعت ہے جائے رشک  
 عمرِ دو روزہ ایک قبا میں تمام کی  
 غلام و حور ہیں مری خدمت کو خلد میں  
 پروا نہیں جہاں میں کنیز و غلام کی  
 پہچانا حق کو چاردہ' معصوم کے طفیل  
 زینے سے رہنمائی ہوئی مجھ کو بام کی

۱۔ کلیات طبع عالی بخش مطابق متن - نول کشور و لاہوری نسخوں میں :  
 "سمجھ لیں خود ہے یہ حرکت غلام کی"

۲۔ چاردہ معصوم : شیعوں کے عقیدے میں از اول تا آخر زندگی ہر قسم  
 کے گناہوں اور لغزشوں سے پاک ذاتیں یہ چودہ ہیں : حضرت جناب  
 (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

بیمارِ عشق ہوں مجھے عیسیٰ جواب دے  
 کالوں کو آرزو ہے اجل کے پیام کی  
 موئے سیاہ ہو گئے دو روز میں سفید  
 ثابت تھی پختگی ہمیں اس رنگِ خام کی  
 صرف لنگیں ہے لعلِ زمرہ بھی روز و شب  
 حسرت نہیں عقیق ہی کو تیرے نام کی  
 پیدا نہ ہوگا دوسرا مجھ سا شرابِ خوار  
 مٹی خراب ہو گی مرے بعد جام کی  
 بیماریِ فراق سے ہے تلخ ہو گئی  
 شیرینی آب کی ، نمکینی طعام کی  
 اندیشہ بہار سے رنگِ خزاں ہے زرد  
 دہشت لگی ہوئی ہے اسے انتقام کی  
 آتشِ خدا کے واسطے موقوف فکرِ شعر  
 طاقت نہیں دماغ کو نظمِ کلام کی

۸۶

شبِ فرقت میں یارِ جانی کی  
 دردِ پہلو نے مہربانی کی  
 منہ دکھاؤ بہت دہسی تکرار  
 ”ارنی“ اور ”لن ترانی“ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، جنابِ فاطمہؑ زہرا سلام اللہ علیہا  
 اور بارہ امام علیہم السلام -

۱۔ کلیات علی بخش : ”ترے بعد جام کی“ غلط ہے ۔

۲۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۹۳ ، نولکشور قدیم ص ۱۷۸ ، جدید ص ۲۸۲ ۔

جس کو کہتے ہیں چودھویں کا چاند  
 تیری تصویر ہے جوانی کی  
 کمرِ یار ہو گئی غائب  
 سن کے دھوم اپنی ناتوانی کی  
 صورتِ حال ہر ہمارے مہر  
 داغ نے ، زخم نے نشانی کی  
 سیرِ نعمت سے دو جہاں کی کیا  
 دے کے شبم کو بوندِ ہانی کی  
 ہو گیا عشقِ حسن سے ناگاہ  
 پوچھتے کیا ہو ناگہانی کی  
 دلِ برشتہ ہوا جو مثلِ کباب  
 میں نے ترکوں کی میہانی کی  
 لبِ جاں بخش کے قریب وہ خط  
 شرح ہے متنِ زندگانی کی  
 گوشِ زد ہوتے ہی ہوں دشمن  
 نیند تیری ، مری کہانی کی  
 کینیچتے اس غزال کی صورت  
 چو کڑی بھولتی ہے مانی کی  
 مجھ کو بٹھلا کے یار سوتا ہے  
 عاشقی کی کہ پاسبانی کی ؟  
 وہ گیا شوقِ منزلِ مقصود  
 پائے خفتہ نے سرگرائی کی  
 مثلِ شبم ہوں صاف دل قانع  
 مجھ کو دریا ہے بوندِ ہانی کی



برق چمکی تو سرفراز کیا  
 ابر آیا تو مہربانی کی  
 راحت مرگ کو نہ ہوچہ آتش  
 نہ رہی قدر زندگانی کی

۸۷

’واقف ہوئی خزاں نہ ہماری بہار سے  
 بدلا نہ رنگِ نشے نے اپنے خار سے  
 بعد فنا وصال ہوا ہم کو یار سے  
 توڑا طلسم ہجر کو لوحِ مزار سے  
 بے روئے یار ’کل نظر آنے ہیں خار سے  
 صوتِ ہزار کم نہیں صوتِ خار سے  
 توڑوں وہ کل جو سرخ ہو روئے نگار سے  
 کالوں میں سرو کو جو بڑھے قدِ یار سے  
 ’سرمے کا چشمِ یار کی دل کشتہ ہو گیا  
 مارا پڑا میں زنگی اہلق سوار سے  
 چاہے وہ جس طرح سے کرے مرغِ دل اسیر  
 صیاد ’مطلع ہے کمینِ شکار سے  
 افسردہ دل وہ ہوں جو مری قبر پر ہو نصب  
 مانندِ خشتِ سنگ تہی ہو شرار سے  
 ’آس بے وفا کے چہرے سے تشبیہ ہی نہیں  
 بھاگیں گے ’دور‘ شمع و گل اپنے مزار سے

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۹۳، نول کشور قدیم ص ۱۷۸، جمید

ص ۲۸۳، بہارستان سخن ص ۲۲۰۔

۲۔ کلیات طبع علی بخش: ”بھاگیں گے زور شمع۔“

جولان میں ہے سمند یہ کس رشکِ ماہ کا  
 ہر ذرہ اک ستارہ ہے گرد و غبار سے  
 خاموش دیکھتا ہوں گل و سرو کی بہار  
 حیرت میں ہوں زمانے کے نقش و لگار سے  
 عشرت کدہ ہے تیغ سے قاتل کی قتل گاہ  
 زخموں کی 'بدھتی ملتی' ہے پھولوں کے ہار سے  
 کوچے میں تیرے کشتنیوں کا رہے ہجوم  
 خالی یہ صید گاہ نہ ہووے شکار سے  
 اوزوں سے کیجیے وعدہ دیدار حشر پر  
 مرنا نہیں قبول ہمیں انتظار سے  
 بعد فنا قبول نہیں ذکرِ لیک و بد  
 مٹ جائے پہلے نام ، نشانِ مزار سے  
 سمجھے تو رنج و راحت 'بلبل' ہے مدعا  
 اس مطلعِ دو لختِ خزان و بہار سے  
 خط دار عارضوں سے ہوں ناقص پسند خوش  
 رغبت نہیں مجھے 'مگر' داغ دار سے  
 بیہودہ 'خاک اڑانے سے کیا حاصل آے صبا !  
 ناوک فگن سوار ہو پیدا غبار سے  
 ممکن ہوا نہ خونِ شہیداں کو دست رس  
 نکلا نہ پائے یارِ حنا کے حصار سے  
 کشتے ہیں میری آس کی محبت سے مدعی  
 دو دم ہوئے جو ایک ہوئے ذوالفقار سے

۱ - علی بخش : "بدھی تلتی ہے"

۲ - کلیات طبع علی بخش میں یہ شعر "ممکن ہوا نہ خونِ شہیداں" کے بعد ہے -

رکھ دیں برہنہ گور میں اہلِ جہاں مجھے  
 دس گز کفن قبول نہیں روزگار سے  
 نیرنگِ روزگار سے آتشِ عجب نہیں  
 چھٹلا آتارے دزدِ حنا دستِ یار سے

۸۸

’بہار آئی ، چھکا ساقی شرابِ روح پرور سے  
 خزاں کا غم بھلا دے بادۂ گلگوں کے ساغر سے  
 صفائے قلب کو حاصل کیا میں نے مقدر سے  
 یہ آئینہ مرے ہاتھ آ گیا بختِ سکندر سے  
 نگاہِ ناز کا سائل ہوں خوبانِ ستم گر سے  
 قضا کے تیر کا مشتاق ہوں ترکوں کے لشکر سے  
 جدائی دل کو پیش آئی ہے کس پاکیزہ گوہر سے  
 قوی ہے رشتہ باریک اپنے جسمِ لاغر سے  
 کیا ہے عشق پیدا گردشِ چشمِ فسوں گر سے  
 یہ کیفیت ہمیں حاصل ہوئی ہے دورِ ساغر سے  
 نہ خط لے جائے مرا تا کوئی پھر جان کے ڈر سے  
 جوابِ نامہ لکھا یار نے خونِ کبوتر سے  
 نکھے ہیں سیکڑوں یک لخت مضمون لبِ شیریں  
 گلوے خامہ کو بھر بھر دیا ہے میں نے شکر سے  
 کمالِ عشق حسنِ گل سے بلبل کو ہوا حاصل  
 صبا دو پھول آڑا لائی تھی اک دن تیرے بستر سے

شگفتہ خاطرِ افسردہ کیے 'خالوں کے بوسے نے  
 دلِ بیمار کو صحتِ ہوئی معجونِ عنبر سے  
 پھنسا یا چاہتا ہے باغباں 'بلبل کو پھندے میں  
 کمر بندھوائی ہے صیاد کی پھولوں کی چادر سے  
 صفِ مژگاں کی جنبش نے غبارِ خط کیا پیدا  
 نمودِ گرد کی بنیاد ہے تحریکِ لشکر سے  
 کسی دیوار کے سایے کا عالم یاد آوے گا  
 قیامت ہوگی ہم پر گرمیِ خورشیدِ محشر سے  
 خریدار اک نہیں اُس کا، ہزاروں اُس کے گاہک ہیں  
 دلِ وحشی مرا بے قدر ہے جنگلی کبوتر سے  
 ملے گا وہ پری رو مجھ کو میں دیوانہ ہوں جس کا  
 شکر خوروں کو رزقِ اللہ پہنچاتا ہے شکر سے  
 جفاے 'حسن کا جس کو گم ہے سخت ناداں ہے  
 نہیں خالی کوئی شمشیرِ خوں ریزی کے جوہر سے  
 قفس میں بھی بہارِ باغ سے حاصلِ حضوری ہے  
 چمن کی سیر کر لیتا ہوں میں دل کے صنوبر سے  
 خیالِ سینہ کب آتا ہے دل کو کعبہءِ رو میں  
 پورا ہے کون جا کر آج تک اللہ کے گھر سے  
 عداوت بے شعوروں کی ضرر پہنچا نہیں سکتی  
 ہوا کس روز دیوانہ کوئی لڑکوں کے پتھر سے

۱۔ مطبوعہ نسخوں میں مصرع کی صورت مطابق متن ہے۔ بظاہر مصرع یوں ہوگا :

”شگفتہ خاطرِ افسردہ کی خالوں کے بوسے نے“

۲۔ نسخہ نول کشور و لاہور میں ہے : ”شکر خورے کو رزق۔“



خدا نے حسن کا رتبہ کیا ہے عشق پر غائب  
جو آس کو باز سے ہے شوق تو مجھ کو کبوتر سے  
پہری زادوں کے کوچے میں ہوئے ہیں گرد آلودہ  
ہمارے پاؤں کو دھوویں گی 'حوریں آبِ کوثر سے  
ہوس بوسے کی خطِ پشت لب سے کوئی جاتی ہے  
کسی نے شہد کو چھوڑا نہیں زنبور کے ڈر سے  
قیامت کی دلِ مشتاق پر سیرِ گلستاں نے  
کوئی بوٹا سا قد یاد آ گیا مجھ کو صنوبر سے  
وہ ماتم دوست ہوں ، رویا کیا ہوں رات بھر آتش  
چراغِ گور اگر گل ہو گیا ہے بادلِ صرصر سے

۸۹

وہی چتون کی خوں خواری، جو آگے تھی سواب بھی ہے  
تری آنکھوں کی بیماری، جو آگے تھی سو اب بھی ہے  
وہی نشو و نمائے سبزہ ہے گورِ غریباں پر  
ہو اے چرخِ زنگاری، جو آگے تھی سو اب بھی ہے  
تعلق ہے وہی تاحال آن زلفوں کے سودے سے  
ملاس کی گرفتاری، جو آگے تھی سو اب بھی ہے

۱ - کلیات طبع اول میں ، پھر لکھنؤ اور لاہور کے نسخوں میں یہ مصرع  
یوں ہے :

”ہمارے پاؤں کو دھوویں گے آبِ حوضِ کوثر سے“

دوسرے ایڈیشن میں یعنی طبع علی بخش میں مصرع متن کے مطابق ہے -

۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۹۵ ، نولکشور قدیم ص ۱۸۰ ، جدید ص ۲۸۵ -



وہی سر کا پٹکنا ہے ، وہی رونا ہے دن بھر کا  
 وہی راتوں کی بیداری ، جو آگے تھی سو اب بھی ہے  
 رواجِ عشق کے آئیں وہی ہیں ، کشورِ دل میں  
 رہ و رسمِ وفا جاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے  
 وہی جی کا جلانا ہے ، پکانا ہے وہی دل کا  
 وہ آس کی گرم بازاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے  
 نیازِ خادمانہ ہے وہی فضلِ الہی سے  
 بتوں کی ناز برداری جو آگے تھی سو اب بھی ہے  
 فراقِ یار میں جس طرح سے مرتا تھا ، مرتا ہوں  
 وہ روحِ تن کی بیزاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے  
 وہی سوداے کاکل کا ہے عالم جو کہ سابق تھا  
 یہ شب بیمار پر بھاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے  
 جنوں کی گرم جوشی ہے وہی دیوانوں سے اپنے  
 وہی داغوں کی گل کاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے  
 وہی بازار گرمی ہے محبت کی بنورِ آتش  
 وہ یوسف کی خریداری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

## ۹۰

عارف ہے وہ جو 'حسن' کا جو یا جہاں میں ہے  
 باہر نہیں ہے یوسف اسی کارواں میں ہے  
 پیری میں شغلِ مے ہے جوانانہ روز و شب  
 بوے بہار آتی ہماری خزاں میں ہے

ہوتا ہے گل کے سونگھے سے 'دونا گرفتہ دل  
 مجھ سا بھی بد دماغ کم اس بوستاں میں ہے  
 پشت خمیدہ دیکھ کے ہوتا ہوں نعرہ زن  
 کرتا ہوں صرف تیر جو زور اُس کہاں میں ہے  
 دکھلا رہی ہے دل کی صفا دو جہاں کی سیر  
 کیا آئندہ لگا ہوا اپنے مکان میں ہے  
 دیوانہ جو نہ عشق سے ہو، آدمی نہیں  
 'حسنِ پری کا جلوہ طلسمِ جہاں میں ہے  
 پروانوں کی طرح ہے ہجومِ قدح کشاں  
 روشن چراغِ باد جو مغ کی دکان میں ہے  
 اُس دلربا کے کوچے میں آگے ہوا سے جائے  
 اتنی تو جان اب بھی تنِ ناتواں میں ہے  
 دنیا سے کوچ کرنا ہے اک روز رہروو!  
 بانگِ جرس سے شور بھی کارواں میں ہے  
 پڑھ سکتا سرنوشت کا مطلب کوئی نہیں  
 معلوم کچھ نہیں کہ یہ خط کس زباں میں ہے  
 آئندہ و روندہ کی چلتی ہیں ٹھوکریں  
 جادہ جو اپنا تھا اُسی خوابِ گراں میں ہے  
 کشتے ہیں باغ میں بھی تری تیغِ ناز کے  
 بوئے شہید لالہ میں اور ارغواں میں ہے  
 عاشق کے رنگِ زرد کو دیکھو تو ہنس پڑو  
 تاثیر اس میں ہے وہی جو زعفران میں ہے  
 معدوم وہ کمر ہے، نہ سوہوم وہ دہن  
 کہتے ہیں شاعران کے جو کچھ کچھ گان میں ہے



گل ٹوٹتے ہیں ، ہوتے ہیں بلبل اسیرِ دام  
 صیاد مستعد مددِ باغیاں میں ہے  
 سرکش کی منزلت ہے سبک پیشِ خاکسار  
 وہ تمکنت زمیں کی کہاں آسماں میں ہے  
 سنبل سے حالِ گل ہوں میں یہ کہہ کے پوچھتا  
 کس سلسلے میں تو ہے یہ کس خاندان میں ہے  
 دل میں خیالِ گیسوے مشکیں ہے بد بلا  
 یہ مرغِ روح کے لیے سانپِ آشیاں میں ہے  
 حکمت سے ہے یہ خاک کا پتلا بنا ہوا  
 نور آنکھ میں ہے اس کے تو مغز استخوان میں ہے  
 آتش بلند پایہ ہے درگاہِ یار کی  
 ہفتم فلک کی رفعت اسی آستار میں ہے

## ۹۱

’طفلی میں بھی شادی متوحش رہی ہم سے  
 چھٹی نہ ملی جمعے کو بھی ہفتے کے غم سے  
 ہانہ آنا تعجب نہیں اُس رشکِ پری کا  
 چل جائے تو کیا داغِ جنوں کسم ہے درم سے  
 وہ گرم روِ بادیمہ عشقِ جنوں ہوں  
 جلتا ہے چراغِ آج مرے نقشِ قدم سے  
 دکھلاتے نہیں دانت ، وہ ہنس نہ ہیں دکھاتے  
 چشمک زنی برقِ غضب ابرِ کرم سے



ہو حسن کا عاشق جو مری طرح برہمن  
 زنتار کو دو تار ملیں زلفِ صنم سے  
 ہستی میں مری فکرِ رسا باندھ کے اکثر  
 مضمون کمر یار کے لاتی ہے عدم سے  
 آنکھوں کو رہے مدِ نظرِ مشترکِ دل  
 دلال خریدار لگا لاتے ہیں دم سے  
 کعبے میں بھی بت خانے کی شکلوں کو نہ بھولا  
 یاد آ گئی ابرو مجھے محرابِ حرم سے  
 وہ رشکِ پری ذکر جو کرتا ہے ہمارا  
 کہتی ہے صبا آ کے ملیاں کی قسم سے  
 گالی نہیں زیبا لبِ شیریں سے تمہارے  
 یہ شہد کرو تلخ نہ آمیزشِ کسم سے  
 میراثِ سمجھتا ہے جو فردوسِ بریں کو  
 فرزند وہ آدم کا ہے حوا کے شکم سے  
 اے چرخ نہیں زندے ہی بیداد سے نالاں  
 فریادی ہیں مردے بھی ترے ظلم و ستم سے  
 دیوانے کو اطفال نہ گھیرے رہیں کیوں کر  
 خالی کوئی لشکر نہیں دیکھا ہے علم سے  
 ہوتا ہے خطِ پشت لبِ یار سے ظاہر  
 کاتب کوئی بہتر نہیں یاقوتِ رقم سے  
 جاں بخشی بلبُل ہو، بہار آئے خزاں جائے  
 کانٹا ہوا ہے سوکھ کے گلزار کے غم سے  
 دیکھا ہے تماشائے جہاں آنکھوں سے برسوں  
 اٹھتی ہے بہت کیفیت اس ساغرِ جم سے

ایسا بھی کوئی دور ہو گردش سے فلک کی  
وہ لوگ زیادہ ہوں جو جھک جاتے ہیں کم سے  
برچھی سے سوا توڑ ہے اس مومے مڑہ میں  
ابرو کی کجی تیز ہے تلوار کے خم سے  
تاچند کرے گا رقم سوزِ دل آتش  
رکھ ہاتھ ، نکلتا ہے دھواں مغزِ قلم سے

## ۹۲

قاتلِ عاشق ہر اک اس ترک کا انداز ہے  
تیغ گویائی ، خموشی تیرے آواز ہے  
گرم جوشی محبت کا وہی انداز ہے  
داغِ دل سے ربط ہے ، سوزِ جگر سے ساز ہے  
خانہ صیاد کی ایسی ہوا ناساز ہے  
روح بلبل کی قفس سے مائل پرواز ہے  
مرد میدان وجد کرتے ہیں جو سنتے ہیں کبھی  
نے گلو اپنا ہے ، نالہ شیر کی آواز ہے  
سونگھنا گیسوے مشکیں کا کرے گا دم فنا  
کون سا سودا نہیں سر کے لیے ناساز ہے  
اڑتی پھرتی ہے ہماری خاک ہمراہ صبا  
لے پر و بالی میں بھی اپنی وہی پرواز ہے  
بادشاہِ وقت ہے دیوانہ تیرا اے پری !  
نالہ زنجیرِ نوبت خانے کی آواز ہے



صید گاہِ عشق سے مایوس پھرنے کا نہیں  
 عاشقِ تیرِ نگہ ہے ، مرغِ دل جاں باز ہے  
 صورتِ محبوب کو آنکھوں سے تو دیکھا نہیں  
 گوش نے البتہ پردے سے سنی آواز ہے  
 حسن نے خطِ غلامی لکھ دیا ہے یار کو  
 گل سے گالوں پر نہیں یہ سبزے کا آغاز ہے  
 آنکلیاں کانوں میں دیتے ہیں وہ میرے ذکر سے  
 کاٹنا اپنی زباں کو دانت سے غماز ہے  
 بے مٹے گل رنگ فصلِ گل میں کیفیت نہیں  
 سن کے پی جاوے جو تو اس کو تو اے دل راز ہے  
 لپٹے جاتے ہیں ہم آن سے ، ہم سے ہیں وہ بھاگتے  
 اس طرف سے ہے نیاز اور اس طرف سے ناز ہے  
 روئے روشن کم یدِ بیضائے موسیٰ سے نہیں  
 سامریِ وقت وہ چشمِ فسوں پرداز ہے  
 باندھتے ہیں شعر میں مضمونِ چشم و لب شریک  
 ایک مصرع ہے فسوں اپنا تو اک اعجاز ہے  
 محو رہتا ہوں میں یادِ حسنِ عالم گیر میں  
 ذکرِ سلاطین مجھ فقیرِ مست کا دمساز ہے  
 دل کو رکھ دیتے ہیں یہ کہہ کر کہاں داروں میں ہم  
 اس نشانے کو آڑا دے جو وہ تیر انداز ہے  
 رمز کی تقریر ہم سے پیش جانے کی نہیں  
 بات اپنی بھی کنایہ ہے جو اے طناز ہے  
 ڈھونڈھتا ہوں اک حسیں قاتل ، نظر آتا نہیں  
 صید گاہِ عشق میں قحطِ شکار انداز ہے

مرغِ دل عاشق کا چشمِ یار سے بچتا نہیں  
 تیز پر شاہیں سے بھی اُس کی نگہ کا باز ہے  
 فصلِ گل ہے ، شیشہ و پیمانہ کا ہے دور دور  
 خانقاہیں بند ہیں ، مے خانے کا در باز ہے  
 لعل سے لب ، دُر سے دندان کے ہے مضمون باندھتا  
 مردِ شاعر تو نہیں آتشِ مرصع ساز ہے

۹۳

آخر منِ عمر جلے تیرے لبِ خنداں سے  
 برق کا کام تبسم نے لیا دندان سے  
 زلف سے چھٹ کے نگہ السجھی رخِ جانان سے  
 لے گئی کعبے کو قسمت مجھے ہندوستان سے  
 الحذرِ گردشِ چشمِ سیہِ جانان سے  
 درہم اک خلق ہے برہم زدنِ مژگاں سے  
 روزِ مولود سے ہے اصل حقیقت کا خیال  
 بوے خوں آتی تھی دایہ کے مجھے پستیاں سے  
 مثلِ گل یار کو خنداں نہ کیا گریہ نے  
 تخمِ آسید نہ سرسبز ہوا باراں سے  
 حالتِ شمع حرارت سے بہم پہنچی ہے  
 سر کٹے پر نہ ہٹے پاؤں مرا سیدان سے  
 نیک طینت کو بدی کا نہیں منظور عوض  
 انتقام اپنا نہ یوسف نے لیا اخواں سے



وحشت آباد جہاں میں نہ کر آرام طلب  
 کب مسافر کو ملا چینِ دہِ ویراں سے  
 زمہریر اور جہنم ہے مجھے بے محبوب  
 استراحت ہے زمستان سے ، نہ تابستان سے  
 صحبتِ یار و رقیب آنکھوں میں پھر جاتی ہے  
 داغ ہوتا ہے مجھے لالہ و نافرماں سے  
 آخرِ کار جہاں سے ہو اگر آگاہی  
 صاحبِ خانہ نظر آنے لگے مہماں سے  
 پست فطرت کو نہ ہو رتبہٴ اعلیٰ حاصل  
 ایک تہ خانے کو دیکھا نہ بلند ایواں سے  
 امن چاہے تو نہ رکھ عالمِ اسباب سے کچھ  
 ہاتھ آتا ہے کفنِ دزد کو کیا عریاں سے  
 بے خبر کو ہو خبر شوق کی اپنے آتش  
 یار تک نامہ پہنچ جائے کسی عنوان سے

۹۲

خام کو شادی ہے ، غم پختہ کو ہے احساں سے  
 کشت کو نفع ہے ، خرمن کو ضررِ باراں سے  
 کرمِ حق سے ہوں ایمن ستمِ دوراں سے  
 پالے کا ڈر نہیں رہتا اثرِ باراں سے  
 آستیں ہوں وہ کہ مربوطِ گریباں سے نہیں  
 وہ گریباں ہوں جسے قرب نہیں داماں سے  
 تیغِ قاتل سے آڑا یوں سرِ شوریدہ مرا  
 جس طرح سے حرکت گوئے کو ہو چوگاں سے

خطِ نورس نے جگہ کی رخِ رشکِ گل پر  
 آشنا سبزہ بیگانہ ہوا بستان سے  
 عشق آنکھوں کو ترازو کے بنائے پلے  
 حسن انصاف طلب ہووے اگر میزاں سے  
 آماں سے ہے توقع کسے سرسبزی کی  
 ہوں وہ افتادہ زمیں جو نہ اٹھے دہقاں سے  
 رنج دنیا میں زیادہ ہے تو راحت کم ہے  
 وصل کا روز ہے کوتاہ شبِ ہجران سے  
 مجملہ آدمؑ کو فرشتوں نے کیا، خوب کیا  
 قدرت اللہ کی ظاہر ہوئی ہے انساں سے  
 شمعِ کافوری کی حاجت نہیں کچھ مدفن پر  
 دل منور ہے اگر روشنیِ ایماں سے  
 نالہ کش جب سے ترے حسن کو مطلوب ہوئے  
 عشقِ گل ترک ہوا بلبلِ خوش الحان سے  
 بختِ خفتہ کو جگا کر آسے نوکر رکھتوں  
 خواب کا روکنا ممکن ہو اگر درباں سے  
 کون سا لطف ترے روئے کتابی میں نہیں  
 رطب و یابس کوئی باہر نہیں ہے قرآن سے  
 شیر ہم اور نیستان ہے حصیر اے آتش!  
 سلسلہ فقر کا اپنے ہے شہِ مرداں سے

۹۵

کامِ آخر نہ ہوا اپنا صفِ مژگان سے  
 حسرتِ تیر لیے جاتے ہیں ترکستان سے



وصل کے بعد کھلا ہم کو غمِ ہجراں سے  
 یہیں ہوتی ہے مکافاتِ عملِ انساں سے  
 حیف ہے خاک کا پُتلا نہ کرے یادِ اُس کو  
 آفتِ اللہ کو کس مرتبہ ہے انساں سے  
 زخمِ خنداں سے تری تیغ کے کچھ فرق نہیں  
 عشقِ بلبل کا سبب ہے یہ گلِ خنداں سے  
 رگیں زنجیریں ہیں ، میں روح ہوں ، یہ قالب ہے  
 ملک الموت چھڑا دے گا مجھے زنداں سے  
 کعبہ و کدیر میں نافہمی سے پھرتا ہے خراب  
 دور سمجھا ہے جسے ، ہے وہ قریبِ انساں سے  
 قسمتِ مرغِ گرفتار کی اللہ رے بدی  
 دام کو دانے کا محتاج کیا دہقاں سے  
 بسکہ رکھتا ہے اُسے دوش پر اے قاتلِ تُو  
 مثلِ گردن ہے تری تیغِ خیم اس احساں سے  
 طرفہ گرمی مرے محبوبِ قباپوش نے کی  
 شمعِ کُشتہ کو فروزندہ کیا داماں سے  
 سائلِ صبر و سکونت ہوں خدا سے شب و روز  
 منصبِ فقر ہے مطلوب مجھے ساطاں سے  
 آتش و دود کا عالم نظر آیا بے یار  
 خفقاں مجھ کو ہوا لالہ و نافرماں سے  
 خشمگیں آنکھ دکھائی جسے وہ قتل ہوا  
 برچھیاں چل گئیں اے ترکِ تری مڑگاں سے  
 باغ میں زلف و خطِ یار ہے یاد آ جاتا  
 کبھی سنبل سے الجھتا ہوں ، کبھی ریمیاں سے

گردشِ بخت ہے یا گردشِ پرکارِ آتش  
پاؤں اٹھاتا نہیں اس دائرہِ دوراں سے

۹۶

اساغرِ صافِ مئے حُبِ علیؑ مشرب ہے  
مردِ مومن ہوں میں اثنا عشری مذہب ہے  
حسنِ انساں سے ہر اک شعر میں یاں مطلب ہے  
روحِ معنی ہے جو ہے بیتِ مری قالب ہے  
سروِ اولیٰ ہے مری آنکھوں میں ، گلِ انسب ہے  
جو کہ ہے خوب ہے ، اللہ کا عالم سب ہے  
آبلقِ یار کا پھرتا ہے خیالِ آنکھوں میں  
روزِ نقرہ جو بہارا ہے ، تو مُشکی شب ہے  
تو امیرِ اے بتِ سرکش ، تو یہ عاجز ہے فقیر  
حسنِ جاگیر تری ، عشقِ مرا منصب ہے  
مردِ میدان کی حرارت ہے شجاعت کی دلیل  
دائمی شیرِ نیستان کے لیے اک تب ہے  
کنجِ تنہائی میں آگے خفقاں ہوتا تھا  
اپنی پرچھائیں کی صورت سے بھی نفرت اب ہے  
وصل کی شب بھی وہ کافر نہیں عریاں ہوتا  
مثلِ گلِ پیرہنِ یار مگر قالب ہے  
عشق نے حسن کا دیوانہ کیا ہے مجھ کو  
زلفِ زنجیر ہے ، زنداں مجھے کنجِ لب ہے



ایک سے ایک کو پاتا ہوں میں یاں بالا دست  
 زیر لب ہے جو ذقن ، زیر ذقن غبغب ہے  
 حکمت حسن ہویدا ہے رخ دلبر سے  
 چاہِ نخب ہے ذقن ، چہرہ مہِ نخب ہے  
 ترکِ خوں خوار ہے یار ، اور ہے مسکین شاعر  
 تیغ مقصود اسے ، جوہر سے مجھے مطلب ہے  
 جلوۂ یار سے یاں سینہ ہوا ہے روشن  
 میں وہ ذرہ ہوں کہ خورشید مرا کوکب ہے  
 عشقِ کامل ہے سبب حسن سے یک رنگی کا  
 شمع و پروانہ کا جل جانے میں اک مذہب ہے  
 موزیوں کا بھی ہے یہ خاک کا پتلا موزی  
 زیرِ پاپوش سرِ مار و سرِ عقرب ہے  
 شہ سواروں کو گراتا ہے یہ پشتِ زین سے  
 کس قدر ابلقِ ایام برا مرکب ہے  
 حیف ہے سوزشِ دل کا نہ ہو اشکوں سے علاج  
 بیشتر ورنہ پسینے سے آترتی تب ہے  
 دوست ہو جائے ، جو دشمن مرے اشعار سنے  
 مدعا مہر و محبت سے وفا مطلب ہے  
 مرضِ عشق سے اک خلقِ خدا ہے رنجور  
 جلوۂ حسنِ جہاں سوز بھی فصلی تب ہے  
 کون سی شے ہے زمانے میں نہیں جو اس میں  
 سیر کر دل ہی میں دنیا کا تماشا سب ہے

۱ - کلیات طبع علی بخش : ”جہاں سوز بھی فصلِ تب ہے۔“ متن مطابق  
 نسخہ نول کشور و لاہور۔

حشر پر وعدہ دیدار نہ کر عاشق سے  
 کس کو معلوم ہے فرداے قیامت کب ہے  
 جسم کو جانتے ہیں صنعتِ دستِ قدرت  
 روح کو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ امرِ رب ہے  
 روئے انور سے مقدم ہے تری زلفِ سیاہ  
 عید کے روز سے اولِ رمضان کی شب ہے  
 مجھ کو لغزش نہ ہو ، ہرچند زمانہ ہل جائے  
 قطب تارہ جسے کہتے ہیں ، مرا کو کب ہے  
 روح کی طرح سے مہمان رہا کرتا ہوں  
 گھر کو اپنے یہ سمجھتا ہوں مرا قالب ہے  
 زور و قوت سے ڈراتا ہے یہ کس کو آتش  
 میں بھی شمشیرِ علی ہوں جو عدوِ مرحب ہے

۹۷

اے صنم ! جس نے تجھے چاند سی صورت دی ہے  
 اسی اللہ نے مجھ کو بھی محبت دی ہے  
 تیغ بے آب ہے ، نے بازوئے قاتل کمزور  
 کچھ گراں جانی ہے ، کچھ موت نے فرصت دی ہے  
 اس قدر کس لیے یہ جنگ و جدل اے گردوں !  
 نہ نشان مجھ کو دیا ہے ، نہ تو نوبت دی ہے  
 سانپ کے کاٹے کی لہریں ہیں شب و روز آتیں  
 کاکلِ یار کے سودے نے اذیت دی ہے



کوئی اکسیر غنی دل نہیں رکھتی ایسا  
 خاکساری نہیں دی ہے ، مجھے دولت دی ہے  
 آہ کا اپنے فتیلہ نہیں کس رات جلا  
 عملِ حب کی بہت ہم نے بھی دعوت دی ہے  
 جسم کو زیرِ زمیں بھی وہی پہنچا دے گا  
 روح کو جس نے فلک سیر کی طاقت دی ہے  
 فرقتِ یار میں رو رو کے بسر کرتا ہوں  
 زندگانی مجھے کیا دی ہے ، مصیبت دی ہے  
 یادِ محبوب فراموش نہ ہووے اے دل !  
 حسنِ نیت نے مجھے عشق سی نعمت دی ہے  
 گوش پیدا کیے سننے کو ترا ذکرِ جہاں  
 دیکھنے کو ترے آنکھوں میں بصارت دی ہے  
 لطفِ دل بستیِ عاشقِ شیدا کو نہ پوچھ  
 دو جہاں سے اس اسیری نے فراغت دی ہے  
 کمرِ یار کے مضمون کو باندھو آتش  
 زلفِ خوباں سی رسا تم کو طبیعت دی ہے

## ۹۸

انفسِ شقی بھی روح کے ہمراہ تن میں ہے  
 یوسفؑ کے ساتھ گرگ بھی اس پیرہن میں ہے  
 حجت جو ایک حور کے شیریں دہن میں ہے  
 شہدِ بہشت کا مزا اپنے سخن میں ہے

دیوانے تیرے دونوں ہوئے اے بہارِ حسن !  
 زندہ نہ پیرہن میر ، نہ مردہ کفن میں ہے  
 عاشق کو زہر دیجیے صاحب ! نہ پیس کر  
 الہاس ہے جو دانت تمھارے دہن میں ہے  
 کیا طفلِ اشک کو مری رسوائی کا ہو پاس  
 نوواردانِ گنبدِ چرخِ کہن میں ہے  
 سونگھے سے زلفِ یار کے سودے کا کیا عجب  
 عنبر میں ہے یہ بو ، نہ تو مشک ختن میں ہے  
 سرمہ لگا کے آنکھ وہ دکھلائیں تو کہاں  
 خوش چشمی کی یہ شاخ اگی جو ہرن میں ہے  
 خالی زمانے کو نہ سمجھ حسن و عشق سے  
 پروانہ اور شمع ہنوز انجمن میں ہے  
 زلفیں ہٹائیے رخِ روشن سے ، مہربان !  
 اختر شناس کہتے ہیں سورج گہن میں ہے  
 دکھلائے گا بہار کو حسن اپنا باغبان  
 آئینہ آبِ جو کا لگایا چمن میں ہے  
 دھوکا نہ دے سکے گی مجھے رنگِ یار کا  
 سرخی نہیں سفیدی اگر یاسمن میں ہے  
 حسن و جال کا ترے شہرہ ہے دور دور  
 آبِ حیات حسرتِ چاہِ ذقن میں ہے  
 ابرو ہر اک صنم کا ہے رشکِ ہلالِ عید  
 خوش وقتی ہے تو بت کدہ برہمن میں ہے



فرقت میں دل جلاتا ہے شوقِ وصالِ یار  
اک آگ سی لگی ہوئی آتشِ بدن میں ہے

۹۹

اتازہ ہو دماغِ اپنا ، تمنا ہے تو یہ ہے  
آسِ زلف کی بو سونگھیے ، سودا ہے تو یہ ہے  
قینچی نہیں چلوائی مرے نامے نے کس پر  
پروازِ کبوتر ہو جو عنقا ہے تو یہ ہے  
کچھ سرو کا رتبہ ہی نہیں قد سے ترے پست  
شمشاد و صنوبر سے بھی بالا ہے تو یہ ہے  
ملتا جو نہیں یار تو ہم بھی نہیں ملتے  
غیرت کا اب اپنی بھی تقاضا ہے تو یہ ہے  
اے نورِ نظر! معجزہ حسن سے تیرے  
اندھے بھی کہیں گے کہ مسیحا ہے تو یہ ہے  
محشر کو بھی دیدار کا پردہ نہ کرے یار  
عاشق کو جو اندیشہ فردا ہے تو یہ ہے  
بینا ہوں جو آنکھیں تو رخِ یار کو دیکھیں  
نظارے کے قابل جو تماشا ہے تو یہ ہے  
مضمون دہنِ یار کا کیا فکر سے نکلے  
لا حل جو معمتوں میں معمتا ہے تو یہ ہے  
گہ یادِ صنم دل میں ہے ، گہ یادِ الہی  
کعبہ ہے تو یہ ہے جو کلیسا ہے تو یہ ہے

معشوق و مے و خانہ خالی و شبِ ماہ  
 عاشق کے لیے حاصلِ دنیا ہے تو یہ ہے  
 دیوانے نہ کیوں کر غل و زنجیر پہنتے  
 سرکارِ جنوں کا جو سراپا ہے تو یہ ہے  
 دل کے لیے ہے عشق، تو دل عشق کی خاطر  
 مے ہے تو یہ ہے اور جو مینا ہے تو یہ ہے  
 دیوانہ قد کے کبھی نالوں کو تو سنیے  
 ہنگامہ محشر کا سا غوغا ہے تو یہ ہے  
 ثابت دہنِ یار دلیلوں سے کسرِ آتش  
 حجت کی جو شاعر کے لیے جا ہے تو یہ ہے

## ۱۰۰

ایذا میں روح ہے تنِ خانہ خراب سے  
 بائے سمند آجھا ہوا ہے رکاب سے  
 بے خود ہے یارِ دولتِ حسنِ شباب سے  
 سیج ہے زیادہ نشہ زر ہے شراب سے  
 افشانِ روئے یار وقوعِ محال ہے  
 ممکن وصالِ ذرہ نہ تھا آفتاب سے  
 جاتا ہے تو جو گورِ غریباں کی سیر کو  
 مردے نجات پاتے ہیں اپنے عذاب سے  
 مضمونِ لب خیالِ رخِ یار میں سلا  
 پیدا کیا ہے ہم نے یہ لعلِ آفتاب سے

نازک خیال اب بھی ہیں موجود اے فلک !  
 خالی رہا نہیں کبھی دریا حباب سے  
 کھاتا نہیں ہوں اُس کو میں کھاتا ہوں اپنا گوشت  
 دل ٹوٹتا ہے گریہ چشمِ کباب سے  
 برسائیں گی ہماری بھی آنکھیں لہو کا سینہ  
 بجلی گرائیے نہ نگاہِ عتاب سے  
 میرِ دروں سے کنہِ حقیقت کھلی مجھے  
 باہر نہیں کتاب کا مطلب کتاب سے  
 بیدار بخت ایسا میں دیوانہ ہوں ، جسے  
 پریاں اٹھا کے لے گئی ہیں فرشِ خواب سے  
 اُس سے ہرے درخت ہوں ، اُس سے شگفتہ گل  
 رتبے میں اپنی خاک برابر ہے آب سے  
 قاتل ! لہو کو دیکھ کے غش آئے گا تجھے  
 تلوار کھینچ ، منہ کو چھپا لے نقاب سے  
 کیا سرخ کر دیا مرے قاتل کا پیرہن  
 کچھ کم نہیں ہے خونِ شہیداں شہاب سے  
 نیرنگِ حسنِ یار کا دل میں خیال ہے  
 شیشہ بھرا ہے ہم نے شفق گوں شراب سے  
 نافرہمی اپنی کرتی ہے انسان کو ذلیل  
 مطعونِ خلقِ صوفی ہے حالِ خراب سے  
 آتش وہ گنجِ حسنِ ملے تجھ کو چاہیے  
 ظاہر یہ ہوتا ہے ترے حالِ خراب سے



'ظاہر ہوا ہمیں یہ تمہارے حجاب سے  
 یوسف چھپائے رکھتا تھا منہ کو نقاب سے  
 اپنا دماغ خشک بھی تر ہو شراب سے  
 طاؤس وجد کرتے ہیں ساقی سحاب سے  
 یوسف میں اور یار میں اتنا ہی فرق ہے  
 آس کو چھپایا ، اس کو نکالا نقاب سے  
 حیرت کی جا ہے خطِ رخِ آتشین سے  
 نکلا ہے شہرہ بگلِ آفتاب سے  
 اے شہ سوار ! پاؤں کا تیرے خیال ہے  
 آنکھوں نے حلقے وام لیے ہیں رکاب سے  
 آس بحر میں کھلاتی ہے غوطے مجھے قضا  
 ٹکرا کے پارہ پارہ ہو کشتی حباب سے  
 بے خود ہوئے نہ رند چڑھا کر زخم و سبو  
 چکر میں چرخ ہے قدحِ آفتاب سے  
 یاد آ گیا ہے بوسہ چشمِ سیاہ یار  
 وحشت ہوئی ہے مجھ کو ہرن کے کباب سے  
 گہاے زخم کے لیے خوش بو ضرور ہے  
 اے ترک ! اپنی تیغ کو بچھوا گلاب سے  
 دیوانے روزِ حشر کو پوچھے نہ جائیں گے  
 خارج ہے سرنوشت ہماری حساب سے



گرے سے اپنے اُس گلِ خنداں کو آیا رحم  
تسخیرِ قلب کرتے ہیں ہم نقشِ آب سے  
ہووے اگر حقیقتِ آدم سے مطاع  
شیطان ہو منفعلِ عملِ ناصواب سے  
کہتے ہیں ہاتھ دیکھ کے اُس بت کا برہمن  
تم عاشقوں کو قتل کرو گے حجاب سے  
عمرِ دو روزہ ہو گئی اک حال پر بسر  
خالی رہا زمانہ مرا انقلاب سے  
باتوں میں بند ہو گیا غمازِ پوچ گو  
ٹیڑھے سوال رد ہوئے سیدھے جواب سے  
روتا ہے وہ تو ہنستی ہے یہ اُس کے حال پر  
نفرت ہے مجھ کو صحبتِ برق و سحاب سے  
آتش کو چن کے قتل کیا اس نے اس لیے  
ہوتی ہے قدرِ شعر بلند انتخاب سے

## ۱۰۲

اکوئی اچھا نہیں ہوتا ہے بری چالوں سے  
لبِ بام آ کے کھڑے ہو نہ کھلے بالوں سے  
روز و شب کس لیے رہتا ہوں انہی لے تاب  
نہ تو گوروں سے محبت ، نہ مجھے کانوں سے  
جوشِ وحشت میں جو جنگل کی طرف جا نکلا  
تپ چڑھی شیرِ نیستان کو مرے نالوں سے

کوئی کچھ عشق کا کرتا ہے بیاں ، کوئی کچھ  
 تنگ آیا ہوں میں اس قضیے کے دلالوں سے  
 بیشتر صبحِ شب وصل سے ہم گزریں گے  
 زورِ ادباز چلے گا نہ خوش اقبالوں سے  
 مست ہاتھی ہے تری چشمِ سیہ مست اے یار !  
 صفِ مژگاں آسے گھیرے ہوئے ہے بھالوں سے  
 روئے خوباں سے ملے گا ہمیں بوسہ کہ نہیں  
 حال ان شکلوں کا کچھ پوچھیں رسالوں سے  
 عارضی حسن سے نفرت یہ ہوئی ہے دل کو  
 رتبہ زلفوں کو نہیں مکرئیوں کے جالوں سے  
 خطِ شب گوں نے نکل کر عبث اندھیر کیا  
 کافرستان تو وہ رخ آگے ہی تھا خالوں سے  
 دو جہاں حشر کے دن ہوویں گے باہم موجود  
 متفق ہوں گے ادھر والے ادھر والوں سے  
 دل حسینوں کے تصور سے بنایا خالی  
 آئنے خانوں میں کثرت رہی تمثالوں سے  
 کچھ تو ہلکا کریں خارِ رہِ صحراے جنوں  
 بوجھ لنگر کا ہوئے ہیں کفِ پا چھالوں سے  
 آن کے بوسوں کی تمنّا ہے لبوں کو آتش  
 آئنے کسبِ صفا کرتے ہیں جن گالوں سے

۱۰۳

آتار ، آتارنا ساقی جو شیشہ طاق سے ہے  
 لبوں پر آئی مری جان اشتیاق سے ہے

جواب دوں ترے نالے کا کیا میں اے بلبلی !  
 کراہنا مجھے تکلیف ہاے شاق سے ہے  
 نہ سوؤ ساتھ مرے رکھ کے درمیاں شمشیر  
 یہ اتّفاق بھی کچھ کم نہیں نفاق سے ہے  
 مقامِ شکر ہے ایذا جو دردِ عشق سے ہو  
 غنیمت اُس کو سمجھ حسنِ اتّفاق سے ہے  
 ہمارے دل کو جلاتا ہے شمع کا جلنا  
 مشابہت بہت اس کو کسی کی ساق سے ہے  
 یہ وہ بلا نہیں بے جان کے لیے جو ٹلے  
 یقین صبح کا کس کو شبِ فراق سے ہے  
 جمالِ چہرہ خورشید بھی ہے کیا نعمت  
 کروڑوں ذرہ ہوا سیر اک طباق سے ہے  
 نظارے کے لیے ہے قحطِ حسنِ نوخیزاں  
 کمالِ تنگ دل اب اس کہن رواق سے ہے  
 نہ بیٹھ پھول کے تو شاخِ گل پر اے بلبلی !  
 خرابی ہی خس و آتش کے اتّفاق سے ہے  
 خدا کے واسطے کشتیِ مے کو لا ساقی !  
 تباہ حال بہت آتش اشتیاق سے ہے

۱۰۴

'خواباں ترے ہر رنگ میں اے یار! ہمیں تھے  
 یوسف تھا اگر 'تو' ، تو خریدار ہمیں تھے



بیداد کے ، محفل میں ، سزاوار ہمیں تھے  
 تقصیر کسی کی ہو ، گندگار ہمیں تھے  
 وعدہ تھا ہمیں سے لبِ بام آنے کا ہونا  
 سایے کی طرح سے پسِ دیوار ہمیں تھے  
 کنگھی تری زلفوں کی ہمیں پر تھی مقرر  
 آئینہ دکھاتے تجھے ہر بار ہمیں تھے  
 نعمت تھی ترے حسن کی حصّے میں ہمارے  
 تُو کانِ ملاحِ تھا ، خریدار ہمیں تھے  
 سودا زدہ زلفوں کا نہ تھا اپنے سوا ایک  
 آزاد دو عالم تھا ، گرفتار ہمیں تھے  
 تُو اور ہم اے دوست ! تھے یک جان دو قالب  
 تھا غیر ، سوا اپنے جو تھا ، یار ہمیں تھے  
 بیمارِ محبت تھا سوا اپنے نہ کوئی  
 اک مستحقِ شربت دیدار ہمیں تھے  
 بے اپنے بھلتی تھی طبیعت نہ کسی سے  
 دل سوز ہمیں تھے ترے ، غمِ خوار ہمیں تھے  
 اک جنبشِ مژگن سے غش آتا تھا ہمیں کو  
 دو نرگسِ بیمار کے بیمار ہمیں تھے  
 جب چاہتے تھے لیتے تھے آغوش میں تم کو  
 مجبور سے رہ جاتے تھے ، مختار ہمیں تھے  
 ہم ما نہ کوئی چاہنے والا تھا تمہارا  
 مرتے تھے ہمیں ، جان سے بیزار ہمیں تھے  
 بدنام محبت نے تری ہم کو کیا تھا  
 رسوائے سرِ کوچہ و بازار ہمیں تھے

دل ٹھوکریں کھاتا تھا نہ ہر گام کسی کا  
اک خاک میں ملتے دمِ رفتار ہمیں تھے  
بھڑکانے سے آتش کو جلانے لگے ، یا تو  
الطاف و عنایت کے سزاوار ہمیں تھے

## ۱۰۵

گنگ ایمائے لبِ یار سے گویا ہووے  
آنکھیں تلووں سے ملے کور تو بینا ہووے  
حبذا یار کا در ، بابِ سعادت کہیے  
زبے دیوار ، ہما سائے سے پیدا ہووے  
چھپ سکی بادِ سحر سے نہ تری زلف کی بو  
مشک کا چور یقین ہے یہ کہ رسوا ہووے  
یار نے پردہ کیا ہم سے ، بہت خوب کیا  
حسن ہے وہ بھی کوئی جو کہ تماشا ہووے  
آس بیاباں میں پیادہ مجھے لائی ہے قضا  
شہ سواروں کی جہاں گرد نہ پیدا ہووے  
ناف پر تیری ہو کیوں کر نہ نگاہوں کا ہجوم  
ہالہ بے ماہ جو ہو جاوے تماشا ہووے  
دل نہیں داغ ہے ، جس میں نہیں کیفیتِ عشق  
جسمِ بے روح ہے ، بے بادہ جو مینا ہووے  
آبرو چاہے اگر معرکہٴ الفت میں  
کود پڑ اس میں ، کنواں ہووے کہ دریا ہووے



روز و شب چرخ ہنڈولے کی طرح پھرتا ہے  
 کس طرح سے نہ زمانہ نہ و بالا ہووے  
 حشر کا روز گذر جائے، ملے حور و بہشت  
 وہ بھی دن ہو کہ نہ اندیشہ فردا ہووے  
 نفرت آنے میں جو کی تھی، عوض اس کا یہ سمجھ  
 روح کو جسم کے چھٹنے میں جو ایذا ہووے  
 میری تکبیر کی آواز جو راہب سن پائے  
 دردِ سرِ نالہٗ ناقوسِ کلیسا ہووے  
 روشنی سے مجھے اس کی یہ یقین ہوتا ہے  
 پنج شاخہ ترے در کا یدِ بیضا ہووے  
 دل کو خوش رکھتی ہے نافہمیِ کم عمر آتش  
 کوئی دیوانہ ہو، لڑکوں کو تماشا ہووے

## ۱۰۶

سر کاٹ کے کر دیجیے قاتل کے حوالے  
 بے مت مری کہتی ہے کہ احسانِ بَلا لے  
 ہر قطرہٗ خوں سوزِ دروں سے ہے اک اخگر  
 جنلاد کی تلوار میں پڑ جائیں گے چہالے  
 یوں دیتے ہیں وہ عاشقِ بے صبر کو بوسہ  
 جیسے کوئی صدقہ کرے بھوکے کے حوالے  
 شمشیر پھر اے ترک! نہیں تیغ یہ تیری  
 سیفی ہے مرے سر کی بلا کو جو یہ ٹالے  
 نادان نہ ہو، عقل عطا کی ہے خدا نے  
 یوسفؑ کی طرح تم کو کوئی بیچ نہ ڈالے

نقّاشِ ازل نے تری تصویر میں رکھتے  
اندازِ رُخ و زلف زمانے سے نرالی  
ہستی کی اسیری سے ، شرر سے ہیں سوا تنگ  
'چھوٹے تو ادھر پھر کے نہیں دیکھنے والے  
سالک کو یہی جادے سے آواز ہے آتی  
ہامال جو ہو ، راہ وہ منزل کی نکالے  
کچھ اور لب یار کی تعریف کروں کیا  
وہ لعل کہ دیکھے سے پڑیں جان کے لالے  
گردِ رخِ زیبا رہیں کیوں کر نہ وہ زلفیں  
دو سائب حفاظت کو ہیں اک گنج کے پالے  
صیّاد چمن ہی میں کرے مرغِ چمن ذبح  
لسریرِ لہو سے بھی درختوں کے ہوں تھالے  
پیغامِ اجل ہوتے ہیں اس عشق کے صدمے  
پالا نفسِ سرد سے اللہ نہ ڈالے  
دشمن سے سمجھتے ہیں ہم آس دوست کو بدتر  
مشتاق کو منہ اپنا دکھا کر جو چھپا لے  
مضمون ہے تو شمعِ رخِ یار کا آتش  
شاعر ہے اسے فکر کے سانچے میں جو ڈھالے

۱۰۷

'آبلے پاؤں کے کیا 'تو نے ہمارے توڑے  
خارِ صحراے جنوں ! عرش کے تارے توڑے  
ذقن و رُخ میں نہ جا بوسوں سے باقی رکھتی  
ثمر و گل چمنِ حسن کے سارے توڑے



سلسلہ اپنی گرفتاری کا کب قطع ہوا  
 پنی بازیب آنہوں نے جو آثارے توڑے  
 مست مجھ سا بھی کوئی نشے کا ہوگا نہ حریص  
 پی کے مے ، جام کے دانتوں سے کنارے توڑے  
 شربتِ وصل ہے تنقیہ کی خاطر موجود  
 تپِ ہجر آ کے بدن کو نہ ہمارے توڑے  
 ختم دزدیدہ نگہ پر ہے تری طراری  
 دل نہیں توڑے ، احبا کے پٹارے توڑے  
 آ گیا وہ شجرِ حسن نظر جب ہم کو  
 بوسے لے کر لبِ شیریں کے چھوارے توڑے  
 عشق بے درد سے کرنے کو کہا تھا کس نے  
 سر کو ٹکرا کے نہ دل درد کے مارے توڑے  
 کنجِ عزلت میں بٹھایا ہے خدا نے آتش  
 اب جو تم یاں سے ہلے پاؤں تمہارے توڑے

۱۰۸

'پاتا ہوں مہر و مہ کو تہی عدل و داد سے  
 خالی یہ کعبتین' ہے نقشِ مراد سے  
 سودا ہے سر کو زلفِ گرہ گیرِ یار کا  
 دل بستگی ہے کافرِ خوش اعتقاد سے  
 زندہ نہ چھوڑے گی نگہِ خشمگینِ یار  
 نیکی کی چشم داشت نہیں بد نہاد سے

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۰۴ ، نول کشور قدیم ص ۱۸۸ ، جدید۔

ص ۲۹۸ -

۲ - کعبتین : دو پانسے -



پار آتیں خاک بحرِ محبت کی کشتیاں  
 طوفانِ نوح رہتا ہے بادِ مراد سے  
 شہرہ تمہارے حسن کا پہنچا ہے دور دور  
 مکتوبِ شوق آتے ہیں کس کس بلاد سے  
 زور آوری پر اپنے نہ سرکش کریں غرور  
 عاجز نہیں خدا کا غضبِ قومِ عباد سے  
 مر کر ملائی سرکشیِ نفسِ خاک میں  
 کی جان کھو کے ہم نے فراغتِ جہاد سے  
 عاشق کے حال سے نہیں معشوق بے خبر  
 بندے کو بھولتا نہیں اللہ یاد سے  
 دیوانہ ہو نہ دیکھ کے دل حسنِ عارضی  
 اچھا نہیں ہے سابقہ بے اعتہاد سے  
 اللہ سے مرادِ دلی کا ہوں ملتجی  
 سائل ہوں میں فقیرِ کریم و جواد سے  
 جو کچھ کہ ہوں میں خوب اسے جانتا ہے دوست  
 دشمن ہزار بد کہے میرے عناد سے  
 بے درد و درد مند کا احوال کھل گیا  
 بیمار تندرست سے ، ناشاد شاد سے  
 ہنگامہ حسن و عشق کا یونہی رہے گا گرم  
 فتنے نہ باز آئیں گے شر و فساد سے  
 مالوف یار مجھ سے ، میں شیدائے یار ہوں  
 مشتاقِ ہم دگر ہیں دو دل اتحاد سے  
 خونِ جگر سے پرورشِ شعرِ ہم نے کی  
 فرزند کا سلوک کیا خانہ زاد سے

دشمن جو ہو حسین علیہ السلام کا  
آتش نہ کم سمجھ آسے ابنِ زیاد سے

۱۰۹

ایہ کس رشکِ مسیحا کا مکان ہے  
زمین جس کی چہارم آسمان ہے  
خدا پنہاں ہے ، عالم آشکارا  
نہاں ہے گنج ، ویرانہ عیاں ہے  
دل روشن ہے روشن گر کی منزل  
یہ آئینہ سکنار کا مکان ہے  
تکلف سے بری ہے حسنِ ذاتی  
قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے  
پسینجے گا کبھی تو دل کسی کا  
ہمیشہ اپنی آہوں کا دھواں ہے  
برنگِ بو ہوں گلشن میں میں بلبل  
بغل غنچے کی میرا اشیاں ہے  
شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ  
قناعت بھی بہارِ بے خزاں ہے  
چمن کی سیر پر بوٹا ہے جھکڑا  
کمر میری ہے ، دستِ باغباں ہے  
بہت آتا ہے یاد اے صبرِ مسکین  
خدا خوش رکھتے تجھ کو تو جہاں ہے

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۰۵ ، نولکشور قدیم ص ۱۸۹ ، جدید

ص ۲۹۹ ، بہارستانِ سخن ص ۲۰۶ -

۲۔ نولکشوری نسخوں میں ہے : ”زمین یاں کی چہارم آسمان ہے۔“



الہی ! ایک دل کس کس کو دوں میں  
 ہزاروں بت ہیں یاں ہندوستان ہے  
 یقین ہوتا ہے خوشبوئی سے آس کی  
 کسی گل رو کا غنچہ عطرداں ہے  
 وطن میں اپنے اہل شوق کی طرح  
 سفر میں روز و شب ریگ رواں ہے  
 سحر ہووے کہیں شبنم کرے کوچ  
 گل و بلبل کے دریا درمیاں ہے  
 سعادت مند قسمت پر ہیں شاکر  
 ہما کو مغز بادام استخواں ہے  
 دل بے تاب جو اس میں گرے ہیں  
 ذقن جانان کا پارے کا کنواں ہے  
 جرس کے ساتھ دل رہتے ہیں نالاں  
 مرے یوسف کا عاشق کارواں ہے  
 نہ کہہ رندوں کو حرف سخت واعظ !  
 درشت اہل جہنم کی زباں ہے  
 قد محبوب کو شاعر کہیں سرو  
 قیامت کا یہ اے آتش ! نشان ہے

۱۱۰

آتشِ نالہ بلبل سے دھواں ہوتا ہے  
 سیرِ گلزار سے مجھ کو خفقاں ہوتا ہے

- ۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۰۵ ، نولکشور قدیم ص ۱۸۹ ، جدید ص ۳۰۰ -
- ۲ - کلیات طبع علی بخش : ”مجھ کو خفقاں ہوتا ہے۔“



رُوئے گل کو رخِ رنگیں سے ترے کیا نسبت  
 قد صنوبر کا یہ بُوٹا سا کہاں ہوتا ہے  
 ظاہری بازی ایام ہے باطن سے خلاف  
 دانہ ہوتا ہے عیاں ، دام جہاں ہوتا ہے  
 وعدہ شب نہ کر اے مہر لقا ، جھوٹ نہ بول  
 جلوہ گر رات کو خورشید کہاں ہوتا ہے  
 باتیں کرتا ہوں نگاہوں میں پری زادوں سے  
 دیدہ شوق سے یاں کارِ زباں ہوتا ہے  
 ابروئے یار سے قنوت ہے مژہ کو ساری  
 تیر کے واسطے سب زور کہاں ہوتا ہے  
 فرشِ گل پر وہ نزاکت سے نہیں سو سکتے  
 تنِ نازک میں رگِ گل کا نشان ہوتا ہے  
 حسن کو داغ لگا دے گی یہ سیرِ گلزار  
 آپ پر حورِ بہشتی کا گہاں ہوتا ہے  
 صورتِ کعبہ دکھاتے ہیں جو طاقِ ابرو  
 چاہِ زمزم وہ زرخداں کا کنواں ہوتا ہے  
 حسرت انجامِ جہانِ گزراں ہے غافل !  
 حسن رہتا نہیں گلزار خزاں ہوتا ہے  
 جذبہٴ دل سے آٹٹتا ہے نقابِ رخِ یار  
 پردہٴ غیب کا احوال عیاں ہوتا ہے  
 چشمِ تر عالمِ نیرنگ دکھاتی ہے مجھے  
 برجِ آبی مرے رہنے کا مکان ہوتا ہے  
 زیرِ دیوار جو ٹھہروں تو حسد سے میرے  
 سایہ سر پر سے دے پاؤں رواں ہوتا ہے

جائے نامرد نہیں بزم میں اپنے آتش  
مصرعِ تیغ کے مطلب کا بیاں ہوتا ہے

۱۱۱

لخدا محفوظ رکھتے دل کو اس افعیٰ کا کل سے  
نہیں ممکن سلامت چھوٹنا موذی کے چنگل سے  
شرابِ سرخ کا ساغر چلے ساقی لبِ جو پر  
چمن سرسبز ہے بارانِ رحمت کے تفضل سے  
اگر نام آوری مقصود ہے، نیکوں سے صحبت رکھ  
ہوا ہے شہرہٴ آفاق لفظ طیب سنبل سے  
کپری لاتی ہے صندل گھس کے مجھے دیوانے کی خاطر  
جو سر میں درد ہوتا ہے کبھی زنجیر کے غل سے  
اٹھائی آستیں جو چشمِ دریا بار سے اپنی  
بنے گرداب دورِ دامن اشکوں کے تسلسل سے  
چمن کی سیر سے نفرت ہمارے دل کو ہوتی ہے  
طبیعت کو خفا کرتی ہے صحبت خار کی گل سے  
خدا پر رکھ نظر طالب اگر ہے دین و دنیا کا  
یقین ہے دولتِ کونین حاصل ہو توکل سے  
ضرر پہنچاتی ہے معشوق کو بے تابیِ عاشق  
پھٹے ہیں پردہ ہائے گوشِ گل فریادِ بلبل سے  
اثر پیدا کیا گردش نے اس کے دورِ ساغر کا  
تری آنکھوں نے کیفیتِ اٹھائی ساغرِ مل سے



منغص کی طبیعت یار بن سامانِ عشرت نے  
 دماغ اپنا پریشان ہو گیا مینا کی قُقل سے  
 شبِ مہ میں جو دریا کے کنارے جا کے روتا ہوں  
 گزر جاتی ہے کشتی مار کر ٹھوکر سرِ پل سے  
 قیامت میں بھی کوئی حال کو آن کے نہ پوچھے گا  
 کیا ہے کشتہ تو نے جن کو شمشیرِ تغافل سے  
 نہایت مشتِ خاکِ آتش بے کس کو حسرت ہے  
 کسی دامنِ تلک پہنچے صبا تیرے توسل سے

## ۱۱۲

'بالائے بامِ خانہ وہ عالی جناب ہے  
 منزل سے اپنی جلوہ نما آفتاب ہے  
 دیکھے جو بے نقاب تجھے، کس کو تاب ہے  
 خورشید تیرے آگے گلِ آفتاب ہے  
 فصلِ بہار آئی ہے، دورِ شراب ہے  
 قاضی و محتسب کا کلیجہ کباب ہے  
 زیرِ زمین بھی چین کی صورت نہیں کوئی  
 آسودگانِ خاک کی مٹی خراب ہے  
 بیدار آج ہووے تو فرداے حشر کو  
 خواب اپنے بخت کا نہیں 'مردے کا خواب ہے  
 فصلِ بہار آ کے خزاں بارہا سوئی  
 انگور میں ہنوز ہمارے شراب ہے

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۰۶ ، نول کشور قدیم ص ۱۹۰ ، جدید  
 ص ۳۰۱ ، بہارستان سخن ص ۲۴۰ -

دیوانگانِ عشق گرفتارِ حال ہیں  
 تو اے پری! اسیرِ طلسمِ حجاب ہے  
 تصویرِ یار دیکھی ہے فرداے حشر کو  
 اتنا تو ہم کہیں گے دہن لا جواب ہے  
 شاعرِ پسندِ حسنِ پُر آشوب ہے ترا  
 دیوانِ روزگار کا تو انتخاب ہے  
 دوزخِ بہشت ہو اگر اس کو نہ چھوڑے  
 ہر پاٹ اپنے دامنِ تر کا سحاب ہے  
 بہلائیے شراب سے دل کو کوئی گھڑی  
 لہرا رہا ہے سبزہ ، رواں جوئے آب ہے  
 دریا میں ایک روز نہانے گیا تھا یار  
 آس دن سے اب تک آنکھوں میں جانِ حباب ہے  
 چندے میں پاک صحبتِ طاہر سے ہو نجس  
 سرکہ نمک سے چار گھڑی میں شراب ہے  
 بیداری سے زیادہ تڑپتا ہوں خواب میں  
 آسودگی میں برق کا یاں اضطراب ہے  
 خاطر نہ اس کی توڑیے جامِ شراب سے  
 مہمانِ چند روز یہ عہدِ شباب ہے  
 عاقل پر آشکار ہو صورت سے حالِ دل  
 چینِ جبینِ مردِ دلیلِ عتاب ہے  
 ساقی ملے گا باغ میں ، دیکھا ہے خواب میں  
 جنت ہے ، دستِ حور میں جامِ شراب ہے  
 ڈورا کھنچا ہے کون سے قاتل کی تیغ پر  
 گردن میں کچھ رگوں کو بہت پیچ و تاب ہے



ٹلتے نہیں ہیں سامنے سے اشک ایک دم  
آتش ہمارا تشنہ دیدار آب ہے

۱۱۳

تنگ دنیا کی خرابی میں ہوں نازک خو سے  
دردِ سر ہونے لگا فاختہ کی کُؤ کُؤ سے  
ماہِ نو دیکھ کے دیکھا کیے ہم صورتِ یار  
ہر مہینے میں ہوا عید کا چاند ابرو سے  
سیرِ گلشن میں ہوا یار برابر جو کھڑا  
مصرعِ سرو کیا بیت قد دلِ جسو سے  
شمع بے دود ہے یہ ، آئنے بے زنگ ہے وہ  
کم نہیں خوبی میں کچھ ساقِ صنم زانو سے  
حسنِ کافر کو کیا ہم نے مطیع الاسلام  
بوسہ خال لیا ، جزیہ لیا ہندو سے  
غسل کر لے یہیں ، دریا میں نہانے کو نہ جا  
مچھلیاں لپٹیں گی اے یار ! ترے بازو سے  
لبِ جاں بخش سے ہے چشمِ فسوں گر کا سوال  
زندہ اعجاز سے ہووے جو مرے جادو سے  
جس قدر ہووے دراز ، اس کو صنم ہونے دے  
منبلِ باغ کو بڑھ چلنے نہ دے گیسو سے  
نہیں معلوم آن آنکھوں کا ارادہ کیا ہے  
کچھ اشارے میں تو مژگاں نے کہا ابرو سے



زخمِ خنداں ہے بعینہ گلِ خنداں پر ایک  
 بوئے خوں آتی ہے اس باغ میں آبِ جو سے  
 صورتِ جام و سبو ہجر کی شب گھبرا کر  
 'خمِ گردوں کو میں توڑوں گا دمِ یاہو سے  
 سونگھ کر منہ کو ترے سونگھا تو بدتر نکلی  
 دہنِ غنچہ کی بو گندہ بغل کی بو سے  
 دیکھ کر چشمِ سیہ کو تری کہتے ہیں عرب  
 شترِ مست کو اندیشہ ہے اس آہو سے  
 حور بن کر مرے پاس آئیو اے عزرائیل !  
 مرد ہوں ، عشق میں رکھتا ہوں زنِ خوش رو سے  
 رحم کر واسطے اللہ کے ، خاموش آتش !  
 پردہ گوشِ جلے نالہ آتش خو سے

## ۱۱۲

اشہرۂ آفاق مجھ سا کون سا دیوانہ ہے  
 ہند میں میں ہوں ، پرستیاں میں مرا افسانہ ہے  
 صیدِ گاہِ مرغِ دل رُخسارۂ جانانہ ہے  
 دامِ زلفِ عنبریں ہے ، خالِ مشکیں دانہ ہے  
 حسن سے رتبہ ہے اپنے عشقِ کامل کا بلند  
 آمتانے پر پری ہے ، بام پر دیوانہ ہے  
 اس میں رہتا ہے صفائے روئے جانان کا خیال  
 دل نہیں پہلو میں اپنے آئنے کا خانہ ہے

بیچتا ہوں دل کو ، جو محبوب چاہے مول لے  
 بوسہ قیمت ہے ، توجہ کی نظر یعانہ ہے  
 پھوٹیں وہ آنکھیں نگاہِ کبد سے جو دیکھیں تجھے  
 آتشیں رخسارِ مجمر ، خال کالا دانہ ہے  
 روز و شب اس شمع رو کو بھیجتا ہوں خطِ شوق  
 ناسہ بر دن کو کبوتر ، رات کو پروانہ ہے  
 خار خارِ دل غنیمت جانتا ہوں عشق میں  
 زلفِ دودِ آہ کی آراستگی کا شانہ ہے  
 شرح لکھتا چاہیے اس کی بیاضِ صبح پر  
 مطلعِ خورشید بیتِ ابروے جانانہ ہے  
 حالتِ آئینہ رکھتا ہے صفا سے دل مرا  
 آشنا سے آشنا ، بیگانے سے بیگانہ ہے  
 قتل سے مجھ سخت جاں کے منکر اے قاتل ! نہ ہو  
 حجتِ قاطع تری تلوار کا دندانہ ہے  
 واسطے ہر شے کے دنیا میں مقرر ہے محل  
 شہر میں جب تک ہے مجنوں گنج بے ویرانہ ہے  
 باغِ عالم میں نہیں اس شوخ سا کوئی حسین  
 گل ہے اپنا یار ، یوسف سبزۂ بیگانہ ہے  
 اب نہیں اے یار ! جو بن کو ترے بیمِ زوال  
 خطِ مشکیں حسن کی جاگیر کا پروانہ ہے  
 حال ہے جس کا اسی کے واسطے ہے خوش نما  
 نقص ہے تلوار کا ، وصف ارہ کا دندانہ ہے

یار کھینچے تیغ تیرے قتل کرنے کے لیے  
سر جھکا آتش یہ جاے سجدہ شکرانہ ہے

## ۱۱۵

سائل نجات کا ہوں خدائے کریم سے  
رحمت بزرگتر ہے گناہِ عظیم سے  
آئی تھی کس کے منبلِ عنبر شمیم سے  
گلزار ہو رہے ہیں معطر نسیم سے  
حاضر ہے مرغِ دل جو درِ گوش یار لے  
اک مشتِ پر عزیز نہیں اس یتیم سے  
تو شاہِ حسن ، حسن ہے تیرا فقیر یار  
خطِ سیہ اشارہ سمجھ لے گلیم سے  
دل دادہ جب سے ہوں کہ مری جان آپ کی  
آواز آشنا نہ تھی گوشِ کلیم سے  
بیدار بخت ہوں میں وہ مومن ، مرے لیے  
آتی ہے حور خواب میں باغِ نعیم سے  
یاد آئی بوئے پیرہنِ یار باغ میں  
پہروں ہی بددماغ رہے ہم شمیم سے  
اللہ سے بھی آن کو زیادہ غرور ہے  
دو باتیں کیں نہ ایک صنم نے کلیم سے  
کشمیر و طوس لے گئے آ کر دوشالہ باف  
کچھ پشم جھڑ گئے تھے ہمارے گلیم سے



کھلوا یا بیڑا عیسیٰ سے ، کھائے جو اُس نے پان  
 بندھوائی مہندی پاؤں میں دستِ کلیم سے  
 خوش ہو نہ دیکھ کر قد و زلف و دہانِ یار  
 حرفِ الم عیاں ہے الف لام میم سے  
 پھندے میں عشق کے نہیں جن کا کہ دل پھنسا  
 نکلے گی جان آن کی عذابِ الیم سے  
 صیّاد نے بہار سے پہلے کیا حلال  
 شرمندہ بوے گل کے نہیں ہم نسیم سے  
 مر جاؤں پر نہ رازِ محبت ہو آشکار  
 واقف نہ ہو کوئی مرے حالِ سقیم سے  
 اب کی بہار میں تو مجھے پار اتار دے  
 کشتیٰ مے دو آبہٴ آمید و بیم سے  
 سائل ہیں آسماں سے لبِ زباں کے کون لوگ  
 گل کھانے کو تو آپھی نہ لیں ہم لئیم سے  
 دنیا کو تھوکتے نہیں دیوانگانِ عشق  
 یاں طوق ہے طلا سے ، نہ زنجیر سیم سے  
 اک مشتِ استخوان پہ نہ اتنا غرور کر  
 قبریں بھری ہوئی ہیں 'عظامِ رمیم' سے  
 بے قدر ہے سخن جو مسخنداں کوئی نہیں  
 قدر اس گمہر کی ہوتی ہے گوشِ فہیم سے  
 اللہ رے ہواے لبِ بامِ قصرِ یار  
 آڑ کر کبوتر آگے گیا ہے نسیم سے

داغِ غمِ فراق کی کرتا ہوں دل میں سیر  
 آنکھوں کو سینکتا ہوں میں نارِ جہیم سے  
 طفلی سے سامنا غم و اندوہ کا رہا  
 کیا کیا نہ حادثے ہوئے ہم پر قدیم سے  
 پھر گل شگفتہ ہوتے ہیں لیتے ہی انتقام  
 غافل نہیں بہار خزاں سے غنیم سے  
 شیشہ پری سے جان لے آتش بھرا ہوا  
 خالی سمجھ نہ 'خُم کو فلاطوں حکیم سے

## ۱۱۶

آج تک واقف نہیں کوئی ہمارے حال سے  
 سامنا آئینے کا ہے عالمِ تمثال سے  
 پھنس کے اس میں مرغِ جاں چھوٹا رگوں کے جال سے  
 اپنی دل جمعی ہوئی زلفِ پریشاں حال سے  
 سامنے سینہ نہ کر اے دل ! دہن کے خال سے  
 رکتی ہے بندوق کی گولی کہیں بھی ڈھال سے  
 نشہ سے کا اثر رکھتا ہے 'مطرب کا سماع  
 کچھ خبر رہتی نہیں صوفی کو اپنے حال سے  
 مطلبِ دیدار کے خاطر جو پھنکواؤں آسے  
 منہ چھپاویں سعد شکیں 'قرعہ' رسال سے  
 جب چنا ہے روئے 'نورانی پر افشاں یار نے  
 لڑ گیا ہے مطلعِ خورشید بیتِ الہال سے

افشرے کا بوسہ بازی میں مجھے ملتا ہے لطف  
 قند کی ڈلیاں وہ لب ہیں ، خال لب ہیں فالسے  
 باندھتا ہوں شعر میں مضمون طلائی رنگ کے  
 مرغِ زرین صید کرتا ہوں میں اپنے جال سے  
 کارِ اعلیٰ گو کرے ادنیٰ وہی بے قدر ہے  
 دیکھ لے قیمت میں کم ہوتا ہے کمل شال سے  
 ہاتھ مل کر رہ گیا صیاد ، آڑا کر لے گئی  
 دانہ قسمت ہوا میرے پروں کی جال سے  
 ناتواں ہرچند میں مجنوں ہوں ، آنے دے بہار  
 اے جنوں ! زنجیر توڑوں گا ترے اقبال سے  
 کس کو ہے فکرِ کفن پروانہٴ مردہ ہوں میں  
 شمع کُشتہ ہوں ، مجھے کیا کام ہے غسل سے  
 ماہِ رو کیونکر کہیں تجھ کو نہ ہم صاحبِ کمال  
 سینہٴ عارف نہ ہوگا صاف تیرے گل سے  
 دل الجھتا ہے نہایت ، دیکھیے ہوتا ہے کیا  
 زلفِ پیچاں کچھ اشارہ کر رہی ہے خال سے  
 حشر تک ہووے نہ وہ زلفِ سیاہ آتش سفید  
 دون جسے تشبیہ اپنے نامہٴ اعمال سے

۱۱۷

خیرامِ ناز میں ششمیرِ بٹراں کی روانی ہے  
 تری یہ پوش اے ترکِ ستم گر سیف خانی ہے

- کلیات طبع بخش "کس کو ہے فکر کفن و قبر وہ مردہ ہوں میں" -  
 - کلیات طبع علی - ص ۲۰۹ ، نول کشور قدیم ص ۱۹۳ ، جدید  
 ص ۳۰۵ -



ہر اک شعر اپنا معشوقوں کو پیغامِ زبانی ہے  
 دلیل اُس پر ہمارے نظم کا کافِ بیانی ہے  
 وہ ایسا کون سا معشوق ہے جس کو نہیں چاہا  
 یہ فردیں جتنی ہیں اُن پر ہماری بھی نشانی ہے  
 ترقی حسن کی کھینچنے نہیں دیتی شبیہ اُس کی  
 ادھر بہزاد عاجز ہے ، ادھر مجبور مانی ہے  
 خوش الحان نالہ کش مجھ سا نہ ہوگا باغِ عالم میں  
 غذا سیری دو نان گندم داؤد خانی ہے  
 ہوا سے اڑ کے پہنچا اُس پری پیکر کے کوچے میں  
 وہ مجنوں ہوں جسے تختِ سلیمان ناتوانی ہے  
 مٹا لے چار دن مجھ کو گیا جس روز جنت میں  
 کہاں پیری ، وہی میں ہوں ، وہی سیری جوانی ہے  
 تری فرقت میں اے یوسف ! خلیلِ وقت ہیں عاشق  
 غم و اندوہ و حرماں کی ہمیشہ میہمانی ہے  
 خیال آیا ہے ہم کو ان دنوں مضمونِ گیسو کا  
 زمینِ شعر پر نازل بلائے آسمانی ہے  
 جسے دیکھا وہ ماہِ چاردہ مطلوب ہے اُس کو  
 عزیزِ دل نہ ہو کیونکر عجب یوسف جوانی ہے  
 فقیرِ مست ہوں نعمتِ مری حاضر ہے جو چاہے  
 کبابِ نرگسی ہے یا شرابِ ارغوانی ہے  
 نہیں بننے کا سودا ہم سے اس بازارِ عالم میں  
 عداوت کی ہے ارزانی ، محبت کی گرانی ہے  
 نگہ پھرتی ہے اُس کی یک بیک دیوانہ ہووے گا  
 پری سمجھا ہے دل جس کو بلائے ناگہانی ہے

ستارہ آج کل چمکا ہوا ہے اپنا اے آتش !  
موافق ہے فلک ، اُس ساہ رو کی مہربانی ہے

## ۱۱۸

'بہارِ باغِ ایمائے شرابِ ارغوانی ہے  
تسلسلِ خواہِ دورِ جامِ دورِ آسمانی ہے  
سخن گوئی کا باعثِ عشقِ چشمِ یارِ جانی ہے  
فسوں پرداز کی دولت سے یہ معجزیانی ہے  
تجھے اے ترک ! زیبا دعویٰ صاحبِ قرانی ہے  
مگر خنجرِ ترا لوحِ طلسمِ زندگی ہے  
کرے ہاتھوں کو کس کا طوق ، کس کا بوسہ لے عاشق  
دہن وہمی ، کمر اُس آفتِ جاں کی گمانی ہے  
فراقِ یار میں رو رو کے آنکھوں کو میں کھوؤں گا  
میں ہوں یعقوب کا ہم چشم ، وہ یوسف کا ثانی ہے  
حذر کر میرے گریے سے ، نہ رلوا آساں مجھ کو  
یہ وہ سیلاب ہے جو خانہ ویرانی کا بانی ہے  
نصیحت کرتے کرتے اُس نے دیوانہ کیا مجھ کو  
اللہی پندِ ناصح ہے کہ پریوں کی کہانی ہے  
وہ مکھڑا دیکھ کر بھولیں گے اپنی کشت کو دہقان  
خطِ اُس محبوب کے رخسارِ گندم گوں کا دھانی ہے  
نہ آوارہ ہو ، دل میں ڈھونڈھ اُسے جو یا ہے تو جس کا  
یہی ویرانہ ہے جس میں کہ وہ گنجِ نہانی ہے



غنیمت سمجھیں اس وحشی کو کم سن دام میں اپنے  
 بھڑک کر جب آڑا عنقا یہ طاؤس جوانی ہے  
 جو روتا ہوں تو کہتا ہے وہ ہنس کر مجھ سے اے آتش!  
 یہ کیا آزار ہے تجھ کو، نہیں بچتا جو پانی ہے

## ۱۱۹

اکہاں تک آنکھوں میں سرخی شراب خواری سے  
 سفید مو ہوئے، باز آ سیاہ کاری سے  
 رہا نہ پیچھے میں گریاں تری سواری سے  
 بلند گرد نہ ہونے دی اشک باری سے  
 سبوے غنچہ ہے معمور و جام گل لب ریز  
 ٹپک رہی ہے شراب ابرِ نو بہاری سے  
 جہاں دوست ہوں، یاسیں کے بدلے وقتِ اخیر  
 منوں گا سورۃ یوسف زبانِ قاری سے  
 وصال شاید مقصود ہوگا بعدِ فنا  
 وہ دلربا جو ملے گا تو جاں نثاری سے  
 مڑوڑوں کان کو مجنوں کے مثلِ طفلِ شریر  
 عجب نہیں یہ جنوں کی بزرگ واری سے  
 دکھاؤ ہنس کے صفا اک دن اپنے دندان کی  
 گہر ہیں آگ کے مول اپنی آب داری سے  
 رقیب کو تری تلوار نیم جاں رکھتے  
 جو سرفراز ہو عاشق تو زخمِ کاری سے

ہماری خاک سمجھنا آسے ہمارے بعد  
 رہے جو گرد نہ پیچھے تری سواری سے  
 ترے دہان و کمر کا ہے ذکر وردِ زباں  
 ہمیشہ بحث ہے فرضی و اعتباری سے  
 چمک رہی ہے بہت ، برق سے 'ملاؤں گا  
 ترے ڈوپٹے کی آتری ہسوئی کناری سے  
 ثنائے حسن میں آس کو خدا رواں رکھتے  
 قلم نے پاؤں نکالے ہیں سرگزاری سے  
 سوالِ بوسہ پر انکار جبر کرنا ہے  
 کنارہ کرتے ہو کیا امرِ اختیاری سے  
 برا بھرا رہے اے باغباں ترا گلزار  
 دماغ تازہ رہیں نکمہت ہماری سے  
 اکیلا پا کے نہیں چھوڑنے کا میں تم کو  
 خیال خام ہے یہ میری پختہ کاری سے  
 حقیقتِ چمنِ دہر سے جو ہو آگہ  
 گلِ مراد چنے تو ہر اک کیاری سے  
 وصالِ یار نہیں تو وصالِ گور ہی ہو  
 جو کچھ کہہ بیونا ہو آتش ہو آہ و زاری سے  
 ۱۴۰

'عاشقِ جاں باز کی گردن پر احساں کیجیے  
 طشت و سر موجود ہے ، شمشیرِ عریاں کیجیے

۱ - کلیات طبع نولکشور و لاہور : "برق کو ملاؤں گا۔" متن کلیات علی بخش کے مطابق ہے ۔

۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۲ ، نولکشور قدیم ص ۱۹۴ ، جدید ص ۳۰۷ ۔

وصل کی شب عیش و عشرت کا یہ سماں کیجیے  
 خود بھی عریاں ہو جیے ، اُس کو بھی عریاں کیجیے  
 اپنی صورت دیکھنے سے ایک دن فرصت نہیں  
 توڑ کر آئینہ اُس خود ہیں کو حیراں کیجیے  
 کم نہیں خورشید سے داغِ جنوں میں روشنی  
 صبح ہو جائے جو چاک اپنا گریباں کیجیے  
 راہ میں اکثر کنواں بنواتے ہیں لوگ ، آپ بھی  
 فی سبیل اللہ یہ چاہِ زخداں کیجیے  
 منہ تو دکھلا دے خدا تیرا گلوں سے پیشتر  
 چاک اے صبحِ بہار ! اپنا گریباں کیجیے  
 یہ سیہ دل صورتِ گیسو نہ ہوگا رو سفید  
 خال وہ ہندو نہیں جس کو مسلمان کیجیے  
 چھپ کے آؤ ، آشکارا میرے گھر آئے تو کیا  
 اجر ہے اُس کا بڑا جو خیر پنہاں کیجیے  
 بلبلِ شیدا کے نالوں سے یہ آتی ہے صدا  
 فصلِ گل ہے ، چار دن سیرِ گلستاں کیجیے  
 اپنے کہنے سے اک آبِ تلخ تم پیتے نہیں  
 آگ میں ہسم کودتے ہیں ، آپ اگر ہاں کیجیے  
 یہ صدا ہے اُس کے مشتاقوں کے گھر میں سے بلند  
 دیدہ و دل فرشِ پا اندازِ مہماں کیجیے  
 تم بھی دیوانے ہو آتش سنتے ہیں آئی بہار  
 بیٹھے کیا کرتے ہو ، چاک اٹھ کر گریباں کیجیے



'پیری سے مرا نوعِ دگر حال ہوا ہے  
 وہ قد جو الف سا تھا سو اب دال ہوا ہے  
 مقبول مرے قول سے قوال ہوا ہے  
 صوفی کو غزل سُن کے مری حال ہوا ہے  
 آن باتھوں کی دولت سے کڑا مال ہوا ہے  
 آن پاؤں سے آوازۂ خلخال ہوا ہے  
 المِنَّةَ لِلّٰہِ بِہِ صَدِّ مَنَّتِ اَدھَر سے  
 انکار تھا جس شے کا اب اقبال ہوا ہے  
 جب قتل کیا ہے کسی عاشق کو تو واں سے  
 جتلاد کی تلوار کو رومال ہوا ہے  
 کس عقدے کو اُس زلف کے کھولا نہیں ہم نے  
 سلجھایا ہے آجھا ہوا جو بال ہوا ہے  
 کس سر کو نہیں یار کی رفتار کا سودا  
 معراج وہ سمجھا ہے جو پامال ہوا ہے  
 بیمار رہا برسوں ہی عیسیٰ نفسوں میں  
 پوچھا نہ کسی نے کبھی کیا حال ہوا ہے  
 جاوے جو صبا کوچہ گیسو میں تو کہنا  
 سودائیوں کا تیرے بُرا حال ہوا ہے  
 بُو مشک کی اس میں ہے تو عنبر کی پھر اُس میں  
 کچھ زلف سے بھی طہرہ ترا خال ہوا ہے

لڑواتا ہے آپس میں خریداروں کو تیرے  
 دلال ترا قرضیے کا دلال ہوا ہے  
 دیدار ہے عام اہل نظر سے ہے اگر تو  
 دولت تری خاطر سے جو کچھ مال ہوا ہے  
 اے ابر کرم تو ہی سفید اس کو کرے گا  
 برسوں میں سیہ نامہ اعمال ہوا ہے  
 جو ناز کرے یار ، سزاوار ہے آتش  
 خوش رو و خوش اسلوب و خوش اقبال ہوا ہے

## ۱۲۲

ایہ کہاں داری ہے دم تک عاشق دل گیر کے  
 اس نشانے کو اڑا کر پر کٹیں گے تیر کے  
 وا ہوئے ہرگز نہ وہ عقدے جو تھے تقدیر کے  
 سعی کرتے کرتے ناخن گھس گئے تدبیر کے  
 بسکہ قامت سے ہے آثار قیامت آشکار  
 فتنے ہوتے ہیں مرید اس کافر لے پیر کے  
 آشنا معنی سے بھی ہو جائیں گے صورت پرست  
 دیکھ لیں گے تجھ کو بھی عاشق تری تصویر کے  
 ایک میرے قتل سے دو لطف اے قاتل ہوئے  
 زنگ دل تیرا مٹا ، جوہر کھلے شمشیر کے  
 کھائے ہیں دوچار گل خوبان گل رخسار پر  
 داغ چند اس عشق میں تھے اپنی بھی تقدیر کے

بوسہ لیتا ہوں تو کہتا ہے طمانچا مار کر  
 دیجیے تعزیر اسے قابل جو ہو تعزیر کے  
 گفتگو تو نے غرورِ حسن سے اے بت نہ کی  
 رہ گئے مشتاق گوشِ اپنے تری تقریر کے  
 شہرہ ہے گیسوے پیچاں کا تمہارے ہر طرف  
 غلغلے ہیں چار سو اس بے صدا زنجیر کے  
 جنبشِ مژگاں سے وہ خوں خوار کھیلے گا شکار  
 صید کے تودے لگا دیں گے یہ دستے تیر کے  
 اپنے دیوانوں کو صحراے عدم پہنچا دیا  
 چیر ڈالا ارہ سے مانگ اس پری نے چیر کے  
 آج کل سے حسن پر وہ نازیں نازاں نہیں  
 عاشقوں پر پیس کر توڑے ہیں دنداں شیر کے  
 قہقہے کرتے ہیں مثلِ کبک نالوں کے عوض  
 عاشقِ شیدا تمہاری چاند سی تصویر کے  
 دولتِ دنیا سے آتشِ ہم نے جب پھیری نگاہ  
 جس طرف آنکھ اٹھ گئی تودے لگے اکسیر کے

۱۲۳

اتیغِ ابرو نہیں دی جانے کی اے دل ! خالی  
 سہل اس چوٹ کا کھا لینا ہے ، مشکل خالی  
 جو ستم چاہے سو کر یار نہ بد پر ہوں گے  
 کینے سے رکھتے ہیں سینہ ترے سائل خالی



تیغِ خوش آب سے تیری ہے توقعِ قاتل  
 سر سے پا تک نہ رہے زخم سے بسملِ خالی  
 کیا تپنچے کی طرح ہم سے بھرا پھرتا ہے  
 کھینچ کر تیغ ، دل اپنا کرے قاتلِ خالی  
 دیتی ہے شانِ کریمی اسے حسبِ دل خواہ  
 تیری درگاہ سے پھرتا نہیں سائلِ خالی  
 قصرِ تن سا بھی نہ دل چسپ کوئی گھر ہوگا  
 روحِ مہماں اسے کرتی ہے یہ مشکلِ خالی  
 دلِ بے درد سے رہتی ہے گراں خاطرِ روح  
 بوجھِ ناقص کو ہے لیلیٰ سے یہ محملِ خالی  
 برق و شِ یار کی فرقت میں ہوئے جب بے تاب  
 ابرِ باراں کی طرح روکے کیا دلِ خالی  
 ہفت اقلیم ترا بھرتی ہے دمِ اے محبوب  
 حسن کے عشق سے کوئی نہیں منزلِ خالی  
 فرقتِ یار میں جاسے سے ہوں باہر رہتا  
 بے خودی رکھتی ہے مجھ سے مری منزلِ خالی  
 تیرے دم سے ہیں بجا میرے حواسِ خمسہ  
 اٹھ گیا تو ہوئی یار یہ محفلِ خالی  
 جنگِ جو یار کا اصلاح پر آیا نہ مزاج  
 عقل سے ہوتا ہے فی الواقعی جاہلِ خالی  
 کعبے میں ہم کو ہے مقصود بہارِ فردوس  
 دل میں جا ہے تری ، اے حورِ شائل ! خالی

۱۔ کلیات طبع نولکشور و لاہور: ”بجا اپنے حواسِ خمسہ۔“ متن کلیات علی بخش  
 کے مطابق ہے۔

دل کے بھلانے کو گلزار میں آ نکلا ہوں  
 سر کو میرے نہ کرے شورِ عنادل خالی  
 روشنیِ حسن کی رکتھے گی زمانہ روشن  
 شمعِ رویوں سے رہے گی نہ یہ محفل خالی  
 جام میں قطرہ سے لب نہ مرے چھوڑیں گے  
 مالِ کشتی کو کیا کرتے ہیں ساحل خالی  
 قیس و فرہاد سے دل دادہ ہزاروں آتش  
 تیشہ بیکار رہے گا ، نہ سلاسل خالی

۱۲۲

اے کے تیشہ کھینچنا رنج و محن کیا چاہیے  
 جانِ شیریں کھونے کو اے کوہ کن کیا چاہیے  
 تیرے کُشتوں کو نہیں پرواے رختِ آخرت  
 ہو نہ ممکن تو شہیدوں کو کفن کیا چاہیے  
 میں گداے حسن ہوں ، صورت ہی میری ہے سوال  
 عرضِ مدعا مجھ کو دہن کیا چاہیے  
 دل جلا لینا کہیں تیری طرح سے اے چراغ !  
 ہم کو بالینِ مزار و انجمن کیا چاہیے  
 جامہٴ عریانی ہی سے تنگ میں دیوانہ ہوں  
 پیاز کھانے کو بدن کے پیرہن کیا چاہیے  
 'تو تو سودائی نہیں میری طرح سے زلف کی  
 دخلِ روغن میں مجھے اے یاسمن ! کیا چاہیے



جان کھونے کے لیے لازم نہیں ہے عشقِ حسن  
 ڈوب مرنے کے لیے چاہِ ذقن کیا چاہیے  
 تیوری رہتی ہے چڑھی، کچھ تم کو سودا تو نہیں  
 اس جبین پر گیسوؤں کی سی شکن کیا چاہیے  
 یہ اشارہ کرتی ہے غربت میں شمشیرِ قضا  
 کہہ لے کہنا ہو جو کچھ اے بے وطن! کیا چاہیے  
 فکرِ رنگیں ہم کو دکھلاتی ہے گھر بیٹھے بہار  
 مثلِ بلبل نالہ کرنے کو چمن کیا چاہیے  
 چومتا ہوں پاؤں اے آتش تو کہتا ہے وہ بت  
 مردِ مومن کو طریقِ برہن کیا چاہیے

## ۱۲۵

'صورت سے اس کی بہتر صورت نہیں ہے کوئی  
 دیدارِ یار سی بھی دولت نہیں ہے کوئی  
 آنکھوں کو کھول اگر تو دیدار کا ہے بھوکا  
 چودہ طبق سے باہر نعمت نہیں ہے کوئی  
 ثابت ترے دہن کو کیا منطقی کریں گے  
 ایسی دلیل، ایسی حجت نہیں ہے کوئی  
 یہ کیا سمجھ کے کڑوے ہوتے ہیں آپ ہم سے  
 پی جائے گا کسی کو شربت نہیں ہے کوئی  
 میں نے کہا "کبھی تو تشریف لاؤ" بولے  
 "معذور رکھیے، وقتِ فرصت نہیں ہے کوئی"

ہم کیا کہیں کسی سے کیا ہے طریق اپنا  
 مذہب نہیں ہے کوئی ، ملت نہیں ہے کوئی  
 دل لے کے جان کے بھی سائل جو ہو تو حاضر  
 حاضر جو کچھ ہے اس میں حجت نہیں ہے کوئی  
 ہم شاعروں کا حلقہ ، حلقہ ہے عارفوں کا  
 نا آشناے معنی صورت نہیں ہے کوئی  
 دیوانوں سے ہے اپنے یہ قول اس پری کا  
 خاکی و آتشی سے نسبت نہیں ہے کوئی  
 مژدہ ہزار عالم دم بھر رہا ہے تیرا  
 تجھ کو نہ چاہے ، ایسی خلقت نہیں ہے کوئی  
 نازاں نہ حسن پر ہو ، مہماں ہے چار دن کا  
 بے اعتبار اس سے ' دولت نہیں ہے کوئی  
 جاں سے عزیز دل کو رکھتا ہوں ، آدمی ہوں  
 کیونکر کہوں میں ، مجھ کو حسرت نہیں ہے کوئی  
 یوں بد کہا کرو تم ، یوں مال کچھ نہ سمجھو  
 ہم سا بھی خیر خواہ دولت نہیں ہے کوئی  
 میں پانچ وقت سجدہ کرتا ہوں اس صنم کو  
 مجھ کو بھی ایسی ویسی خدمت نہیں ہے کوئی  
 ما و شا ، کہ و ما کرتا ہے ذکر تیرا  
 اس داستاں سے خالی صحبت نہیں ہے کوئی  
 شہر بُتاں ہے آتش ! اللہ کو کرو یاد  
 کس کو پکارتے ہو حضرت ! نہیں ہے کوئی

۱ - ذیات طبع نول کشور و لاہور : " بے اعتبار ایسی دولت - " متن کلیات طبع  
 علی بخش کے مطابق ہے ۔



بازارِ دہر میں تری منزل کہاں نہ تھی  
 یوسف نہ جس میں ہو، کوئی ایسی دکان نہ تھی  
 زردی نے میرے رنگ کی مجھ کو رلا دیا  
 ہنسوائے جو کسی کو یہ وہ زعفران نہ تھی  
 ظاہر سے خوب رویوں کو باطن خلاف تھا  
 شیریں لبوں کی طرح سے آن کی زباں نہ تھی  
 منزل ہی دور ہے جو یہ پہنچے نہیں ہنوز  
 دم لینے والی راہ میں عمرِ رواں نہ تھی  
 دکھلائی سیر آنکھوں کو بامِ مراد کی  
 ایسی کوئی کمند، کوئی نردبان نہ تھی  
 قوسِ قزح سے ہم نے بھی تشبیہ دی اسے  
 چلتے نہ ہونے سے جو وہ ابرو کہاں نہ تھی  
 آگاہ جذبِ عشقِ زلیخا سے تھا نہ حسن  
 یوسفؑ کو چاہ میں خبرِ کارواں نہ تھی  
 یاد آگئی جو سلکِ گہر تیرے گوش کی  
 سوہانِ روح تھی مجھے، شبِ کہکشاں نہ تھی  
 رہ جانا پیچھے جسم کا جاں سے عجب نہیں  
 کس کارواں کی گرد پسِ کارواں نہ تھی  
 نافہمی کی دلیل ہے یہ سجدے سے اباؑ  
 ابلیس کو حقیقتِ آدمؑ عیاں نہ تھی

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۱۳، نول کشور قدیم ۱۷۶، جدید ص ۲۷۸ -  
 ۲ - ابا : بکسر اول - انکار -

عاشق کے سر کے ساتھ ہے سوداے کوئے یار  
 مومن نہ تھا وہ جس کو ہواے جناں نہ تھی  
 بانگِ جرس سے آگے ہر اک کا قدم رہا  
 گردِ اپنے کارواں کی پسِ کارواں نہ تھی  
 افسوس کیا جوانیِ رفتہ کا کیجیے  
 وہ کون سی بہار تھی جس کو خزاں نہ تھی  
 نالوں سے ایک دن نہ کیے گرم گوش یار  
 آتش! مگر تمہارے دہن میں زباں نہ تھی

۱۲۷

الختِ جگر کو کیوں کر مژگانِ تر سنبھالے  
 یہ شاخ وہ نہیں جو بارِ ثمر سنبھالے  
 دیوانہ ہو کے کوئی پہاڑا کرے گریباں  
 ممکن نہیں کہ دامن وہ بے خبر سنبھالے  
 تلوار کھینچ کر وہ خوں خوار ہے یہ کہتا  
 منہ پر جو کھاتے ڈرتا ہو وہ سپر سنبھالے  
 اللہ ناتواں کو دے طاقتِ توانا  
 ہیکل کا بوجھ اُن کی نازک کمر سنبھالے  
 تکیے میں آدمی کو لازم کفن ہے رکھنا  
 بیٹھا رہے مسافر رختِ سفر سنبھالے  
 اک دم نہ نبھنے دیتی اُن کی تنکِ مزاجی  
 رکھتے نہ ہم طبیعتِ اپنی اگر سنبھالے

- 
- ۱ - کلیات علی بخش : ”ہر اک کا قدم بڑھا۔“  
 ۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۱۴ ، نولکشور قدیم ص ۱۹۷ ، جدید ص ۳۱۱۔



وہ نخل خشک ہوں میں ، اس گلشنِ جہاں میں  
 پھرتا ہے باغباں بھی مجھ پر تبرِ سنبھالے  
 اڑتے ہیں ہوش تیرے دیکھے سے اے پری رو !  
 ممکن نہیں حواسِ خمسہ بشرِ سنبھالے  
 حرفِ درشت سن کر ہیں کانِ دل دکھاتے  
 اپنی زباں ذرا وہ رشکِ قمرِ سنبھالے  
 ہر گام پر خوشی سے وارفتگی سی ہو گی  
 لانا جواب خط کو اے نامہ بر ! سنبھالے  
 یا پھر کُتر پر اس کے صیاد یا چھری پھیر  
 بے بال و پر نے تیرے پھر بال و پر سنبھالے  
 دردِ فراقِ آتش تڑپا رہا ہے ہم کو  
 اک ہاتھ دل سنبھالے ہے اک جگر سنبھالے

## ۱۲۸

'وہ کاوش خار خارِ غم کی ہم اے گلبدن ! بھولے  
 تری بشتاش صورت دیکھ کر رنج و محن بھولے  
 جسے دیکھا وہ دیوانہ ہے تیرا باغِ عالم میں  
 برنگِ بوئے گل پھرتے ہیں مردم پیرہن بھولے  
 جو دے تکلیف تیرا مصحفِ رو اس کو ایماں کی  
 کہے اللہ اکبر ، بت پرستی برہمن بھولے  
 لحد میں جا کے بزمِ دہر پھر ہم کو نہ یاد آئی  
 مزا پایا یہ خلوت میں کہ لطفِ انجمن بھولے



فسوں پرداز ہے شیریں زبانی میرے دلبر کی  
 کلامِ اللہ حافظ سن کے آس بت کا سخن بھولے  
 مزا رکھتا نہیں ہے ضدِ بہم کا مجتمع ہونا  
 الہی تلخ گوئی سن کے وہ شیریں دہن بھولے  
 نہیں اسبابِ دنیا کون سا کشتیِ گردوں میں  
 وہ اٹھ کر پہنے خلعت کو جو بیٹھا ہو کفن بھولے  
 کسی دن تو ہو اے یوسف لقا ! تازہ دماغ اپنا  
 کبھی تو راہ ادھر بھی تیری بوے پیرہن بھولے  
 اٹھا پردہ دوئی کا شاید توحید کے رخ سے  
 ہوے ہم دم بخود ایسے کہ ساری ما و من بھولے  
 گلِ رخسارۂ صیاد سے جو عشقِ کامل ہو  
 قفس میں آشیانے کی ہوا مرغِ چمن بھولے  
 تماشا گوشہ گیری دشتِ غربت کا دکھاتی ہے  
 وطن میں ہوں مگر مجھ کو ہیں یارانِ وطن بھولے  
 یہی اللہ سے آتش دعا ہے ، مردِ سومن ہوں  
 حواسِ خمسہ زائل ہوں جو یادِ پنجن بھولے

۱۲۹

دل لگی اپنی ترے ذکر سے کس رات نہ تھی  
 صبح تک شام سے یاہُو کے سوا بات نہ تھی  
 التجا تجھ سے کب اے قبلہ حاجات نہ تھی  
 تیری درگاہ میں کس روز مناجات نہ تھی

اب ملاقات ہوئی ہے تو ملاقات رہے  
 نہ ملاقات تھی جب تک کہ ملاقات نہ تھی  
 غنچہ گل کو نہ ہنسنا تھا تری صورت سے  
 چھوٹے سے منہ کی سزاوار بڑی بات نہ تھی  
 ابتدا سے تجھے موجود سمجھتا تھا میں  
 میری تیری کبھی پردے کی ملاقات نہ تھی  
 اے نسیمِ سحری ! بہرِ اسیرانِ قفس  
 تحفہ تر نکہت گل سے کوئی سوغات نہ تھی  
 جن دنوں عشق رلاتا تھا ہمیں صورتِ ابر  
 کون سی فصل تھی وہ جس میں کہ برسات نہ تھی  
 کیا کہوں اس کے جو مجھ پر کرمِ پنہاں تھے  
 ظاہری یار سے ہرچند ملاقات نہ تھی  
 جس نے باندھے ہوئے گاتی تجھے دیکھا ، پھر کا  
 دلربا شے تھی مری جان تری گات نہ تھی  
 خاک میں مل گئے اے شاہِ سوار ! اہلِ نیاز  
 نازِ معشوق تھا ، توسن کی ترے لات نہ تھی  
 لب کے بوسے کا ہے انکار تعجب اے یار !  
 پھیرے سائل سے جو منہ کو وہ تری ذات نہ تھی  
 کمرِ یار تھی از بس کہ نہایت نازک  
 سوجھتی بندش مضمون کی کوئی گہات نہ تھی  
 جن دنوں ہوتا تھا تو گھر میں ہمارے شبِ باش  
 روزِ روشن سے کم اے مہر لقا ! رات نہ تھی



بے شعوروں نے نہ سمجھا تو نہ سمجھا آتش  
نکتہ سنجوں کو لطیفہ تھی ، تری بات نہ تھی

۱۳۰

'ناز و ادا ہے تجھ سے دلارام کے لیے  
یہ جامہ قطع ہے ترے اندام کے لیے  
وحشت میں کعبے کو جو گیا کسویے یار سے  
لتے 'جنوں نے جامہ' احرام کے لیے  
عاشق ہوں ہر طرح سے گنہگار ہوں ترا  
حاجت قصور کی نہیں الزام کے لیے  
کیا کیا چپے گی ، کیسا رٹے گی زباں آسے  
تسبیح ہم نے لی ہے ترے نام کے لیے  
طفلی کے گریے کا یہ کھلا حال وقت مرگ  
آغاز ہی میں روتے تھے انجام کے لیے  
اچھٹا نہیں مقابلہ آس چشمِ شوخ سے  
اک دن شکستِ فاش ہے بادام کے لیے  
وہ نونہال آئے الہی ! مراد پر  
حاصل ہو پختگیِ ثمرِ خام کے لیے  
ہرچند اپنا نامہ عصیاں سیاہ ہو  
ہوگا سفید ، صبح ہے ہر شام کے لیے  
نامرد اور مرد میں اتنا ہی فرق ہے  
وہ نان کے لیے مرے ، یہ نام کے لیے  
مثلِ کمند اپنی رسائی ہوئی اگر  
اے قصرِ یار ! بوسے لبِ بام کے لیے



کیا چشمِ مستِ یار سے تشبیہ دیجیے  
 کیفیتِ نگاہِ نہیں جام کے لیے  
 رکھوا کے زلفیں یار نے لاکھوں ہی مرغِ دل  
 پیدا کیے ہیں ، کش مکشِ دام کے لیے  
 دل میں سوائے یار جگہ ہو نہ غیر کی  
 خلوتِ سراے خاص نہیں عام کے لیے  
 جاتا ہے بہرِ غسلِ جو اے خوش دماغ 'تو  
 جھلتا ہے عودِ گرمیِ حِمام کے لیے  
 آتش جو چاہے پائے توکل کی محکمی  
 جو صبح کو ملے ، نہ رہے شام کے لیے

۱۳۱

اقلِ درِ قبول نہ کھولے ، بعید ہے  
 انسان کے پاس دستِ دعا کی کلید ہے  
 دل کو خیالِ یار نہ ہووے ، بعید ہے  
 جوہر ہے آئنے میں تو صورت کی دید ہے  
 نقصانِ جاں بھی راہِ خدا میں مفید ہے  
 مارا گیا جہاد میں جو ، وہ شہید ہے  
 انگشتی کا حلقہ ہے وہ نافِ حلقہ دار  
 خالِ سیاہ آس میں نگینِ حدید ہے  
 فقر و فنا کی بو نہیں کس کے دماغ میں  
 عطّار اپنے شہر کا ہر اک فرید ہے



پاسِ ادب سے چلتے ہیں عشاق سر کے بل  
 کوچے میں اُس کے نقشِ قدم ناپدید ہے  
 آیا تو ہے وہ شوخ تماشاے باغ کو  
 مہندی ملے چمن میں تو لالہ شہید ہے  
 یہ ترک کردہ ہے شہِ مرداں سے پیر کی  
 دنیا کا خواست گار جو ہے زن مرید ہے  
 افطاری جامِ مے ، سحری ساغرِ شراب  
 مجھ رند کو شبِ رمضان روزِ عید ہے  
 کس کس ستارے نے شبِ ہجراں دکھائی آنکھ  
 پیرِ فلک کا لاکھوں ہی فتنہ مرید ہے  
 گل چاک چاک کر رہے ہیں اپنے پیرہن  
 شاید قبائے یار کی قطع و برید ہے  
 صانع ہے وہ ، یہ صورتیں ہیں اُس کی صنعتیں  
 اللہ ہے قدیم ، یہ عالم جدید ہے  
 ہم کو بھی قیدِ غم سے چھڑاؤ ، گلے لگو  
 زندانی چھوٹے ہیں تصدق میں عید ہے  
 لگ چل نہ گلِ رخوں سے نسیمِ چمن کی طرح  
 بوئے حسین<sup>۴</sup> ان میں تو خوئے یزید ہے  
 اے بت اسیرِ عشق نہ کر زاہدوں کو تو  
 قیدِ نماز ہی انہیں قیدِ شدید ہے  
 تحسین سمجھ اُسے جو یہ نفریں کرے تجھے  
 انصاف ان قریبوں سے آتش بعید ہے

۱۔ کلیات طبع نول کشور و لاہور : ”قیدِ نما ہے ، نہیں قیدِ شدید ہے“  
 متن مطابق طبع علی بخش ۔



اُہر چشم کو دیدار ترا مَدِ نظر ہے  
 جو گوش ہے مقصود آسے تیری خبر ہے  
 آس خال ، آس ابرو کی ، ہمیں خوب خبر ہے  
 یہ گوئے سعادت ہے ، وہ چوگانِ ظفر ہے  
 سو ہی رگِ گل ہے کہ وہ باریک کمر ہے  
 میں ہیچمدان ہوں ، مجھے کیا اس کی خبر ہے  
 بے کار بنائے نہیں آنکھوں کے پیالے  
 دیدار کا سائل ہو جو یارائے نظر ہے  
 قالب کی طرح روح دکھائی ہیں دیتی  
 پنہاں یہ مسافر ہے ، عیاں گردِ سفر ہے  
 گردش ہے اشارے سے ترے ہفت فلک کو  
 چشمک زنی انجم کی تجھے مَدِ نظر ہے  
 سونگھے جو آسے سانپ کے سونگھے کا ہو عالم  
 آس زلف کی بو میں تسمِ افعی کا اثر ہے  
 دیدِ کمرِ یار کی مشتاق ہیں آنکھیں  
 ہستی میں تماشاے عدم مَدِ نظر ہے  
 یہ صدمے اٹھائے ہیں جدائی میں کسی کی  
 دو قطرۂ خوں ہیں ، نہ تو دل ہے نہ جاگر ہے  
 شبنم کو رلا کر وہ ہنساتا ہے گلوں کو  
 خورشید سے بھی گرم مرا رشکِ قمر ہے



آفت ہے کوئی ذکر فقیرانہ ہمارا  
 اک نعرہ ہو میں دو جہاں زیر و زبر ہے  
 کھول آنکھ کو، اٹھ خواب سے، بیدار ہو غافل  
 حاضر لیے آئینہ خورشید سحر ہے  
 کس گل کے ہوا خوابوں میں ہے آتش مسکین  
 کس نور کے بکتے کے لیے خاک بسر ہے

۱۳۳

آسمان! مر کے تو راحت ہو کہیں تھوڑی سی  
 پاؤں پھیلانے کو ہاتھ آئے زمین تھوڑی سی  
 خود بخود کچھ دل شیدا کو ہے اندوہ و ملال  
 کس جبین کے لیے درکار ہے چین تھوڑی سی  
 مجھ کو حیرت ہے حسینوں سے بچی ہے کیونکر  
 بادشاہوں کے لیے چین جبین تھوڑی سی  
 نعمت فقر ہے موجود، جسے رغبت ہو  
 آب شیریں میں ہے نان نمکین تھوڑی سی  
 کون سا گل نہیں گلزارِ جہاں میں مغرور  
 کس کے چہرے میں ہے یاں چین جبین تھوڑی سی  
 میہانوں میں ہیں اس خوانِ فلک کے ہم بھی  
 اپنی قسمت کی بھی ہے نانِ جویں تھوڑی سی  
 ہرگز آن دانتوں سے کرنا نہ صفا کا دعویٰ  
 آبرو تیری ہے اے درِ ثمن تھوڑی سی



عفو ہو جائیں گے ، ہرچند کہ لا کھوں ہوں گناہ  
 یہ عطا ہے تری رحمت کے قرین تھوڑی سی  
 چار دن اپنے محبتوں سے محبت کرتے  
 لذت عشق بھی چکھتے یہ حسین تھوڑی سی  
 اے جنوں ! تنگ نہ ہو ، وسعت کونین کو دیکھ  
 یہیں تھوڑی سی جگہ ہے ، نہ وہیں تھوڑی سی  
 چند پریاں بھی کروں مثلِ سلیماں<sup>۴</sup> تسخیر  
 یہ قلم رو بھی رہے زیرِ نگیں تھوڑی سی  
 میہاں ہوں میں ، جگہ دیں مجھے ، تکلیف کریں  
 آس کے اصحابِ یسار اور یمیں تھوڑی سی  
 گوش زد ہو وہ کہ جو وہم و گماں میں بھی نہ ہو  
 سنیں اپنی بھی جو اربابِ یقین تھوڑی سی  
 توبہ کرنی ہے گناہوں سے تو کر لے غافل  
 ورنہ فرصت ہے دمِ بازپسیں تھوڑی سی  
 مدتِ العمر ہے اک چشمِ زدن کا وقفہ  
 کر لیں ہو حق یہ خرابات نشین تھوڑی سی  
 فکرِ رنگیں سے لگا اس میں بھی اک باغِ آتش  
 ربعِ مسکوں سے الگ ہے یہ زمیں تھوڑی سی

۱۳۴

'موت کو سمجھے رہیں گبر و مسلمان آئی  
 روحِ قالب میں ہے دو روز کو سمہاں آئی

بوئے یوسفؑ سے ہوؤا تازہ دماغِ یعقوبؑ  
 للہ الحمد ، صبا مصر سے کنعاں آئی  
 ہم سے دیوانے بھی ہوویں گے پری کے سائل  
 اس طرف سے جو سواریِ سلیمان آئی  
 آئنے نے رخِ انور پہ اجارا باندھا  
 شانے کے حصے میں وہ زلفِ پریشاں آئی  
 یہ صفا تن میں کہاں ، کتمِ عدم سے باہر  
 جسم کی طرح تری روح ہے عریاں آئی  
 ڈھونڈیں اپنے لیے معشوق کوئی گرما گرم  
 فکر پہلو کی کریں ، فصلِ زمستان آئی  
 گلشنِ دہر بھی ہے کوئی سرائے ماتم  
 شبنم اس باغ میں جب آئی تو گریاں آئی  
 جو گنہ وصل میں سرزد ہوئے تھے ، عفو ہوئے  
 فارغ البال ہوا میں ، تب ہجراں آئی  
 خط کا آغاز ہوا اس رخِ نورانی پر  
 چل بسی صبحِ وطن ، شامِ غریباں آئی  
 سرِ شوریدہ کو اس زلف کا سودا نہیں خوب  
 اس بلا میں جو پہنسا ، شامتِ انساں آئی  
 عشقِ بلبل میں اثر ہے تو قفس میں آتش  
 بوئے گل پھاند کے دیوارِ گلستان آئی



'بادیاں کا کام کرتی ہے گھٹا برسات کی  
 کشتی سے سے موافق ہے ہوا برسات کی  
 جھومتی آتی ہے مستانہ گھٹا برسات کی  
 ساتھ کیفیت کے چلتی ہے ہوا برسات کی  
 سبزہ مینا کا عالم دیدنی ہے آج کل  
 مے کدے کو دوڑی جاتی ہے گھٹا برسات کی  
 دیدہ تر سے ہمارے ہو گیا ہے سامنا  
 آبرو ہم چشم سے رکھ لے خدا برسات کی  
 پنجنہ 'مرجاں بنیں گے تیرے ہاتھ اے بحر حسن !  
 لے کیے شوخی نہیں رہتی حنا برسات کی  
 روتے روتے عاشق شیدا ہزاروں مر گئے  
 سانگی آس دہقان پسر نے جو دعا برسات کی  
 آڑ کے ٹپکا دے گی مجھ مخمور کے منہ میں شراب  
 پھر لگا دے گی بطنِ مے کو ہوا برسات کی  
 غسل کر کے تجھ کو بھی لازم ہے تبدیلِ لباس  
 چاندنی نکھری سے خوب اے مہ لقا برسات کی  
 ابر میں بے نشے کے اک دم رہا جاتا نہیں  
 دخترِ رز ہے ہماری آشنا برسات کی  
 حسرتِ ساقی میں روتا ہوں جو میں دل کھول کر  
 گرمیوں میں چلنے لگتی ہے ہوا برسات کی

غم بہت کِھلوا نہ مجھ گریاں کو تو اے ہجرِ یار  
 خوف بدہضمی کا رکھتی ہے غذا برسات کی  
 مے نہ دینا مجھ کو بے دردی ہے اب تو ساقیا!  
 ابتدا جاڑے کی ہے ، اور انتہا برسات کی  
 ساتھ دے گی کیا مرا ، رونے میں ساون کی جھڑی  
 سوزشِ دل سے نہیں گرمی سوا برسات کی  
 پی کے مے دستارِ لالہ کی اچھالا چاہیے  
 دیکھتا تھا راہ وہ گلگوں قبا برسات کی  
 کیفِ مے کا ابرِ باراں میں ہوا دل کو جو ذوق  
 مے نے بے ساقی کے رو رو کر جدا برسات کی  
 روتے روتے مر گیا اک برق و ش کی یاد میں  
 قستِ آتش میں لکھنی تھی قضا برسات کی

۱۳۶

'غم نہیں ثابت قدم کو ، گو جہاں گردش میں ہے  
 قطب کو جنبش نہیں ہے ، آسماں گردش میں ہے  
 حیف ہے بے نشہ اس سے خانے میں انساں رہے  
 روز و شب جامِ مہ و خورشیدیاں گردش میں ہے  
 تیغِ ابرو جس قدر چاہے برش پیدا کرے  
 چشمِ فتانِ یار کی مثلِ فساں گردش میں ہے  
 پار اترے کیا سلامت بحرِ آفت سے کوئی  
 سیکڑوں گردابِ آس کے درمیاں گردش میں ہے



گرد پھرنے کا ترے سودا ہوا ہے ہم کو یار  
 ہر گھڑی ، ہر وقت ، ہر دم ، ہر زماں گردش میں ہے  
 دائرے میں عشق کے جس نے کہ مارا ہے قدم  
 صفحہ ہستی میں وہ پرکار ساں گردش میں ہے  
 خال و چشم یار کی تعریف ہو سکتی نہیں  
 تمکنت میں یہ زمیں وہ آسماں گردش میں ہے  
 جستجو میں تیری انجم کی طرح اے ماہِ حسن  
 ذرہ ذرہ ہو کے خاکِ عاشقاں گردش میں ہے  
 گنبد گردوں سے نکلو جس طرح سے ہو سکے  
 ڈر ہے گر پڑنے کا آتش یہ مکاں گردش میں ہے

۱۳۷

اما سوا تیرے نہیں رہنے کا کچھ ”یا باقی“  
 جو ہے فانی ہے ، تری ذات ہے الا باقی  
 نوجوانی کی ہے پسیری میں تمنا باقی  
 موسمِ گل کے گئے پر بھی ہے سودا باقی  
 دل کو اک سرو سے قد کی ہے تمنا باقی  
 روح کو ہے ہوسِ عالمِ بالا باقی  
 دیکھ لیں ہے جو قیامت کا تماشا باقی  
 ہو چکے وہ بھی جو ہے صحبتِ فردا باقی  
 تنگ غنچے سے دہن گو کہ ہے اس گلِ رو کا  
 پھر بھی ہے بوسہٗ عاشق کے لیے جا باقی  
 رقص کرتے ہیں جو بسمل تو یہ کہتا ہے وہ ترک  
 مجلسِ آخر ہوئی ، لیکن ہے تماشا باقی



جان پر بسن گئی دم گنتے لگا میں شب ہجر  
 گنتے گنتے نہ رہا جب کوئی تارا باقی  
 ساقیا ! گردشِ ساغر میں تامل کیا ہے  
 'خم و خم خانہ ہے باقی ، سے و مینا باقی  
 میری تعظیم نے مجلس سے نکالا مجھ کو  
 آٹھتے آٹھتے نہ رہی بیٹھنے کی جا باقی  
 عشق کی شرط ادا کرتے ہیں انشاء اللہ  
 کوئی دن ہے یہ محبت کا تقاضا باقی  
 آخر کار ہے میلے سے جہاں کے چلنا  
 سیر کرتا نہ رہے کوئی تماشا باقی  
 کون وارفتہ ترے گیسوے پیچاں کا نہیں  
 کس کو سودا نہیں ، یہ سلسلہ ہے تا باقی  
 فرقتِ یار میں مردہ سا پڑا رہتا ہوں  
 روحِ قالب میں نہیں ، جسم ہے تنہا باقی  
 ٹھوکریں مار کے مردوں کو ہے زندہ کرتا  
 میرے یوسف سے ہے اعجازِ مسیحا باقی  
 یار سے کہیو یہ پیغامِ زبانی قاصد !  
 کچھ نہیں یاد ، تری یاد ہے الا باقی  
 دہنِ یار کا مضمون بھی کوئی باندھوں میں  
 مرد شاعر ہوں نہ رہ جائے معاً باقی  
 گرمیاں ہیں جو یہی آہِ شرر افشاں کی  
 نہیں رہنے کا مرے یار کا پردا باقی  
 فرقتِ یار 'مبادل نہیں وصلت سے ہوئی  
 تیرنا ہے درِ مقصود کا دریا باقی

قامت یار سے کس دن ہو قیامت دیکھیں  
 آج تک تو ہے وہی وعدہ فردا باقی  
 صبح تک وصل کی شبِ شام سے عریاں رکٹھا  
 نہ رہا پیرہنِ یار کا پردا باقی  
 مشکلِ نزع بھی آسان ہوئی جاتی ہے  
 نفسِ چند کی ہے روح کو ایذا باقی  
 اس قدر سینہ غمِ عشق سے معمور ہوا  
 نہ رہی دل میں مرے حسرتِ دنیا باقی  
 دہنِ یار کی شہرت سے دہنِ ثابت ہے  
 نامِ باقی نہیں گویا کہ ہے عنقا باقی  
 ٹکڑے ایسا مجھے قاتل نے کیا ہے کہ نہیں  
 گور میں جا کے جدا ہونے کو اعضا باقی  
 دل میں لالہ ہی کے داغِ رخِ بے داغ نہیں  
 سرِ سنبل میں بھی ہے زلف کا سودا باقی  
 محفلِ آباد ہے ، منہ پر سے نقاب الٹو تو  
 دیکھ لے گا کوئی ہووے گا جو بینا باقی  
 چھیڑ بیٹھے جو ہم افسانہ گیسوے دراز  
 صبح ہوگی ، نہ رہے گی شبِ یلدا باقی  
 یہی آتش کی دعا ہے یہی آتش کی دعا  
 مغفرت ہووے مری بعدِ فنا ”یا باقی“



'کچھ نظر آیا نہ پھر جب تو نظر آیا مجھے  
 جس طرف دیکھا مقامِ ہُو نظر آیا مجھے  
 حسن سے قدرتِ خدا کی رو نظر آیا مجھے  
 ریشِ پیغمبرؐ ترا گیسو نظر آیا مجھے  
 روئے گل بے چشم و بے ابرو نظر آیا مجھے  
 سرو باغی قَد ے بازو نظر آیا مجھے  
 رازِ دل افشا نہ ہو اے دل کہے رکھتا ہوں میں  
 پھوڑ ڈالی آنکھ اگر آنسو نظر آیا مجھے  
 تیری تلوار اُس کو سمجھا میں اُسے مشتاقِ زخم  
 جب کوئی تشنہ کنارِ جُو نظر آیا مجھے  
 دیدہٴ یعقوبؑ سے دیکھا جو عالم کی طرف  
 یوسف اُس بازار میں ہر سو نظر آیا مجھے  
 دل شبِ فرقت رہا سینے میں مردے کی طرح  
 گور کا پہلو مرا پہلو نظر آیا مجھے  
 کہکشاں نے ساقِ پامے یار کا دھوکا دیا  
 ماہِ تاباں کاسہٴ زانو نظر آیا مجھے  
 سامنا رخ کا ترے گل نے کیا تھا ایک روز  
 رنگ اڑا ایسا گلِ شبِو نظر آیا مجھے  
 خالِ مشکیں کا ترے جس رات افسانہ سنا  
 سو گیا تو خواب میں ہندو نظر آیا مجھے



اے فراق اب عہدِ وصلِ دائمی ہے یار سے  
 بے طرح سمجھا اگر پھر تو نظر آیا مجھے  
 جب ترے روئے عتابِ آلودہ سے تشبیہ دی  
 لالہ آتشِ رنگ و آتشِ خو نظر آیا مجھے  
 تو وہ گل ہے باغِ عالم میں کہ جس کے واسطے  
 گل بھی آوارہ بہ رنگِ بو نظر آیا مجھے  
 حاجیوں کی طرح سے میں نے کیا اُس کا طواف  
 کعبہ سنتا تھا جسے وہ کُمو نظر آیا مجھے  
 تو نے دکھلائی صنمِ برقع کی جالی سے جو آنکھ  
 دام میں صیّاد کے آہو نظر آیا مجھے  
 وصل کی شب کر دیا بے کار رعبِ حسن نے  
 دست و پا ہر ایک بے قابو نظر آیا مجھے  
 'مہرہ کی وصلی سے تھا وہ صفحہ' رو بسکہ صاف  
 قطعہ 'اُستاد چار ابرو نظر آیا مجھے  
 چشمِ بے سرمہ جو دکھلائی کسی محبوب نے  
 سامری ناواقفِ جادو نظر آیا مجھے  
 تو نے زلفوں کو آجھ پڑنے سے منڈوایا جو یار  
 شاہِ بازِ حسن بے بازو نظر آیا مجھے  
 تیرے دندان میں دکھائی دی جو مستی کی لکیر  
 اے پری 'دُر نجف میں 'مو نظر آیا مجھے  
 مشک و عنبر کی بھی 'بوچین و شکن کے ساتھ ہے  
 طرہ سنبل پر بھی وہ گیسو نظر آیا مجھے  
 بے تصنع اُس کو سمجھا میں نے تیغِ بے نیام  
 جب ترا بے آستین بازو نظر آیا مجھے

یاد کر آس گل کو آتش ! مثلِ شبنم رو دیا  
پیرہن کوئی اگر خوش بُو نظر آیا مجھے

۱۳۹

’کیا کہیے کہ ہے سوزشِ داغِ جگر ایسی  
مستتا نہیں وہ غیرتِ شمس و قمر ایسی  
کوشش کا ارادہ ہے رہِ مہر و وفا میں  
پھر کھل نہ سکے باندھیے کس کر کمر ایسی  
پیری میں جلاتا ہے جو دل داغِ جوانی  
پنبہ سے بھی گرمی نہیں کرتا شرر ایسی  
نازک ہے رگِ گل سے ، فزوں بال سے باریک  
دیکھی نہیں ، البتہ منی ہے کمر ایسی  
مشکل ہوئی ہے روح کو قالب سے جدائی  
چھٹی ہی نہیں لپٹی ہے گردِ سفر ایسی  
کیونکر نہ مرا شعر ہو عالم کے زباں زد  
مشہور بہت ہوتی ہے جھوٹی خبر ایسی  
بیدار ہوں منہ دیکھ کے آس مہر لقا کا  
وہ شام کہاں ہے ، جو دکھائے سحر ایسی  
ہووے نہ صفا میں ترے دانتوں کے مقابل  
پیدا تو کرے قدر و شرافت گھر ایسی

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۲۰ ، نول کشور قدیم ص ۲۰۲ ، جدید ص ۳۲۰ -

۲ - نولکشوری نسخوں میں ہے : ”نازک ہے رگِ گل سے ، فزوں بال سے باریک ۔“ علی بخش : ”باریک رگِ گل سے فزوں بال سے باریک ۔“



کیا سینہ اس ابرو سے بچا سکتا ہے دل کو  
 شمشیرِ قضا روکے نہیں ہے سپرِ ایسی  
 زلفوں کی طرح تا کمرِ یار پہنچتی  
 اے کاش رسا ہوتی یہ عقلِ بشرِ ایسی  
 محبوب نہیں باغِ جہاں میں کوئی تجھ سا  
 بو رکھتا ہے گلِ ایسی ، نہ لذتِ ثمرِ ایسی  
 تیرے لبِ لعلیں کا نہیں سہل پرکھنا  
 وہ جوہری ہے جس کو خدا دے نظرِ ایسی  
 دنیا کی نہ ہے فکر ، نہ عقبی کا تردد  
 آتش کہو آئی ہے طبیعتِ کدھر ایسی

## ۱۲۰

جاں بخش لب کا یار کے رتبہ بلند ہے  
 فی الواقعی مقامِ مسیحا بلند ہے  
 مدہوش کیفِ مے سے وہ بالا بلند ہے  
 اقبالِ ساغر و خم و مینا بلند ہے  
 بالائے بامِ خانہ وہ بالا بلند ہے  
 گردن وہ ہے جو بہرِ تماشا بلند ہے  
 پروانے جلتے ہیں تری برقِ جہاں سے  
 شمعوں کے سر سے آتشِ سودا بلند ہے  
 بے داغ ہونے سے رخِ رنگینِ یار کے  
 داغِ جگر سے لالہ کے شعلہ بلند ہے

دو ساغرِ شراب ہیں دو چشمِ مستِ یار  
 گردنِ مثالِ گردنِ مینا بلند ہے  
 خالِ سید بناتا ہے رخسار پر وہ ماہ  
 کیا ان دنوں زحل کا ستارا بلند ہے  
 طوفانِ نوح ہے مرے اشکوں کے جوش سے  
 مرغِ ہوا سے ماہی دریا بلند ہے  
 افضل نہ ہوگا بڑھ کے ترے قد سے سروِ باغ  
 کعبے سے کیا شرف جو کلیسا بلند ہے  
 باغِ جہاں میں فتنہ محشر سے کم نہیں  
 بالشت بھر زمیں سے جو بوٹا بلند ہے  
 دل کا مرے بخار نکالا ہے آہ نے  
 شعلہ ثریٰ سے تا بہ ثریا بلند ہے  
 سبزے سے روئے یار کے ہے ابروؤں کو فوق  
 فرماں کے خط سے منزلِ طغرا بلند ہے  
 بحرِ جہاں میں حالتِ محنوں بنائے  
 ہر اک حبابِ محملِ لیلیٰ بلند ہے  
 پوشاکِ سرخ پہنے ہیں وہ بام پر کھڑے  
 اپنی نظر میں طور سے شعلہ بلند ہے  
 آتش یہ جان لے جو سرِ مُو سفید ہو  
 شب ہے اخیر ، صبح کا تارا بلند ہے

۱۲۱

'مجھ سے مستی میں جو ہوں شیشہ و ساغر ٹکڑے  
 ساقیا ! کیجیو میرے بھی برابر ٹکڑے



موسمِ گل ہے ، جنوں خیز بہارِ گل ہے  
 اڑتے پھرتے ہیں گریباں کے ہوا پر ٹکڑے  
 مستحقِ اس کا ہما بھی ہے ، سگِ یار بھی ہے  
 استخوانوں کے مرے دو ہوں برابر ٹکڑے  
 مجھ گدا کو جو ہے گدڑی میں تکلف منظور  
 ہوتے ہیں اطلس و کم خواب و مشجر ٹکڑے  
 دلِ صد پارہ کو ڈھونڈھا ہے جو آس کوچے میں  
 ہاتھ آئے ہیں مجھے شیشے کے اکثر ٹکڑے  
 نعمتِ فقر سے محظوظ ہوا ہوں ایسا  
 خشک کر کے انہیں کھاؤں جو ملیں تر ٹکڑے  
 تیری تلوار کی بُرش کا ہے شہرہ قاتل  
 ہم بھی دیکھیں تو ہمیں کرتے ہو کیونکر ٹکڑے  
 آشنا صورتِ ہفتاد و دو سلت سے ہوں میں  
 آئینہ دل کا ہے پہلو میں بہتر ٹکڑے  
 سنگِ در پر کسی محبوب کے دے پٹکوں گا  
 بد دماغی جو بھی ہے تو ہوا سر ٹکڑے  
 نعمتِ فقر میں بھی خو نہیں تنہا خوری  
 بانٹ کھاتا ہوں جو ہوتے ہیں سیسر ٹکڑے  
 نامہ شوق کا عاشق کے ہے واں سے یہ جواب  
 پرزے خط ہوتا ہے ، بازوے کبوتر ٹکڑے  
 سرِ فرہاد کے تیشے سے یہ آتی ہے صدا  
 کھائے یہ چوٹ جو پتھر تو ہو پتھر ٹکڑے  
 جڑ دے ہیں دہنِ یار میں دانتوں کی جگہ  
 دستِ قدرت نے یہ الہاس کے کیونکر ٹکڑے

زخمِ کاری کا جو سائل ہوں کسی ترک سے میں  
 یہ گدائی کا اثر ہو کہ ہو خنجر ٹکڑے  
 ستم و قہر و غضب ہے روشِ مستانہ  
 شیشہٴ دل کو کرے گی تری ٹھوکر ٹکڑے  
 چند بوسوں سے بسر ہوتی ہے مجھ سائل کی  
 درگاہِ حسن سے ہیں میرے مقرر ٹکڑے  
 نظر آئی مرے بد خو کو جو صورت ٹیڑھی  
 ساتھ آئینے کے ہووے گا سکندر ٹکڑے  
 ارہ کی چال جو گلشن میں چلا وہ خوش قد  
 دلِ عاشق کی طرح ہوں گے صنوبر ٹکڑے  
 درِ سلطان کا گدا ہوں میں گدا اے آتش  
 نانِ نعمت کے کھلاتا ہے مقدر ٹکڑے

## ۱۴۲

"خوش خطوں پر جو طبیعت مری آئی ہوتی  
 مجھ سے وصلی کی طرح پھر نہ جدائی ہوتی  
 آنکھ آئینے سے تم نے جو لڑائی ہوئی  
 رات بھر میری طرح نیند نہ آئی ہوئی  
 تارِ سنبل کوئی کہتا ہے، رگِ گل کوئی  
 کمرِ یار جو ہوتی تو دکھائی ہوئی

۱ - کلیات علی بخش : "جو صورت تیری ۔"

۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۲۱ ، نول کشور قدیم ص ۳۰۰ ، جدید  
 ص ۳۲۲ ، بہارستانِ سخن ص ۲۰۰ -



عہد کرتے تو تری طرح نہ پھرتے اے یار !  
 اپنے دل سے نہ نکلتی جو سہائی ہوتی  
 خواب میں وہ قدِ دل کش جو نظر آ جاتا  
 جاگتا پھر نہ ، قیامت بھی جو آئی ہوتی  
 کمرِ یار بھی آنکھوں کو دکھائی دے گی  
 ناف تک تو ہے نگاہوں کی رسائی ہوتی  
 صاحبِ ظرف جو ہوتا نہ ہمارے دل سا  
 دو جہاں میں نہ محبت کی سہائی ہوتی  
 چشمِ بلبل سے جو احباب نظارہ کرتے  
 بوئے گل پیرہنِ یار سے آئی ہوتی  
 میرے گریے کا فسانہ وہ پری رو سنتا  
 گوشِ گل تک درِ شبنم کی رسائی ہوتی  
 ہم نے چوما دہنِ یار کو گستاخی سے  
 مانگتا بوسہ وہ جس سے کہ گدائی ہوتی  
 کلیاں آبِ گہر کی بھی جو خوش رو کرتے  
 تیرے دانتوں کی نہ دانتوں میں صفائی ہوتی  
 سہل چھٹنا نہیں آس راحتِ جاں کا آتش  
 روح و قالب میں ہے مشکل سے جدائی ہوتی

۱۲۳

تیغ میں جوہر کہاں وہ ابروئے خم دار کے  
 زخم دکھلائی نہیں دیتے ہیں اس تلوار کے

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۲۱ ، نول کشور قدیم ص ۲۰۴ ، جلد اول

ص ۳۲۳ ، بہارستانِ سخن ص ۱۸۲ -

ڈال دیتا ہوں جو میں اُس کو گلے میں یار کے  
 بوئے یوسف آنے لگتی ہے گلوں سے ہار کے  
 رہ گئے مشتاق طالب جلوۂ دیدار کے  
 مار ڈالا اُس پری پیکر نے جھرسٹ مار کے  
 حلقہٴ چشمِ پری روزن ہیں قصرِ یار کے  
 جن چڑھے اُس پر جو ٹھہرے سایے میں دیوار کے  
 گوشِ افسانے سننے تو تجھ سے خوش رو یار کے  
 آنکھ دے اللہ تو قابل ترے دیدار کے  
 دن بسر ہوتا ہے یوں سودے میں کوئے یار کے  
 دھوپ سے اٹھتے تو بیٹھے سایے میں دیوار کے  
 فرشِ گل کو بھی قدم سے کیجے اپنے سرفراز  
 گل بھی سبزے کی طرح پامال ہوں رفتار کے  
 لالہ ہی داغی غلام اُس گل سے چہرے کا نہیں  
 سرو بھی ہیں بندۂ آزاد قدِ یار کے  
 چھوڑ کر ہم نے امیری ، کی فقیری اختیار  
 بورے پر بیٹھے ہیں قالین کو ٹھوکر مار کے  
 چشمِ وحدت ہیں سے لازم ہے تماشائے چمن  
 خار و گل دونوں بغل پروردہ ہیں گزار کے  
 کس طرف بھجوائے ہم کو دیکھیے سلطانِ عشق  
 کوہ و صحرا دو علاقے ہیں یہ اس سرکار کے  
 مرہمِ زنگار ہے زخمی کو خطِ سبزِ یار  
 خال لبِ حَبِّ شفا ہے واسطے بیمار کے  
 دیکھ کر آئینہ کہتا ہے وہ آرائش پسند  
 طرے کے قابل ہے سر ، گردن ہے لائق ہار کے



بلبلوں کا نکہت گل سے معطر ہے دماغ  
 غنچے کیا چٹکے ہیں ، شیشے ٹوٹے ہیں عطّار کے  
 ہم کو در پردہ محبت ، غائبانہ عشق ہے  
 ابن ترانی آن سے ہو سائل ہوں جو دیدار کے  
 خواہ مروارید و گل کے ، خواہ سیم و زر کے ہوں  
 طرے جتنے ہیں وہ جو یا ہیں تری دستار کے  
 کام ہے اللہ سے ، عالم سے کچھ مطلب نہیں  
 مشتری یوسف کے ہیں ، خواہاں نہیں بازار کے  
 حسن کا نظارہ وہ نعمت نہیں جو دل بھرے  
 سیر ہونے کے نہیں بھوکے ترے دیدار کے  
 روئے رنگیں کا ترے سودا ہوا ہے باغ کو  
 لالہ و گل کی رگیں ہیں اور نشتر خار کے  
 واقعہ منصور کا سن کر کھلا ہم کو یہ راز  
 حق کہے سے آدمی ہوتا ہے قابل دار کے  
 کچھ جو غیرت ہے تو اے سفاک اک وار اور بھی  
 زخم اوچھے ہنستے ہیں منہ پر تری تلوار کے  
 جو کوئی بیٹھا نہ اٹھتا پھر وہ پشتے کی طرح  
 ڈھیر ہو کر رہ گیا نیچے تری دیوار کے  
 باغ میں پی ہے شراب اس کج کلہ نے بارہا  
 چیتھڑے اکثر کیے ہیں لالہ کی دستار کے  
 کعبہ مقصود کا کس دن نہیں کرتا طواف  
 گرد پھرتا ہوں میں آتش روز کوئے یار کے

انا فہمی اپنی پردہ ہے دیدار کے لیے  
 ورنہ کوئی نقاب نہیں یار کے لیے  
 نورِ تجلی ہے ترے رخسار کے لیے  
 آنکھیں مری کایم ہیں دیدار کے لیے  
 فدے بہت آس ابروے خم دار کے لیے  
 چورنگ کی کمی نہیں تسلوار کے لیے  
 قول اپنا ہے یہ سبوح و زنتار کے لیے  
 دو پھندے ہیں یہ کافر و دیندار کے لیے  
 لطفِ چمن ہے بلبل گلزار کے لیے  
 کیفیتِ شراب ہے مے خوار کے لیے  
 سیری نہ ہوگی تشنہ دیدار کے لیے  
 پانی نہیں چہِ ذقنِ یار کے لیے  
 آتی ہی ہے نمود مرے یار کے لیے  
 شہرہ ہے جس قدر مرے اشعار کے لیے  
 دشتِ عدم سے آتے ہیں باغِ جہاں میں ہم  
 بے داغِ لالہ و گل بے خار کے لیے  
 شمشاد اپنے طرے کو بیچے تو لیجیے  
 آسِ لالہ رو کی لٹٹی دستار کے لیے  
 دو آنکھیں چہرے پر نہیں تیرے فقیر کے  
 دو ٹھیکرے ہیں بھیک کے دیدار کے لیے  
 مرمہ لگایا کیجیے آنکھوں میں مہرباں  
 اکسیر یہ سفوف ہے بیمار کے لیے



حلقے میں زلفِ یار کے موتی پروٹھے  
 دندان ضرور ہیں دہنِ مار کے لیے  
 گفت و شنید میں ہوں بسر دن بہار کے  
 گل کے لیے ہے گوش ، زباں خار کے لیے  
 بے یار سو پٹکنے سے ہلتا ہے گھر مرا  
 رہتا ہے زلزلہ در و دیوار کے لیے  
 بیٹھا جو آس کے سایے میں ، دیوانہ ہو گیا  
 سایہ پری کا ہے تری دیوار کے لیے  
 بلبل ہی کو بہار کے جانے کا غم نہیں  
 ہر برگ ہاتھ ملتا ہے گلزار کے لیے  
 اے شاہ حسن زلف و رخ و گوش و چشم و لب  
 کیا کیا علاقے ہیں تری سرکار کے  
 چال ابر کی چلا جو گلستاں میں جھوم کر  
 طاؤس نے قدم ترے رہوار کے لیے  
 آیا جو دیکھنے ترے حسن و جمال کو  
 پکڑا گیا وہ عشق کی بیگار کے لیے  
 حاجت نہیں بناؤ کی اے نازنین ! تجھے  
 زیور ہے سادگی ترے رخسار کے لیے  
 بیمار تندرست ہو ، دیکھے جو روے یار  
 کیا چاشنی ہے شربتِ دیدار کے لیے  
 آس بادشاہ حسن کی منزل میں چاہیے  
 بالِ ہا کی پرچھتی دیوار کے لیے  
 سوداے زلفِ یار میں کافر ہوا ہوں میں  
 منبل کے تار چاہیں زناں کے لیے

زنجیر و طوق جو کہ ہے بازارِ دہر میں  
 سودا ہے اُس پری کے خریدار کے لیے  
 چونا بنیں گے بعد فنا اپنے استخوان  
 دولت سرائے یار کی دیوار کے لیے  
 معشوق کی زباں سے ہے دشنام دل پذیر  
 شیرینی زہر ہے تری گفتار کے لیے  
 جاں سے عزیز تر ہے مرے دل کو داغِ عشق  
 مہتاب ہے لحد کی شبِ تار کے لیے  
 وہ مستِ خواب چشم ہے کوئی بلاے بد  
 کیا مرتبہ ہے فتنہ بیدار کے لیے  
 خلوت سے انجمن کا کہاں یار کو دماغ  
 وہ جنسِ بے بہا نہیں بازار کے لیے  
 پہنا ہے جب سے تو نے شبِ ماہ میں آسے  
 کیا کیا شگوفے پھولتے ہیں ہار کے لیے  
 چھکڑا ہوئے ہیں سوچ کے راہِ وفا میں پاؤں  
 پیسے لگائے انہیں رفتار کے لیے  
 جو مشتری ہے بندہ ہے اُس خوش جہاں کا  
 یوسف بنے غلام خریدار کے لیے  
 سونے کے پتے ہوویں ہر اک گل کے کن میں  
 مقدور ہو جو بلبلِ گلزار کے لیے  
 گل ہائے زخم سے ہوں شہادت طلب نہال  
 توفیقِ خیر ہو تری تلوار کے لیے  
 اندھیر ہے جو دم کی نہ اُس کے ہو روشنی  
 یوسف مرا چراغ ہے بازار کے لیے



احساں جو ابتدا سے ہے آتش وہی ہے آج  
کچھ انتہا نہیں کرم یار کے لیے

## ۱۲۵

اٹھہرے نہ پھر ، جو راہ میں تیری نکل چلے  
شل ہو گئے جو پاؤں تو ہم سر کے بل چلے  
جوبن سے اپنے زیب دہِ باغ ڈھل چلے  
رنگ ان گلوں کے چار ہی دن میں بدل چلے  
لے جائیں گے بہا کے خطِ شوق یار تک  
قاصد سے کم نہیں ہیں جو آنسو نکل چلے  
خط یادگار چھوڑ چلے گیسوانِ یار  
یہ سانپ چلتے چلتے بلا زہر آگل چلے  
ارہ کی پھبتی کہہ کے آنہیں کاٹتے ذرا  
شمشاد سروِ قد سے تمہارے نکل چلے  
ساقی معاف رکھ مجھے ساغرِ کشی سے تو  
مے کیا پیے وہ ، دودھ جو پی کر آگل چلے  
درگاہِ یار سے یہ کرامت نہیں بعید  
کھل جائیں پاؤں راہ میں آس کی جو شل چلے  
سر ہاتھ پر لیے ہوئے ہیں کُشتی کھڑے  
وہ تیغِ ناز آج چلے ، خواہ کل چلے  
جو کچھ عذاب زیرِ زمیں ہو عجب نہیں  
ساتھ اپنے گور میں بھی ہمارے عمل چلے

کی ولولوں نے شوق کی تکلیف کوئے یار  
 لئے کر مجھے بہشت میں 'حسنِ عمل چلے  
 اتنی شکار گاہ جہاں میں ہے آرزو  
 ہم سامنے ہوں اور تمہاری رفل چلے  
 اٹھتے ہی تیرے ہونے لگے منتشر حواس  
 دو کوہ تھے جو صبر و تحمل وہ ٹل چلے  
 ثابت ہوا جو کشتہ دندان یار میں  
 ہنس آ کے قبر پر مری موتی اگل چلے  
 بانکی ادا سے قتل انہوں نے کیا ہمیں  
 مہندی لگا کے پاؤں میں پنچوں کے بل چلے  
 دل بھر کے سیر کی نہ خرابات دہر کی  
 سیلاب کی طرح سے ہم آج آئے کل چلے  
 بے دام و دانہ چاہیے بلبل اسیر ہوں  
 عطرِ گلاب باغ میں صیاد مل چلے  
 'طرفہ پری ہے کوئی نسیم بہار بھی  
 دیوانے اپنے جاسے سے باہر نکل چلے  
 آنکھیں تمہاری پھر گئیں آئینہ دیکھ کر  
 آخر غرورِ حسن سے تیور بدل چلے  
 آسودہ سیر ہو کے ہوئے اپنی جان سے  
 خوانِ فلک سے ہم غم و غصہ نکل چلے  
 یاد آ گئے چمن میں وہ مہندی لگائے پاؤں  
 مہندی کے پیڑ دیکھ کے ہم ہاتھ مل چلے

۱۔ کلیات طبع نول کشور و لاہور : "مہندی کی پڑی دیکھ کے۔" متن کلیات علی بخش کے مطابق ہے۔



آئے جو کیفِ مے میں وہ 'گلگشتِ باغ' کو  
 غنچے سے ٹوپی لالے سے پگڑی بدل چلے  
 تڑپا جو میں فشارِ لحد کے عذاب سے  
 تھرائی گور ، قبر کے تختے نکل چلے  
 للہ چلیے سایہٴ دیوارِ یار میں  
 گرمی سے آفتاب کی آتش پگھل چلے

۱۲۶

'چہکارتے ہیں مرغِ خوش الحان نئے نئے  
 دکھلا رہا ہے رنگِ گلستاں نئے نئے  
 کرتا ہے ناز وہ شہِ خوباں نئے نئے  
 آئین تازہ تازہ ہیں ، فرماں نئے نئے  
 سوداے زلفِ یار میں یہ چاہتا ہے شوق  
 آنکھیں ہوں ، اور خواب پریشاں نئے نئے  
 کیونکر چبا چبا کے نہ باتیں کرے وہ شوخ  
 نکلے ہیں منہ میں یار کے دندان نئے نئے  
 پروانوں کے شریک ہوں چلنے میں قمریاں  
 روشن ہوئے ہیں سروِ چراغاں نئے نئے  
 بدتر ہے حال اُس چہرہٴ غبغب کے شوق میں  
 دیتا ہے داغِ سیبِ زرخداں نئے نئے  
 دریاے قہرِ یار جو آ جائے جوش میں  
 پیدا ہوں ہر تنور سے طوفاں نئے نئے

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۲۴ ، نولکشور قدیم ص ۲۰۶ ، جدید ص ۳۲۶ ۔

۲۔ تمام مطبوعہ نسخوں میں : ”بہرِ غبغب“ چھپا ہے جو غلط معلوم

ہوتا ہے ۔

ویرانے شہر ہوں تری شمشیرِ ناز سے  
 آباد ہوویں گنجِ شہیداں نئے نئے  
 وہ زخمِ تیغِ عشق ہوں میں روزگار میں  
 منہ سے لگے ہیں جس کے نمکداں نئے نئے  
 اے ترک جب سے منزلِ سودا ہے سر مرا  
 گیسو ترے ہوئے تھے پریشاں نئے نئے  
 گہ تیر بنتی ہے ، کبھی خنجر ، کبھی سناں  
 لاتی ہے سانگ یار کی مڑگاں نئے نئے  
 ہوں کہنہ عاشقِ رخِ محبوب ، آئیں گے  
 سوئم میں میرے حافظِ قرآن نئے نئے  
 رہتی ہے فکرِ تازہ مضامین کی منتظر  
 اس گھر میں آنکلتے ہیں مہاں نئے نئے  
 رخسار خط نکالے گا اس شاہِ حسن کا  
 پیدا کرے گا مورِ سلیمان<sup>۴</sup> نئے نئے  
 قیدِ نقاب و قیدِ حیا و حجاب و شرم  
 یوسف ہمارا رکھتا ہے زنداں نئے نئے  
 کیا باغِ کوئے یار ہے ، میر اس کی کیجیے  
 آتشِ شگوفے پھولتے ہیں باں نئے نئے

۱۴۷

اجوہر نہیں ہمارے ہیں صیاد پر کھلے  
 لئے کر قفس کو آڑ گئے ، رکھتا جو پر کھلے  
 شیشے شراب کے رہیں آٹھوں پہر کھلے  
 ایسا گھر ہے کہ پھر نہ کبھی ابرِ تر کھلے



کچھ تو ہمیں حقیقتِ شمس و قمر کھلے  
 کس کج کلہ کے عشق میں پھرتے ہیں سر کھلے  
 انصاف کو ہیں دیدہ اہلِ نظر کھلے  
 پردہ اٹھا کہ پردہ شمس و قمر کھلے  
 رنگریز کی دکان میں بھرے ہوں ہزار رنگ  
 'طرہ وہ ہے جو یار کی دستار پر کھلے  
 کیا چیز ہے عبارتِ رنگیں میں شرحِ شوق  
 خط کی طرح طبیعتِ بستہ اگر کھلے  
 جو چاہیں یار سے کہیں اغیار ، غم نہیں  
 خواجہ کو ہیں غلام کے عیب و ہنر کھلے  
 حیوان پر آدمی کو شرفِ نطق سے ہوا  
 شکرِ خدا کرے جو زبانِ بشر کھلے  
 یوسف کی اک دکان میں نہ تو نے تلاش کی  
 بازار کون کون سے اے بے خبر کھلے  
 شیریں دہن سے تیرے تعجب ہے گفتگو  
 اعجاز ہے اگر گرہِ نیشکر کھلے  
 کٹ جائے وہ زباں نہ ہو جس سے دعاے خیر  
 پھوٹے وہ آنکھ جو کہ نہ وقتِ سحر کھلے  
 کوتاہ ہے اس قدر مرے قد پر رداے عیش  
 ڈھانکوں جو پاؤں کو تو یقین ہے کہ سر کھلے  
 قاتل جزاے خیر ملے تیری تیغ کو  
 زخموں کے منہ کھلے نہیں ، جنت کے در کھلے  
 فصلِ بہار آئی ہے ، چلتا ہے دورِ جام  
 'مغ کی دکان ، شام کھلے یا سحر کھلے

پاہوش ہم نے ماری ہے دستار و تاج پر  
 سوداے زلفِ یار میں رہتے ہیں سر کھلے  
 کیفِ شرابِ ناب کا انجام ہو بخیر  
 شلوارِ بندِ ساقِ رشکِ قمر کھلے  
 ناخواندہ شرحِ شوقِ جلانے گئے خطوط  
 باندھے گئے وہ جو کہ مرے نامہ بر کھلے  
 چاہے صفا تو ساتھ طہارت کے ذکر کر  
 پرہیز کر تو تجھ کو دوا کا اثر کھلے  
 ہنس کر دکھائے دانت جو ہم کو تو کیا ہوا  
 لے لیجیے جو قیمتِ ملکِ گھر کھلے  
 کہتا ہوں رازِ عشق ، مگر ساتھ شرط کے  
 کانوں ہی تک رہے ، نہ زباں کو خبر کھلے  
 مشاقِ بندشوں کے ہیں ، خوبوں کو چاہیے  
 بندھوائیں شاعروں سے جو آن کی کمر کھلے  
 رکتی نہ آس سے چوٹ ، نہ چلتی یہ قاتلا  
 ہاتھوں سے تیرے جوہرِ تیغ و سپر کھلے  
 مطلب نہ سرنوشت کا سمجھا تو شکر کر  
 دیوانہ ہو جو حالِ قضا و قدر کھلے  
 چلنا پڑے گا یار کی خدمت میں سر کے بل  
 سمجھے ہو کیا جو بیٹھے ہو آتش کمر کھلے

'نکبتِ گل سے مجھے یار کی بو آتی ہے  
 خار سے یادِ آجھ پڑنے کی خو آتی ہے  
 شرم تجھ کو بہت اے آئندہ رو ! آتی ہے  
 میری صورت سے مگر عشق کی بو آتی ہے  
 صبح تک دیدہ تر سے نہیں آنسو تھمتے  
 پانی کرنے کو شبِ ہجر لہو آتی ہے  
 موسمِ گل کی ہوا نے کیسے ساقی بے کار  
 بطِ مے اڑ کے لبِ مست کو چھو آتی ہے  
 فصلِ گل باقی ہے کر لوں گا گریباں پھر چاک  
 آنے دو سوزن اگر بہرِ رفو آتی ہے  
 پاک دامانی معشوق کا سودا ہے جنہیں  
 نیند آن کو نہیں بے قیدِ وضو آتی ہے  
 کون سا نقشِ قدم چاند سی تصویر نہیں  
 آسِ صنم کو روشِ خامہؑ مو آتی ہے  
 ساز کی طرح رہا کرتے ہیں عاشقِ نالاں  
 چھیڑ 'طرفہ' تجھے اے عربدہ جو آتی ہے  
 خونِ دل آنکھوں میں اس طرح سے بھر جاتا ہے  
 جامِ میں جیسے کہ صہبائے سبو آتی ہے

۱۔ کلیاتِ طبعِ علی بخش ص ۲۲۵ تا ۲۲۶ ، دیوانِ اول ختم ہے ۔ اس کے بعد خاتمہ الطبع اور تین تاریخیں ہیں جو ہم نے آخر میں شریکِ اشاعت کر لی ہیں ۔ طبعِ نولکشور کان پور قدیم ص ۲۰۸ ، طبعِ جدید ص ۳۲۸ تا ۳۲۹ ۔



قد میں اس حور کے طوبیٰ کا ہے سارا انداز  
 زلف سے سنبلِ فردوس کی بو آتی ہے  
 کمرِ یار کی قمری ہے مگر دیوانی  
 غیب سے پہنے ہوئے طوقِ گلو آتی ہے  
 دور پہنچا ہے کمال اس کی صفا کا شہرہ  
 دیکھنے حور وہ آئینہ رو آتی ہے  
 کرمِ حق سے ہے گلزارِ توکل سرسبز  
 کٹ کے دریا سے مرے باغ میں جو آتی ہے  
 خوش قماش وہ نہیں جامہ عریانی کی  
 اس میں کب نوبت پیوند و رفو آتی  
 یارِ جانی کا ذرا بھیس بدل لے اے موت !  
 قبض کرنے کو مری روح جو تو آتی ہے  
 مے سے کرتا نہیں لبریز اسے تو ساقی  
 قالبِ جام میں یہ روحِ سبو آتی ہے  
 سرو قد کا ترے سودا جو سنا ہے قمری  
 میرے سر مارنے کو طوقِ گلو آتی ہے  
 حلقہٴ ناف سے یہ عقدہ کھلا اے آتش  
 کمرِ یار کو بھی پیچشِ مو آتی ہے

۱۲۹

اگل کی قبا نہ لالے کی دستار لے چلے  
 عریاں بدن وہ لائے جو تھے خار لے چلے

- ۱ - کبیت دیوان دوم طبع علی بخش ص ۲۷۰ ، کلیات دیوان دوم نولکشور قدیم ص ۲۴۳ ، کبیت دیوان دوم جدید ص ۳۸۵ -
- ۲ - نسخہٴ نولکشور قدیم : ”عریاں بدن جو لائے تھے -“ طبع جدید : ”عریاں بدن وہ لائے جو تھے -“



سر میں ہے۔ وائے کوچہ دلدار لے چلے  
 باغِ جہاں سے حسرتِ گلزار لے چلے  
 نیت کو عاشقوں کی کیا سیر حسن نے  
 آنکھوں کے جامِ شربتِ دیدار لے چلے  
 کرتے ہیں سیر چشم خریدار سے مدام  
 یوسف ملا تو لوٹ کے بازار لے چلے  
 سودا بنا نہ یار کے حسن و جمال کا  
 آس لالہ رو کا داغ خریدار لے چلے  
 مقصودِ دل ہے قلمِ خوں میں شناوری  
 جس گھاٹ چاہے یار کی تلوار لے چلے  
 اے نونہالِ حسن جو آن کی نظر پڑے  
 عنبِ لب کو توڑ کے بیار لے چلے  
 بولی یہ روح پھینک کے پشتارہ جسم کا  
 بھاری ہے بوجھ ، کون یہ بیگار لے چلے  
 آ جائے جوش پر تو ابھی قصرِ یار میں  
 سیلابِ اشک توڑ کے دیوار لے چلے  
 جامے سے باہر اپنے مرا شوقِ وصل ہے  
 تشریف اب تو پیرہنِ یار لے چلے  
 کیفِ شراب سے دو جہاں کا ہو غم غلط  
 بحرین سے یہ کشتیِ مے پار لے چلے  
 دوڑا ہے ان کے پیچھے کس انداز سے وہ شوخ  
 طاؤس و کبک آڑا کے جو رفتار لے چلے  
 دارالسرور میں بھی کروں سجدہ پائے خم  
 مسجد سے شوقِ خانہٴ خمار لے چلے

شمشیر سے بلا کا ہو ہرچند سامنا  
 چلیے جدھر وہ ابروئے خم دار لے چلے  
 ایسی رسائی کیجیے پیدا کہ کھینچ کر  
 خلوت میں انجمن سے ہمیں یار لے چلے  
 سایے نے دی ڈھٹی جو ترے آستان پر  
 در سے اٹھا کے ہم پس دیوار لے چلے  
 داغِ فراق و حسرت دیدار و شوقِ وصل  
 دنیا سے ہم یہ عاقبتِ کار لے چلے  
 بازارِ دہر میں نہ رہی جنسِ دل پسند  
 سودا جو تھا وہ تیرے خریدار لے چلے  
 نالوں نے اپنے آنکھ جھپکنے نہ دی کبھی  
 سوداے خوابِ فتنہٴ بیدار لے چلے  
 انصاف ہو تو محکمہٴ عدل و داد میں  
 جلاں اپنے ساتھ گنہگار لے چلے  
 تم سیر کر کے کیا پھرے اندھیر ہو گیا  
 بازار آ کے رونقِ بازار لے چلے  
 حاصل ہوا نہ خاک بھی آپس کی نزاع سے  
 دل میں غبارِ کافر و دیس دار لے چلے  
 آتشِ جرس کے نالوں کی پھر ہو نہ احتیاج  
 ہم کو جو ساتھ قافلہٴ سالار لے چلے



## ۱۵۰

اسیرِ لطف و کرم کی رہائی مشکل ہے  
 نگین کو نام سے تیرے جدائی مشکل ہے  
 ہزار دعویٰ باطل کیا کریں یا رب !  
 بتوں کو تیری طرح سے خدائی مشکل ہے  
 بھرایا سر کو ترے زمزموں نے اے بلبل !  
 خفا نہ ہو تو کہوں خوش نوائی مشکل ہے  
 بہت سی دیکھیں ہیں خم دار ہم نے تلواریں  
 تمہارے ابروؤں کی کج ادائی مشکل ہے  
 وہ اتحاد نہیں ہے کہ جس میں فرق پڑے  
 ہماری اور تمہاری جدائی مشکل ہے  
 کمر سے بڑھ چلے گیسوے یار قہر کیا  
 عدم سے دو قدم آگے رسائی مشکل ہے  
 ولایتی بھی حسینوں کو ہم نے دیکھ لیا  
 منش تری سی کہاں سیرزائی مشکل ہے  
 پھریں گے ہم نہ ہزار آپ ہم سے منہ پھیریں  
 تمہیں ہے سہل ، ہمیں بے وفائی مشکل  
 جلا کیا کریں آئینہ ساز آئینے  
 صفائے رخ کی تمہارے صفائی مشکل ہے  
 حیاے یار نے بدلا جو کیفِ مے میں رنگ  
 یقین ہوا یہ ہمیں پارسائی مشکل ہے

- ۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۷۱ ، نولکشور قدیم ص ۲۴۴ جدید ص ۳۸۵ -
- ۲ - کلیات طبع علی بخش : ”حیاے یار نے بدلا -“ نولکشور و لاہور : ”حیا  
 سے یار نے بدلا -“

عنایتِ آس کو ہو بے مانگے بوسہ اے شہِ حسن  
 فقیرِ مست کو تیرے گدائی مشکل ہے  
 ہزار پنچہٴ مرجاں کا چہچہا ہو رنگ  
 وہ دل ربائی دستِ حنائی مشکل ہے  
 کنارہ کش نہ ہو اے بحرِ حسن! عاشق سے  
 نہیں تو کہتے ہیں ہم آشنائی مشکل ہے  
 خلیل کا اسے کعبہ نہ جانیو آتش  
 خدا کا گھر ہے یہ، دل تک رسائی مشکل ہے

## ۱۵۱

’وردِ زباں جنابِ مجدد‘ کا نام ہے  
 قابلِ درود پڑھنے کے اپنا کلام ہے  
 مومن پسند یار کا شیریں کلام ہے  
 کیا چاشنی ہے، کیا مزہ ہے، کیا قوام ہے  
 حق ہے جو موشگاف کا اس میں کلام ہے  
 دیکھا کمر کو یار کی، نازک مقام ہے  
 اکِ حال پر کبھی نہیں آس کو قیام ہے  
 دنیا کا کارخانہ طلسمی مقام ہے  
 عاشق کا نالہ سن کے یہ آن کا کلام ہے  
 باقی دھواں ہے ’عود‘ میں جب تک کہ خام ہے  
 زنجیر ہے وہ طرہٴ مشکیں، نہ دام ہے  
 شاعر کہا کریں آنہیں سوداے خام



آزاد کردہ سرو اک آس کا غلام ہے  
 قد بلند یار کا عالی مقام ہے  
 مطلب ہے دفتر گل و لالہ میں مختصر  
 دو دن کی میر میں یہ گلستاں تمام ہے  
 صبح بہار ہے ، مجھے ساقی پلا شراب  
 سب جانتے ہیں عید کا روزہ حرام ہے  
 آس شاہ حسن کو یہ سجھاتی ہے تمکنت  
 وہ کام اشارے سے ہو ، زباں کا جو کام ہے  
 حسن و جمال یار کی شہرت کہاں نہیں  
 روشن تر آفتاب سے اس منہ کا نام ہے  
 عاشق نواز حسن کی تعریف کیا کروں  
 یوسف سے بھی عزیز اسے اپنا غلام ہے  
 دکھلا رہی ہے میر چمن گفتگوئے یار  
 جھڑتے ہیں پھول منہ سے یہ رنگیں کلام ہے  
 کس کشتی کو عشق تری تیغ سے نہیں  
 مشتاق جوئے آب ہے جو تشنہ کام ہے  
 زینندہ چشم یار میں سرخی ہے نشے کی  
 کیفیت شراب کے قابل یہ جام ہے  
 اک سجدہ نیاز میں ہے فرض عشق ادا  
 میں مقتدی ہوں اور مرا دل امام ہے  
 ہم چشم تر کو سامنے کرتے ہیں ابر کے  
 تم ہنس پڑو تو برق کا قصہ تمام ہے  
 رہتے ہیں جبہ سا جو ترے آستان پر  
 آنکھوں میں ان کی پست بلندی بام ہے

خوں ریز ہے نقابِ رخِ یار سے کھلا  
 جوہر ہیں جس میں تیغ کے یہ وہ نیام ہے  
 لے معنی ہے وہ عشق کہ جس میں کشش نہیں  
 دل چسپ ہو نہ حسن تو صورت حرام ہے  
 نکلے بخارِ دل جو زباں سے عجب نہیں  
 چھلکے تو کیا بعید ہے ، لب ریز جام ہے  
 سودائی زلفِ یار کا جب سے ہوا ہے دل  
 قالب میں مرغِ روح کو ایذا مے دام ہے  
 جب تک حلال کر لے نہ مجھ بے گناہ کو  
 قاتل کو دہنے ہاتھ کا کھانا حرام ہے  
 رکھتے ہیں وہ قدم تنِ بے جاں میں حکمِ روح  
 پاپوشِ یار کبک سے بھی خوش خرام ہے  
 کیا کیا شگوفے پھولتے رہتے ہیں رات بھر  
 صبحِ بہار یار کے کوچے کی شام ہے  
 دولت کے سامنے نہیں کچھ قدرِ حسن بھی  
 محمود کا ایاز سا خوش رو غلام ہے  
 اک دن حضورِ قلب سے ہوتی نہیں ادا  
 زاہد تری نماز کو میرا سلام ہے  
 مہندی ہمارے قتل کی خاطر ہے لگ رہی  
 خونِ حنا کا ہم سے آنہیں انتقام ہے  
 معشوق ہی نہیں جو نہ وعدہ خلاف ہو  
 چاہے جو مجھ سے پختگیِ عہد ، خام ہے



خلخالِ پامے یار سے آتی ہے یہ صدا  
 مردے سے لیجیے وہ جو زندہ کا کام ہے  
 بت خانہ کھود ڈالیے ، مسجد کو ڈھائیے  
 دل کو نہ توڑیے ، یہ خدا کا مقام ہے  
 جس مسئلے میں شک ہو جسے ، آ کے پوچھ لے  
 مسجد ہے ، وقتِ صبح ہے ، موجود اسام ہے  
 ہوتا ہے خوش نوائیِ بلبل سے آشکار  
 یہ مشیت پر بھی شاعروں کا احتلام ہے  
 انگشتی ہنوز نہیں دستِ یار میں  
 نا آشنا نگینے کی صورت سے نام ہے  
 بے باکیِ زباں سے نہیں کون خوف ناک  
 ہر عضو اٹھ کے صبح کو کرتا سلام ہے  
 آتش برا نہ مانیو حق حق جو پوچھیے  
 شاعر ہیں ہم ، دروغ ہمارا کلام ہے

## ۱۵۲

باغباں انصاف پر بلبل سے آیا چاہیے  
 پنچنی اس کو زرِ گل کی پنہایا چاہیے  
 فرشِ گل بلبل کی نیت سے بچھایا چاہیے  
 شمع پروانوں کی خاطر سے جلایا چاہیے  
 پان بھی کھاؤ ، جائی ہے جو منسی کی دھڑی  
 شام تو دیکھی ، شفق کو بھی دکھایا چاہیے

- 
- ۱ - کلیات علی بخش : ”مردہ سے کیجیے جو وہ زندہ ۔“  
 ۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۷۳ ، نول کشور قدیم ص ۲۴۵ ، جمیلہ  
 ص ۳۸۸ ، بہارستانِ سخن ص ۲۴۲ -

آٹنے میں خطِ نورس کا نظارہ کیجیے  
 آہوانِ چشم کو ریاں چرایا چاہیے  
 بوسہ اس لب کا ہے قوت بخشِ روحِ ناتواں  
 ایسی یاقوتی میسر ہو تو کھایا چاہیے  
 عشق میں حدِ ادب سے آگے رکھتا ہے قدم  
 شاخِ گلبن پر سے بلبل کو اڑایا چاہیے  
 دیکھیے کرتا ہے کیونکر یار سے گستاخیاں  
 شوق کے بھی حوصلے کو آزمایا چاہیے  
 ہو گیا ہے ایک مدت سے دلِ نالاں خموش  
 باغ میں چل کر اسے بلبل سنایا چاہیے  
 فصلِ گل ہے چار دن ، ساقی تکلف ہے ضرور  
 پر جواہر کے بطرے کو لگایا چاہیے  
 خم میں جوشِ مے سے مجھ کو یہ صدا ہے آ رہی  
 ظرفِ مستی ہو تو کیفیت اٹھایا چاہیے  
 حالِ دل کچھ کچھ کہا میں نے تو بولا سن کے یار  
 بس عبارت ہو چکی ، مطلب پر آیا چاہیے  
 شیر سے خالی نہیں رہتا نیستانِ زینہار  
 بوریائے فقر بچھا چھوڑ جایا چاہیے  
 رنگِ زرد و چشمِ تر سے کیجیے دعوایے عشق  
 دو گواہِ حال اس قصے کے لایا چاہیے  
 رام ہوتے ہی نہیں ، وحشی مزاجی ہے سو ہے  
 ان سیہ چشموں کو چوپہرہ جگایا چاہیے  
 دیکھ کر خلوتِ مراے یار ، کہتے ہیں فقیر  
 عود کے مانند یاں دھونی لگایا چاہیے



خاطرِ آتش سے کہیے چند جز شعر اور بھی  
بے نشان کا نام باقی چھوڑ جایا چاہیے

۱۵۳

دل بہت تنگ رہا کرتا ہے  
رنگ بے رنگ رہا کرتا ہے  
حسن میں تیرے کوئی عیب نہیں  
قبح میں دنگ رہا کرتا ہے  
صالح کی دل سے ہیں یاں مصلحتیں  
واں سرِ جنگ رہا کرتا ہے  
محتسب کو ترے مستانوں سے  
خوفِ سرچنگ رہا کرتا ہے  
دل مرا پی کے محبت کی شراب  
نشے میں بھنگ رہا کرتا ہے  
عار سی عار ہے مجھ مجنوں کو  
نگ سے ننگ رہا کرتا ہے  
جوہر تیغ دکھاتا ہے حسن  
عشق چورنگ رہا کرتا ہے  
گفتنی حال نہیں ہے اپنا  
کچھ عجب رنگ رہا کرتا ہے  
حلبِ رخ میں ترے خالوں سے  
لشکرِ زنگ رہا کرتا ہے  
منزلِ گور کے دیوانوں کے  
سینے پر سنگ رہا کرتا ہے

عالمِ وجد ترے مستوں کو  
 بے دف و چنگ رہا کرتا ہے  
 فندقِ دستِ صنم سے نادم  
 گلِ اورنگ رہا کرتا ہے  
 تیرے گوشِ شنوا کا مشتاق  
 بر خوش آہنگ رہا کرتا ہے  
 بندشِ چست سے تیری آتش  
 قافیہ تنگ رہا کرتا ہے

۱۵۴

ازخیم دل میں تیری فرقت سے ، جگر میں داغ ہے  
 ایک گھر میں گلِ محبت ، ایک گھر میں داغ ہے  
 رخ ترا بے داغ ہے ، روئے قمر میں داغ ہے  
 دیکھ لے جو چاہے ، آنکھوں کی نظر میں داغ ہے  
 عشق کی دل سوزیوں سے بحر و بر میں داغ ہے  
 یہ وہ آتش ہے کہ جس سے خشک و تر میں داغ ہے  
 دیدہ احباب سے بے وجہ پوشیدہ نہیں  
 لالہ رو شاید کوئی تیری کمر میں داغ ہے  
 آج کل ہوتا ہے ہم آغوش وہ رشک بہار  
 بوئے گل دیتا ہے جو جو اپنے کبر میں داغ ہے  
 اشک کے پانی سے نہلا دے مجھے اے چشمِ تر  
 گرمیوں سے سوزشِ دل کی جگر میں داغ ہے

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۷۴ ، نول کشور قدیم ص ۲۴۶ ، جدید ص ۳۸۹ -

۲ - کلیات طبع علی بخش میں کاتب کی غلطی سے قافیہ غلط ہو گیا ہے :  
 ”اپنے دل میں داغ ہے۔“



ناکسوں سے اہلِ عزت کو ہے لازم احتراز  
 میلِ تانبے کا ہوا ، جس سیم و زر میں داغ ہے  
 گل ترے چھلے کا سینے پر نہیں اے تیغِ زن  
 چار پھولوں کے عوض اک اس سپر میں داغ ہے  
 اشتیاقِ گور میں دیتی ہے ایذا طولِ عمر  
 منزلِ مقصود کی دوری ، سفر میں داغ ہے  
 کوتاہی کرتے ہیں راہِ دشتِ وحشت میں قدم  
 آبلہ پائی کے ہاتھوں مغزِ سر میں داغ ہے  
 زلف و خالِ یار پر جب سے پڑی ہے اپنی آنکھ  
 مشکِ چین و عنبر سارا نظر میں داغ ہے  
 واں تلاش ایذا ہے دیتی ، اور یہاں شوقِ وصال  
 زخمِ باہر اپنی قسمت کا ہے ، گھر میں داغ ہے  
 ناگوار اپنے سوا ہے یارِ دل کو دخلِ غیر  
 سایے کا بھی ساتھ تیری رہ گزر میں داغ ہے  
 دیتے ہیں تشبیہِ روئے روشنِ محبوب سے  
 داغ ہے آس کا ہمیں وہ جو قمر میں داغ ہے  
 زاہدِ سالوس کے ماتھے کے گھٹنے سے کھلا  
 لگ ہی رہتا ہے جو تقدیرِ بشر میں داغ ہے  
 کوئی گردن پر ترے زیندہ ہے خالِ سیاہ  
 خوش نما خورشید سے بھی اس سحر میں داغ ہے  
 داغ کھانے نے مزا ایسا دیا ہے عشق میں  
 دوڑتی ہے روحِ آس پر جس ثمر میں داغ ہے  
 عیبِ شاعر کو لگا دیتا ہے آتشِ نقصِ شعر  
 داغ جب پھل میں لگا ، عینِ شجر میں داغ ہے

## ۱۵۵

اچمنستان کی گئی نشو و نما پھرتی ہے  
 رت بدلتی ہے ، کوئی دن میں ہوا پھرتی ہے  
 خالِ مشکیں کو ترے کرتے ہیں فتنے سجدے  
 عنبریں گیسوؤں کے گرد بلا پھرتی ہے  
 خاک چھنوا رہی ہے کوچہ قاتل کی تلاش  
 ساتھ ساتھ اپنے خراب اپنی قضا پھرتی ہے  
 کج نگہ تو نے تو کی ہم سے ، کہے رکھتے ہیں  
 آنکھ اپنی بھی صنم سوئے خدا پھرتی ہے  
 ملتہجی جو تری درگاہ کے ہیں اے محبوب !  
 پہنے تشریف قبول آن کی دعا پھرتی ہے  
 نشہ سے نے نقاب رخِ زیبا آلتا  
 ٹھوکرے کھاتی آن آنکھوں کی حیا پھرتی ہے  
 قتل کس کس کو کرے دیکھیے ہنگامِ خرام  
 یہ قدم سے جو لگی آن کے حنا پھرتی ہے  
 پاؤں تک یار کے پہنچے گی لٹک کر سر سے  
 پھیرنے سے کوئی وہ زلفِ رسا پھرتی ہے ؟  
 وہ جنوں خیز ہے ، وہ مایہ سودا ہے وہ زلف  
 دیکھتی ہے جو پری کبریا پا پھرتی ہے  
 اپنے جامے سے ہوں میں مے کشِ مفلس باہر  
 رہن ہوتی ہوئی دستار و قبا پھرتی ہے

صبحِ محشر کے سوا صبحِ شبِ ہجر نہیں  
یہ بلا وہ نہیں آتش جو بلا پھرتی ہے

۱۵۶

آئی ہے عیدِ قرباں خنجر کو لال کرتے  
دنبے کے بدلے فریبِ عاشقِ حلال کرتے  
نالی کا بُت کدے میں ہم کیا خیال کرتے  
سنتا تھا کون ، کس سے اظہارِ حال کرتے  
ہنس کر کلامِ ہم سے یوسفِ جال کرتے  
کانوں کو آشنائے فرخندہ فال کرتے  
حسنِ شبابِ آن کا ، موسمِ بہار کا ہے  
بُوٹا سا قد دکھاتے جس کو ، نہال کرتے  
حیرانِ کار ہوتے معنی تلاشِ شاعر  
صورت جو تم دکھا کر محوِ جال کرتے  
باہر بساط سے تھے ہم عشق کے جوئے میں  
دل ہارتے تو جاں سے گوہر کو مال کرتے  
ماءِ چسپاوردہ ہے رُخسارۂ منور  
اک دم نقابِ آلتے تو تم کہاں کرتے  
آزردہ دل سے جاں ہے ، دل جان سے رکا ہے  
تم درمیان پڑ کر رفعِ ملال کرتے  
منظور ہوتی ہم کو حجت جو آس دہن میں  
اندیشے کو نہ سوجھیں ، وہ احتیال کرتے

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۷۵ ، نولکشور قدیم ص ۲۴۷ ، جدید ص ۳۹۔

کلیات طبع نولکشور و لاہور : ”آتی ہے۔“ علی بخش : ”آئی ہے۔“



لٹکاتے دوش سے بھی تھوڑا سا آن کو صاحب  
 بازو کی مچھلیوں کا ، زلفوں کو جال کرتے  
 ہم چشمی آہوؤں سے زیبا نہ تھی ، وہ کیونکر  
 چشمِ سیہ کو کیفِ مے سے نہ لال کرتے  
 سودا زدہ جو تیرے خالوں کا جا نکلتا  
 قربانِ مشکِ نافے آس پر غزال کرتے  
 رخ یار کا نہ ہوتا جو چاند چودھویں کا  
 اندھیر ابروؤں کے دونوں ہلال کرتے  
 سودا زدہ سے اپنے پھر جاتی ہیں وہ آنکھیں  
 مجنوں سے بھی ہیں وحشت شہری غزال کرتے  
 ہوتا ہے یہ نقابِ یوسفؑ سے ہم کو روشن  
 ناقص ہیں آشکارا اپنے کمال کرتے  
 ہم پایہ ہے دونالی بندوق سے وہ بینی  
 چہرہوں کا کام روئے قاتل کے خال کرتے  
 لاشہ پڑا ہے میرا صحرا میں زخم کھا کر  
 حصّے پلنگ و شیر و گرگ و شغال کرتے  
 بوسے کے مانگنے پر منہ کو نہ پھیرنا تھا  
 حاتم تھے تم نہ رد جو میرا سوال کرتے  
 فصلِ بہار آتی ، سرسبز باغ ہوتا  
 ظاہر شگوفے اپنے اپنے نہال کرتے

- 
- ۱ - کلیات طبع نولکشور و لاہور : ”کیفِ مے سے زلال کرتے۔“ متن نسخہ  
 علی بخش کے مطابق ہے ۔  
 ۲ - کلیات نولکشور : ”نو چاند چودھویں کا۔“

ہٹتا نہیں ہے اک دم آئینہ سامنے سے  
 اپنی طرف ہو تم بھی اب تو خیال کرتے  
 کافی تھی بہرِ مستی ساقی کی مہربانی  
 دیتا جو دُرد بھی تو شکرِ زلال کرتے  
 فرقت کی شب میں سنتا ، باتیں جو دل ہماری  
 یادش بخیر ذکرِ روزِ وصال کرتے  
 تربت پر اپنی مشقِ رفتار چاہیے تھی  
 ہم پائمال ہوتے ، تم پائمال کرتے  
 خُم سے زیادہ پیدا کرتا وہ ظرفِ آتش  
 مٹی جو میری صرفِ ساغرِ کلال کرتے

## ۱۵۷

اتماشائے چمن سے سیرِ کوئے یار بہتر ہے  
 گل و سنبل سے یاں خار و خسِ دیوار بہتر ہے  
 جبینِ مائی کو سنگِ آستانِ یار بہتر ہے  
 کمر تکیے کو قصرِ دوست کی دیوار بہتر ہے  
 یہی آواز آتی ہے درِ مہر و محبت سے  
 علاقہ اس سے ممکن ہو تو یہ سرکار بہتر ہے  
 اطباء دیکھ کر بیمار کو تیرے یہ کہتے ہیں  
 ہم پہنچے تو اس کو شربتِ دیدار بہتر ہے  
 کہا کرتے ہیں عاشقِ لوگ اکثر پیار سے یوسفؑ  
 تمہارے حسن کو بھی گرمیِ بازار بہتر ہے



صباحت سے ہے رشکِ صبحِ نوروزی وہ پیشانی  
 ہلالِ عید سے وہ ابروئے خم دار بہتر ہے  
 سنا ہے شاعروں سے بیشتر قندِ مکرر بھی  
 لبِ شیریں کے بوسے لینے میں تکرار بہتر ہے  
 نگاہیں مردمِ دیدہ کو ہر دم یہ سجھاتی ہیں  
 ملے لوٹے سے جتنی دولت دیدار بہتر ہے  
 بہارِ بے خزاں ایسی نہیں کوئی چمن رکھتا  
 خدا جو فکرِ رنگیں دے تو یہ گلزار بہتر ہے  
 اسیرِ عشق کو ہے فوقِ آزادانِ عالم پر  
 جہاں کے تندرستوں سے ترا بیمار بہتر ہے  
 رہے جاتے ہیں عاشقِ نیم جاں ، کیا قہر کرتے ہو  
 قبائے تنگ پر تھوڑی سی کج دستار بہتر ہے  
 چلے گا کبک کیا ، طوطی کرے گا کیا سخن سازی  
 تری گفتار بہتر ہے ، تری رفتار بہتر ہے  
 بہارِ باغ ہے نظارۂ محبوب دکھلاتا  
 وہ قاست سرو سے تو گل سے وہ رخسار بہتر ہے  
 کہاں نظارۂ روزن ، رہا پردہ نہ جب باقی  
 تمہارے اور میرے درمیاں دیوار بہتر ہے  
 سوالِ بوسہ پر ہنس کر وہ بُت کہتا ہے اے آتش !  
 خیالِ بد اگر گزرے تو استغفار بہتر ہے

۱۵۸

'عذابِ لب کا اپنے مزا کچھ نہ پوچھیے  
 کس درد کی ہیں آپ دوا ، کچھ نہ پوچھیے



ناز و نیازِ عاشق و معشوق کیا کہوں  
 عجز و غرورِ شاہ و گدا کچھ نہ پوچھیے  
 خوشبو سے ہو رہا ہے معطر دماغِ جاں  
 چلتی ہے کس طرف کی ہوا ، کچھ نہ پوچھیے  
 کیا کیا نگہ پھسلتی ہے رخسارِ یار پر  
 کیسا یہ آئینہ ہے صفا ، کچھ نہ پوچھیے  
 جامے سے باہر اپنے جو ہوں میں ، عجب نہیں  
 کھولے ہیں کس کے بندِ قبا ، کچھ نہ پوچھیے  
 آئینہ لے کے کیجیے اپنا مشاہدہ  
 ہم سے سلوکِ شرم و حیا ، کچھ نہ پوچھیے  
 رنگیں کیے ہیں یار نے جب سے کہ دست و پا  
 کیا رنگ لا رہی ہے حنا ، کچھ نہ پوچھیے  
 اللہ نے کیا ہے کسے بادشاہِ حسن  
 سر پر ہے کس کے ظلِ ہما ، کچھ نہ پوچھیے  
 نا گفتنی ہے عشقِ بُتاں کا معاملہ  
 ہر حال میں ہے شکرِ خدا ، کچھ نہ پوچھیے  
 کیا شر ہے وہ کمر ، جو گزرتا ہے یہ خیال  
 آتی ہے غیب سے یہ صدا ، کچھ نہ پوچھیے  
 کوتاہِ خالِ روئے منور ہے کس قدر  
 کتنی ہے زلفِ یارِ رسا ، کچھ نہ پوچھیے  
 آتشِ گناہِ عشق کی تعزیر کیا کہوں  
 مشفق ! جو کچھ ہے اس کی سزا کچھ نہ پوچھیے

۱۵۹

'باز آئیں گے نہ بازیِ عیش و نشاط سے  
 باہر ہیں اس جوئے میں ہم اپنی بساط سے  
 حیراں آن ابروؤں کو ہیں معمار دیکھ کر  
 دو طاق ہیں بلند فلک کے رباط سے  
 حلقے میں آہوؤں کے ہیں دیوانے جس طرح  
 عامل حصار میں نہ ہوں اس احتیاط سے  
 جور و جفا ہزار کرے ، ہم خفا نہ ہوں  
 خوش رو سے ، خوش جہاں سے ، خوش اختلاط سے  
 کھا کھا کے زخم کرتے ہیں مستوں کی طرح رقص  
 بسمل تمھاری تیغ کے کس کس نشاط سے  
 خواہاں مرگ دل ہے جدائی میں یار کی  
 بیزار روح جسم کے ہے ارتباط سے  
 انجام ہو بخیر قیامت کا آتشا!  
 داخل بہشت میں ہو گزر کر صراط سے

۱۶۰

زندے وہی ہیں جو کہ ہیں تم پر مرے ہوئے  
 باقی جو ہیں سو قبر میں مردے بھرے ہوئے  
 مستِ الستِ قلزمِ ہستی میں آئے ہیں  
 مثلِ حباب اپنا پیالہ بھرے ہوئے

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۷۶ ، نول کشور قدیم ص ۲۳۸ ، جدید ص ۳۹۳ -

۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۷۶ ، نول کشور قدیم ص ۲۳۹ ، جدید ص ۳۹۳ -



اللہ رے صفائے تن نازنینِ یار  
 موتی ہیں کُٹ کُٹ کے گویا بھرے ہوئے  
 دو دن سے پاؤں جو نہیں دبوائے یار نے  
 بیٹھے ہیں ہاتھ ہاتھ کے اوپر دھرے ہوئے  
 ان ابروؤں کے حلقے میں وہ انکھڑیاں نہیں  
 دو طاق پر ہیں دو گلِ نرگس دھرے ہوئے  
 بعد فنا بھی آئے گی مجھ مست کو نہ نیند  
 بے خستِ خم لحد میں سرہانے دھرے ہوئے  
 نکلیں جو اشک بے اثر آنکھوں سے کیا عجب  
 پیدا ہوئے ہیں طفل ہزاروں مرے ہوئے  
 لکھتے گئے ہیں بیاضوں میں اشعارِ انتخاب  
 راج رہے وہی کہ جو سکتے کھرے ہوئے  
 آٹا صفوں کو تیغ نے ابروے یار کی  
 تیر مڑہ سے درہم و برہم پرے ہوئے  
 آتش خدا نے چاہا تو وریاے عشق میں  
 کودے جو اب کی ہم تو ورے سے پرے ہوئے

## ۱۶۱

'دو دن کی زندگی میں رہے ہم مرے ہوئے  
 جوشِ جنوں نے زرد کیا جب ہرے ہوئے  
 ناقوس میں سے آئی صداے "ہوالغفور"  
 ہم بُت کدے گئے جو خدا سے ڈرے ہوئے

خط پر جو آئنے میں پڑی ہے نگاہِ یار  
 آہوے چشمِ مست ہیں سبزہ چرے ہوئے  
 شوقِ شکار مجھ کو جو اے ترک ہے سنا  
 چر چر کے سبزہ آہو ہیں کیا کیا ہرے ہوئے  
 مہندی لگانے کا جو خیال آیا آپ کو  
 سوکھے ہوئے درخت حنا کے ہرے ہوئے  
 آرائش آن کے حسن کی موقوف کب ہوئی  
 نوچے گئے درختِ حنا جب ہرے ہوئے  
 کیا ہوں گے لے کے خط کو مرے راہ میں تباہ  
 کوچے میں یار کے ہیں کبوتر چرے ہوئے  
 وہ صیدِ سخت جان ہوں میں جس پر ہزار بار  
 خالی ہوئے ہیں تیروں کے ترکش بھرے ہوئے  
 دینے میں جام کے ہے تامل کا کیا سبب  
 ساقی! شراب سے ہیں قرا بے بھرے ہوئے  
 بعدِ فنا بھی عشق کا آتش اثر رہا  
 تربت سے اپنی بیدِ 'مولہ' ہرے ہوئے

۱۔ نولکشور طبع جدید میں "مولہ" کی تصحیح "مولد" اور حاشیے پر نسخہ "مولہ" لکھا گیا ہے۔ لغت دیکھنے سے معلوم ہوا کہ "مولو" بضم اول و لام و سکون ثانی و واؤ "شاخ آہوی باشد کہ قلندران و جوگیان ہندوستان نوازند و بعضے گویند نائی باشد کہ کشیشاں در کلیسا نوازند و....." (برہان قاطع) غیاث اللغات میں "مولوہ" سے ہائے ہوز ہے اور اضافہ معنی یہ ہے کہ، ہندی میں اسے سنگی کہتے ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک درخت کی شاخ کو لے کر خول بنا کر بجاتے ہیں۔ اسی "مولو" یا "مولوہ" کا قلندرانہ تلفظ "مولہ" بھی ہے۔ آخر میں داں پڑھنا شاید درست نہیں۔

## ۱۶۲

اکہتے ہیں ذکرِ لیلیٰ و مجنوں جو چھیڑے  
 چپ رہیے بس نہ گور کے مردے اکھیڑے  
 خوش حال ہیں مٹا کے مجھے ہفت آسمان  
 یوسف کو کھا کے ہو گئے ہیں شیر بھیڑے  
 ساقی ہے ، مے ہے ، یار ہے ، بزمِ نشاط ہے  
 چھیڑے جو اب نہ ساز تو مطرب کو چھیڑے  
 تدبیر سے تو کام نہ تقدیر کا ہوا  
 تکیہ خدا پہ کیجیے ، دروازہ بھیڑے  
 آئی بہار ، گل نے قبا اپنی چاک کی  
 بخیہ جو پیرہن میں ہے اس کو ادھیڑے  
 آتشِ قارِ عشق میں تیرے حضور یار  
 چالوں کو اپنی بھول گئے ہیں بکھیڑے

## ۱۶۳

بہار آئی ، مراد چمن خدا نے دی  
 شگفتہ غنچے ہوئے ، بوے گل صبا نے دی  
 دکھائے روئے مخطّط نے یار کے اعجاز  
 گلیم پوش کو پیغمبری خدا نے دی  
 گئی ہے دیر سے ، اب تک نہیں پھری ، شاید  
 درِ قبول کے اوپر ڈھٹی دعا نے دی

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۷۷ ، نولشکور قدیم ص ۲۴۹ ، جدید  
 ص ۳۹۴ -

۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۷۷ ، نول کشور قدیم ص ۲۴۹ ، جدید  
 ص ۳۹۴ ، چمن بے نظیر ص ۱۹۴ -



کفن کی فکر ہمارے لیے بھی واجب ہے  
 نقاب کی جو تمہیں مشورت حیا نے دی  
 دمِ اخیر تصور بندھا ترے رخ کا  
 طرف کو کعبے کی کسوٹ مجھے قضا نے دی  
 لڑانے آئے تھے آنکھیں غزالِ چین و ختن  
 شکست آن کو تری چشمِ سرمہ سا نے دی  
 جہاں سے حسرتِ منزل کا داغ لے کے گیا  
 تمہاری راہ میں جاں اک شکستہ پا نے دی  
 مجال کیا کوئی سودا زدہ جو دمِ مارے  
 گلو میں پھانسی ہے اُس کا کلِ رسا نے دی  
 یہ چاہا دیکھیے دونوں میں چہرچہا ہے کون  
 ہمارے خون کی رغبت انہیں حنا نے دی  
 فقیر ہو کے جو تجھ پر موا ہے اے شہِ حسن !  
 جگہ ہے سائے میں اپنے اُسے بُھا نے دی  
 کیا ہے عشق نے بالائے یار کے بے خود  
 کپڑی کے سائے کی ایذا ہے اُس بلا نے دی  
 رہِ عدم میں سب آواز اپنی بھول گئے  
 صدا نہ قافلہٗ اشک میں درا نے دی  
 وہ بحرِ حسن ہے کس لہر میں رہا کرتا  
 خمر کچھ اُس کی نہ لا کر اک آشنا نے دی  
 مریضِ عشق کو ہے مرگ زیست سے اولیٰ  
 گلے کو کاٹتے صحت اگر دوا نے دی  
 ہوا نہ کوئی توجہ کا یار کی شاگرد  
 'دعا' اُس شہِ خوباں کو کس گدا نے دی

عزیز داغِ محبت کو رکھتے ہو آتش  
نشانی' اپنی ہے کس لالہ گوں قبا نے دی

۱۶۲

یا علیؑ کہہ کر بت پندار توڑا چاہیے  
نفسِ امّارہ کی گردن کو مروڑا چاہیے  
تنگ آکر جسم کو اے روح! چھوڑا چاہیے  
طفل طبعوں کے لیے مٹی کا گھوڑا چاہیے  
زلف کے سودے میں اپنے سر کو پھوڑا چاہیے  
جب بلا کا سامنا ہو، منہ نہ موڑا چاہیے  
گھورتی ہے تم کو نرگس، آنکھ پھوڑا چاہیے  
گل بہت ہنستے ہیں، کان ان کے مروڑا چاہیے  
آج کل ہوتا ہے اپنا عشقِ پنہاں آشکار  
پک چکا ہے خوب، اب پھوٹے یہ پھوڑا، چاہیے  
مانگتا ہوں میں خدا سے اپنے دل کے داغِ عشق  
بادشاہِ حسن کے سکتے کا توڑا چاہیے  
آن لبوں کے عشق نے ہے جب سے دیوانہ کیا  
بڑی ہی اپنی ہے اک لالوں کا جوڑا چاہیے  
دے رہا ہے گیسوے مشکین سودے کو جگہ  
کس کے آگے جا کے اپنے سر کو پھوڑا چاہیے

۱۔ کلیات طبع جدید نولکشور: ”دعا یہ۔“ متن نسخہ علی بخش کے مطابق ہے۔

۲۔ چمنِ بے نظیر: ”نشانی اپنی یہ کس۔“

۳۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۷۸، نولکشور قدیم ص ۲۵۰، جدید ص ۳۹۵، بہارستانِ سخن ص ۶۲۷۔



بادۂ گلگوں کے شیشے کا ہوں سائل ساقیا !  
 ساتھ کیفیت کے اڑتا مجھ کو گھوڑا چاہیے  
 یہ صدا آتی ہے رفتارِ سمندرِ عمر سے  
 وہ بھی گھوڑا ہے کوئی جس کو کہہ کوڑا چاہیے  
 قطعِ مقراضِ خموشی سے زباں کو کیجیے  
 قفل دے کر گنج پر مفتاح توڑا چاہیے  
 اپنے دیوانے کا دل لے کر یہ کہتا ہے وہ طفل  
 یہ کھلونا ہے اسی قابل کہ توڑا چاہیے  
 زلفیں روئے یار پر بے وجہ لہراتی نہیں  
 کچھ نہ کچھ زہر آگلے یہ کالے کا جوڑا ، چاہیے  
 باغباں سے چھپ کے گل چینی جو کی تو کیا کیا  
 آنکھ بلبَل کی بچا کر پھول توڑا چاہیے  
 فصلِ گل میں بیڑیاں کٹی ہیں میرے پاؤں کی  
 باتوں میں حُداد کے سونے کا توڑا چاہیے  
 باغِ عالم میں یہی میری دعا ہے روز و شب  
 خارِ خارِ عشقِ گلِ رخسار توڑا چاہیے  
 عشق کی مشکل پسندی سے ہوا یہ آشکار  
 خوب صورت کو غرورِ حسنِ تھوڑا چاہیے  
 زسزِ سن کر مرے صیادِ گل رو نے کہا  
 ذبحِ نوحے ، ایسے بلبَل کو نہ چھوڑا چاہیے  
 پیر ہو آتشِ کفن کا سامنا ہے عنقریب  
 توبہ نوحے ، دامنِ تر کو نچوڑا چاہیے

مگر آس کو فریبِ نرگسِ مستانہ آتا ہے  
 آلتی ہیں صفیں ، گردش میں جب پیمانہ آتا ہے  
 نہایت دل کو ہے مرغوب بوسہ خالِ مشکیں کا  
 دہن تک اپنے کب تک دیکھیے یہ دانہ آتا ہے  
 خوشی سے اپنی رسوائی گوارا ہو نہیں سکتی  
 گریباں پھاڑتا ہے تنگ جب دیوانہ آتا ہے  
 فراقِ یار میں دل پر نہیں معلوم کیا گزری  
 جو اشک آنکھوں میں آتا ہے سو بے تابانہ آتا ہے  
 بگولے کی طرح کس کس خوشی سے خاک اڑاتا ہوں  
 تلاشِ گنج میں جو سامنے ویرانہ آتا ہے  
 سمجھتے ہیں مرے دل کی وہ کیا نافہم و ناداں ہیں  
 حضورِ شمع بے مطلب نہیں پروانہ آتا ہے  
 طلبِ دنیا کو کر کے زنِ مریدی ہو نہیں سکتی  
 خیالِ آبروے ہمتِ مردانہ آتا ہے  
 ہمیشہ فکر سے یاں عاشقانہ شعر ڈھلتے ہیں  
 زباں کو اپنی بس اک حسن کا افسانہ آتا ہے  
 تماشاگاہِ ہستی میں عدم کا دھیان ہے کس کو  
 کسے اس انجمن میں یاد خلوت خانہ آتا ہے  
 صبا کی طرح ہر اک غیرتِ گل سے ہیں لگ جاتے  
 محبت ہے سرشتِ اپنی ، ہمیں یارانہ آتا ہے

زیارت ہوگی کعبے کی ، یہی تعبیر ہے اس کی  
 کئی شب سے ہمارے خواب میں بت خانہ آتا ہے  
 خیال آیا ہے آئینے کا منہ اس میں وہ دیکھیں گے  
 اب الجھے بال سلجھانے کی خاطر شانہ آتا ہے  
 پھنسا دیتا ہے مرغِ دل کو دامِ زلفِ پیچاں میں  
 تمہارے خالِ رخ کو بھی فریبِ دانہ آتا ہے  
 عتاب و لطف جو فرماؤ ہر صورت سے راضی ہیں  
 شکایت سے نہیں واقف ، ہمیں شکرانہ آتا ہے  
 خدا کا گھر ہے ، بت خانہ ہمارا دل نہیں آتش  
 مقامِ آشنا ہے ، یاں نہیں بیگانہ آتا ہے

## ۱۶۶

جاں بخش لب کے عشق میں ایذا اٹھائیے  
 بیمار ہو کے نازِ مسیحا اٹھائیے  
 قدسی نگاہِ لطف کے آمدِ دوار ہیں  
 آنکھیں تو سوئے عالمِ بالا اٹھائیے  
 اب کی بہار میں جو ہمیں لے چلے جنوں  
 چن چن کے داغِ لالہ صحرَا اٹھائیے  
 خامے سے کام لیجیے ہنگامِ فکرِ شعر  
 میدانِ کارزار میں گھوڑا اٹھائیے  
 دکھلائے حسنِ یار کا جلوہ ہمیں یہ عشق  
 کس کس طرح سے لطفِ تماشا اٹھائیے



تجھ سا حسین ہو یار تو کیونکر نہ اُس کے پھر  
 نازِ بجا و غمزہ بے جا اٹھائیے  
 مفلس ہوں لاکھ ، پر یہی دل کو بندھی ہے دھن  
 یوسف کو قرض لے کے تقاضا اٹھائیے  
 سختی راہ کھینچیے منزل کے شوق میں  
 آرام کی تلاش میں ایذا اٹھائیے  
 فصلِ بہار آئی ، پیو صوفیو شراب  
 بس ہو چکی نماز ، مصلا اٹھائیے  
 جامِ شرابِ ناب ہے ساقی لیے کھڑا  
 گردن تو مثلِ گردنِ سینا اٹھائیے  
 آواز کو سنا کے کیسے کان مستفیض  
 رحم آنکھوں پر بھی کیجیے ، پردا اٹھائیے  
 جوشِ جنوں میں دیکھیے پیچھے نہ مڑ کے پھر  
 منہ جس طرف کو صورتِ دریا اٹھائیے  
 شمشیر زن ہو یار بہادر جوان ہو  
 آتشِ جہادِ عشق پہ بیڑا اٹھائیے

۱۶۷

ادھن پر ہیں آن کے گان کیسے کیسے  
 کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے  
 زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا  
 بدلتا ہے رنگِ آماں کیسے کیسے

تمہارے شہیدوں میں داخل ہوئے ہیں  
 گل و لالہ و ارغواں کیسے کیسے  
 بہار آئی ہے ، نشے میں جھومتے ہیں  
 سریدانِ پیرِ مغاں کیسے کیسے  
 عجب کیا چھٹا روح سے جامہ تن  
 لٹے راہ میں کارواں کیسے کیسے  
 تپِ ہجر کی کاہشوں نے کیے ہیں  
 جدا پوست سے استخوان کیسے کیسے  
 نہ مڑ کر بھی بے درد قاتل نے دیکھا  
 تڑپتے رہے نیم جاں کیسے کیسے  
 نہ گورِ سکندر ، نہ ہے قبرِ دارا  
 مٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے  
 بہارِ گلستاں کی ہے آمد آمد  
 خوشی پھرتے ہیں باغباں کیسے کیسے  
 توجہ نے تیری ہمارے مسیحا  
 توانا کیے ناتواں کیسے کیسے  
 دل و دیدہ اہلِ عالم میں گھر ہے  
 تمہارے لیے ہیں مکاں کیسے کیسے  
 غم و غصہ و رنج و اندوہ و حرماں  
 ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے  
 ترے کلکِ قدرت کے قربان آنکھیں  
 دکھائے ہیں خوش رو جوان کیسے کیسے  
 کرے جس قدر شکرِ نعمت وہ کم ہے  
 مزے لوٹی ہے زباں کیسے کیسے



## ۱۶۸

اچپ ہو کیوں کچھ منہ سے فرماؤ خدا کے واسطے  
 آدمی سے بُت نہ بن جاؤ خدا کے واسطے  
 کبک کی آنکھوں کے نظارے کو عاشق آئے ہیں  
 چاند سی صورت کو دکھلاؤ خدا کے واسطے  
 دردِ دل سے دم فنا ہوتا ہے ، جاے رحم ہے  
 جان جاتی ہے مری ، آؤ خدا کے واسطے  
 جھوٹی زلفیں تو ہیں کالی گھٹا کی طرح سے  
 ہنس پڑو ، بجلی بھی چمکاؤ خدا کے واسطے  
 پاس رسوائی کا دونوں جانبوں سے شرط ہے  
 میں تمہیں ، تم مجھ کو سمجھاؤ خدا کے واسطے

## ۱۶۹

اچلا وہ راہ جو سالک کے پیش پا آئی  
 ٹھہر گیا جو کہیں بوے آشنا آئی  
 بہارِ گل میں ہیں دیوانے جامے سے باہر  
 پری کا بھیس ہے بدلے ہوئے بلا آئی  
 لیا جو بوسہ تو ہنس کر یہ اُس صنم نے کہا  
 خدا سے شرم نہ اے بندہ خدا آئی  
 شراب آن کو پلا کر ہوئی پشیمانی  
 وہ بے حجاب ہوئے تو مجھے حیا آئی

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۸۰ ، نول کشور قدیم ص ۲۵۲ ، جدید۔

ص ۳۹۸ -

۲۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۸۰ ، نول کشور قدیم ص ۲۵۲ ، جدید ص ۳۹۸ -

لباسِ کعبہ کا حاصل کیا شرف اُس نے  
جو کوئے یار میں کالی کوئی گھٹا آئی  
سروپیاں ہیں ، نہیں دونوں ابروئے خم دار  
وہ منہ چڑھے ترے جس کی کہ ہو قضا آئی  
ہماری خاک رہی کوئے یار کی مشتاق  
پہنچتی اڑ کے ، نہ ایسی کوئی ہوا آئی  
نہ روزِ حشر بھی فریاد ہو سکی مجھ سے  
جفاے یار کے اڑے مری وفا آئی  
مریضِ عشق کیا حسنِ یار نے جب سے  
مزاج سے نہ موافق کوئی دوا آئی

۱۷۰

اسانپ کا زہر وہ گیسو ہیں آگنے والے  
آہوئے چشم چھلاوے کو ہیں چھلنے والے  
کشتہ ہم بھی تری نیرنگی کے ہیں یاد رہے  
او زمانے کی طرح رنگ بدلنے والے !  
کششِ عشق میں بارے اثر اتنا تو ہوا  
پھر کھڑے ہوتے ہیں منہ پھیر کے چلنے والے  
حسن نے روشنی خورشید کی پیدا کی ہے  
شب کو بابر نہیں وہ گھر سے نکلنے والے  
آئینہ رکھ کے کیا ہے جو کبھی تم نے بناؤ  
خاک میں مل گئے ہیں دیکھ کے چلنے والے



پاؤں تک تیرے جو پہنچے نہیں اے مایہ ناز  
 کفِ افسوس وہی ہاتھ ہیں ملنے والے  
 گوش زد ہو تو کہیں کوس سفر کی آواز  
 چل کھڑے ہوں گے کمر باندھ کے چلنے والے  
 یہی سوزش ، یہی گرمی ہے اگر نالوں کی  
 صورتِ موم ہیں فولاد پگھلنے والے  
 باغِ عالم میں یہی اپنی دعا ہے ہر صبح  
 رہیں سرمبز شجر پھولنے پھلنے والے  
 آن سے کہہ دو نہیں آہستہ جو رکھتے دو گام  
 گر بھی پڑتے ہیں بہت دوڑ کے چلنے والے  
 نعمتِ عشق کا راغب نہیں کوئی پاتا  
 مر گئے کیا غم و غصہ کے نکلنے والے  
 اشک باقی جو نہ آنکھوں میں رہے تو نہ رہے  
 جگر و دل میں لہو ہو کے نکلنے والے  
 بس قلم صفحہ ہستی سے اٹھا اے آتش !  
 ڈھل چکے شعر جو تھے فکر سے ڈھلنے والے

## ۱۷۱

اٹھتے ہی تیرے بزم سے سب اٹھ کھڑے ہوئے  
 وہ یار رہ گئے کہ جو تھے غش پڑے ہوئے  
 نالوں سے میرے ہل گئے رنگیں اداۓ دہر  
 بلبل کو سن کے کان گلوں کے کھڑے ہوئے

بے نشہ شرابِ محبت نہ جائیں گے  
 ساقی کے در پہ اب تو میں ہم بھی اڑے ہوئے  
 ٹھیک آئی تن پہ اپنے قبائے برہنگی  
 باقی لباس چھوٹے ہوئے یا بڑے ہوئے  
 جو بیچ گئے ہیں جنبشِ مژگانِ نازا سے  
 ارہ کے نیچے حشر میں ہوں گے کھڑے ہوئے  
 دیوانگانِ عشق جو زینت پسند ہوں  
 سونے کی بیڑیوں میں ہوں ہیرے جڑے ہوئے  
 بے مسر یار کا نہ گلہ ہم سے ہو سکا  
 پھوٹے نہ تھے جو دل میں پھپھولے پڑے ہوئے  
 کشتوں کی طرح زیست میں تیرے نیاز مند  
 شمشیرِ ناز سے رہے بے دم پڑے ہوئے  
 آئینے نے کیا ہے جو صورت سے آشنا  
 گردن میں آن کی ہاتھ ہیں آن کے پڑے ہوئے  
 باتوں میں آن کی ہو گئی عاشقِ غریب قتل  
 تلوار کی طرح جو وہ منہ کے کڑے ہوئے  
 روزِ وصال آنکھوں کو اپنی دکھائے گا  
 روزِ شبِ فراق کے لچٹھن جھڑے ہوئے  
 ساقی کی بندگی نے کیا خاتمہ بخیر  
 خم کے تلے ہیں سے کدے میں ہم گڑے ہوئے

۱ - کلیات نولکشور و لاہور میں ہے: ”مژگانِ یار سے“ نسخہء علی بخش مطابق متن ہے۔

۲ - کلیات طبع علی بخش: ”سے کدے میں ہم کھڑے ہوئے۔“



اب پاؤں رکھ کے وہ نہیں چلتے زمین پر  
 اک اک کڑے کے ساتھ ہیں دو دو چھڑے ہوئے  
 بوسہ جو خال لب کا لیا ، یار نے کہا  
 اس تل کا تیل پی کے ہو چکنے گھڑے ہوئے  
 نہ فکرِ شعر ہے ، نہ وہ مضمونِ تلاشیاں  
 آتش سے تو نہیں کہیں خواجہ لڑے ہوئے

## ۱۷۲

طاقِ ابرو ہیں پسندِ طبعِ اک دلِ خواہ کے  
 عمر ہوتی ہے بسرِ گنبد میں بسمِ اللہ کے  
 جاؤں کیونکر بن بلائے اس بتِ دلِ خواہ کے  
 بے طلب کوئی نہیں پہنچا حضور اللہ کے  
 رومے نورانی کا تیرے ہو گیا ہے شک جو یار  
 رات بھر دوڑا ہوں کیا کیا پیچھے پیچھے ماہ کے  
 شام وصل آئی ادھر موجود تھی صبحِ فراق  
 کم گھڑی سے بھی پھر ہیں اس شبِ کوتاہ کے  
 داغِ عشقِ حسن کا لقمہ نوالہ ہے کڑا  
 سیرِ دل ہیں کھانے والے اس غمِ جاں کاہ کے  
 کہتے ہیں شاعر قیامت ہوگی قدِ یار سے  
 مرد عاشق ہیں ، مقرر ہیں ہم تو اس افسواہ کے  
 ناتوانی سے ہے حالت غیر ہجرِ یار میں  
 دم نکل جاتا ہے اپنا ساتھ ہر اک آہ کے

عشق بُت میں کوہ پر جا جا کے سر ہٹکا کیے  
 پاؤں کو صدمے رہے پست و بلندِ راہ کے  
 سالِ ہا عشق زخداں نے لہو پانی کیا  
 مدتوں روئے ہیں جا جا کر کنارے چاہ کے  
 حشر تک یوں ہی رہیں گے غمزہ و انداز و ناز  
 عشق عالی منزلت سے ، حُسن والا جاہ کے  
 جا نکلتا ہے جو مجھ سا تشنہ دیدارِ حُسن  
 ذکرِ یوسف کرنے لگتے ہیں کبوتر چاہ کے  
 منزلِ مقصود میں چل کر نکالوں گا آنہیں  
 آبلوں میں یہ جو ہیں پیوست کانٹے راہ کے  
 اُس بُت بے دیں کی زلفوں کا اشارہ ہے یہی  
 اِس بلا میں وہ پھنسیں عاشق ہوں جو اللہ کے  
 کب ساتی ہے نظر میں روشنیِ آفتاب  
 چشمِ بینا رکھتے ہیں ذرے تری درگاہ کے

## ۱۷۳

اُسوے دورِ مئے خوش گوار راہ میں ہے  
 خزاں چمن سے ہے جاتی ، بہار راہ میں ہے  
 گدا نواز کوئی شہ سوار راہ میں ہے  
 بلند آج نہایت غبار راہ میں ہے  
 شباب تک نہیں پہنچا ہے عالمِ طفلی  
 ہنوز حُسنِ جوانی یار راہ میں ہے



عدم کے کوچ کی لازم ہے فکر ہستی میں  
 نہ کوئی شہر ، نہ کوئی دیار راہ میں ہے  
 طریقِ عشق میں اے دل ! عصائے آہ ہے شرط  
 کہیں چڑھاؤ ، کسی جا آتار راہ میں ہے  
 طریقِ عشق کا سالک ہے ، واعظوں کی نہ سن  
 ٹھگوں کے کہنے کا کیا اعتبار راہ میں ہے  
 جگہ ہے رحم کی یار ایک ٹھوکر آس کو بھی  
 شہیدِ ناز کا تیرے مزار راہ میں ہے  
 سمندِ عمر کو اللہ رے شوقِ آسائش  
 عنانِ گسستہ و بے اختیار راہ میں ہے  
 نہ بدرقہ ہے ، نہ کوئی رفیق ساتھ اپنے  
 فقط عنایتِ پروردگار راہ میں ہے  
 نہ جائیں آپ ابھی دوپہر ہے گرمی کی  
 بہت سی گرد ، بہت سا غبار راہ میں ہے  
 تلاشِ یار میں کیا ڈھونڈھیے کسی کا ساتھ  
 ہمارا سایہ ہمیں ناگوار راہ میں ہے  
 جنوں میں خاک آڑاتا ہے ساتھ ساتھ اپنے  
 شریکِ حال ہمارا غبار راہ میں ہے  
 سفر ہے شرط ، مسافرِ نواز بہتیرے  
 ہزار ہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہے  
 کوئی تو دوش سے بارِ سفر آتارے گا  
 ہزار راہ زن امیدوار راہ میں ہے  
 مقام تک بھی ہم اپنے پہنچ ہی جائیں گے  
 خدا تو دوست ہے ، دشمن ہزار راہ میں ہے



بہت سی ٹھوکریں کھلوائے گا یہ 'حسن ان کا  
 بتوں کا عشق نہیں ، کوہسار راہ میں ہے  
 بلائے جانِ مسافر ہے خوابِ شیریں بھی  
 یہی وہ شہد ہے جو زہر مار راہ میں ہے  
 پتا یہ کوچہ قاتل کا سن رکھ اے قاصد !  
 بجائے سنگِ نشان اک مزار راہ میں ہے  
 پیادہ پا ہوں رواں سوئے کوچہ قاتل  
 اجل مری مرے سر پر سوار راہ میں ہے  
 چلا ہے تیر و کہاں لے کے صید گاہ وہ ترک  
 خوشا نصیب وہ جو جو شکار راہ میں ہے  
 تھکیں جو پاؤں تو چل سر کے بل ، نہ ٹھہر آتش  
 گلِ مراد ہے منزل میں ، خار راہ میں ہے

## ۱۷۲

'عدم سے جانبِ ہستی تلاشِ یار میں آئے  
 ہوائے گل میں ہم کس وادیِ پر خار میں آئے  
 نہ چین اے ترکِ لے رحمِ ابروئے خم دار میں آئے  
 لگا خامی کا دھبہ ، بل جہاں تلوار میں آئے  
 اٹھائے بارِ عشق اس عالمِ غدار میں آئے  
 کہاں سے ہم کہاں پکڑے ہوئے بیگار میں آئے  
 اشارہ ہے یہی آن کے لبِ شیریں کے خالوں کا  
 ملانے کو نمکِ ہم شربتِ دیدار میں آئے



نہ دی ہو ایک نے اے گلبدن ! تیرے پسینے کی  
 ہزاروں عطر کھنچ کر طبلہٴ عطار میں آئے  
 کمندوں سے نہیں کم سبوحہ و زنار کے حلقے  
 پھنسنے وہ جو فریبِ کافر و دیس دار میں آئے  
 خریداروں میں عاشق اپنے ناموں کو ہیں لکھواتے  
 تماشا ہے ، وہ یوسف بن کے ہیں بازار میں آئے  
 نموے سبزۂ نورس نہیں آس روئے رنگیں ہر  
 جنابِ خضر بہر سیر ہیں گلزار میں آئے  
 ہر اک حلقے میں آن زلفوں کے ہیں سوسو دلِ عاشق  
 بہت سے 'مشتری' مشک ہیں تاتار میں آئے  
 بہارِ 'حسن' دکھلائی نہ مشتاقوں کی آنکھوں کو  
 نہ نکلے گھر سے تم ، گل باغ سے بازار میں آئے  
 رہا اے بادشاہِ 'حسن' تو جس قصرِ عالی میں  
 'ہما بہر' سعادت سایہٴ دیوار میں آئے  
 گئے جس بزم میں ، روشن چراغِ 'حسن' سے کر دی  
 بہارِ تازہ آئی ، تم اگر گلزار میں آئے  
 وضو ہوتے ہیں سے ، خشتِ خم پر شکر کے سجدے  
 نمازی لوگ بھی ہیں خانہٴ خمار میں آئے  
 کیا ہے 'حسن' نے سلطانِ خوباں ، چاہیے تم کو  
 ملے داد آن کی ، فریادی جو ہیں سرکار میں آئے  
 آڑے ہوش اپنے نظارے میں اے گل تیری صورت کے  
 غش آیا جب مقامِ نرگسِ بیمار میں آئے  
 جوانی ہے کہاں اب یار کی وہ صورت طفلی  
 ہوئے ڈھنگ اور ہی ، رنگ اور ہی رخسار میں آئے

مشقّت کر کے دیوانے نہ تھے جو بے سبب آئے  
 پری کو ڈھونڈھنے اس قصرِ مینا کار میں آئے  
 بجا کرتے ہیں نحوی احتمالِ صدق و کذب آؤں  
 بہت سے مختلف احوال بھی اخبار میں آئے

## ۱۷۵

معرفت میں تیری ذاتِ پاک کے  
 اڑتے ہیں ہوش و حواسِ ادراک کے  
 گل کھلے پُرزے اڑا پوشاک کے  
 پاؤں پھیلا تا بدامن چاک کے  
 نام لے سکتے نہیں محبوب سے  
 کیا کہیں کُشتے ہیں کس سفّاک کے  
 وہ گریباں آگ میں رکھ دیجیے  
 موسمِ گل میں جو ہوں بے چاک کے  
 خوش نویسوں سے میں لکھواتا ہوں وصف  
 لام سی کاکل ، الف سی ناک کے  
 قید رکھتے موسمِ گل کی نہیں  
 ولولے تیرے گریباں چاک کے

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۸۳ ، نول کشور قدیم ص ۲۵۵ ، جدید  
 ص ۴۰۲۔ نول کشور و لاہور کی یہ آخری غزل ہے اور دیوان کا دوسرا  
 حصہ یہاں ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن علی بخش ایڈیشن میں چودہ غزلیں اور  
 بھی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ نول کشوری ایڈیشن کلیات آتش طبع اول  
 پر مبنی ہے۔ رجب علی نے ۱۲۶۸ھ میں جب دوسرا ایڈیشن مرتّب  
 کیا تو بہت سے کلام کا اضافہ ہوا جسے نسخہ نول کشور کے مؤلفین نے  
 درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور دیوان ناقص ہی چھپتا رہا۔



صید گاہِ عشق میں مُردار ہے  
 صید جو قابل نہیں فتراک کے  
 مست ہو کر جائیں گے اے مغبجو!  
 آئے ہیں بنت العناب کو تاک کے  
 تیرے دیوانوں سے بننے کی نہیں  
 آگ کی پریاں ہیں انسانِ خاک کے  
 توڑنے والے گلِ زنبق کے ہیں  
 کاٹنے والے چمن کی ناک کے  
 بحرِ آفت میں بہارِ باغ ہے  
 پھولتے ہیں دست و پا تیراک کے  
 نیشکر کی پور اے شیریں دہن  
 پھینکی ہے آگے تری مسواک کے  
 آفریں! صد آفریں! دستِ جنوں  
 خوب ہی لٹے لیے پوشاک کے  
 عشق میں رہتے ہیں آتشِ سامنے  
 بے مروت، بے وفا، بے باک کے

۱۷۶

بخارِ دل ہے گھر آیا سحاب کے بدلے  
 اک آگ ہے کہ برستی ہے آب کے بدلے

- 
- ۱ - بنت العناب - انگور کی بیٹی، شراب -
  - ۲ - یہ غزل کلیاتِ آتش طبعِ علی بخش (ص ۲۸۳) کے حاشیے سے شروع ہوتی ہے اور مرتتب نے اس کا نمبر ۱۱۷ لکھا ہے - باقی مطبوعہ نسخوں میں یہ اشعار اور اس کے بعد کی غزلیں موجود نہیں -

دو داغِ دوں میں مہ و آفتاب کے بدلے  
 فلک سے لوں ہستم بے حساب کے بدلے  
 لہو پلاتی ہے فرقتِ شراب کے بدلے  
 کھلاتی ہے غم و غصہ کباب کے بدلے  
 صباحِ حشر بھی آنکھوں کو میں نہ کھولوں گا  
 خیالِ یار ہے بند ان میں خواب کے بدلے  
 تمہارے کان کی بجلی تمہاری زلف ہے بس  
 شراب پینے کو برق و سحاب کے بدلے  
 زمانہ رہتا نہیں ایک حال پر اے دوست !  
 کبھی تو لطف بھی فرما ، عتاب کے بدلے  
 عجب ہے کیا جو گلا کاٹ کے مریں عاشق  
 ملی ہے تیغ انہیں 'حسنِ شباب' کے بدلے  
 نہ دوں کبھی ترے بالوں کے چاند سورج کو  
 فلک جو مانگے مہ و آفتاب کے بدلے  
 عزیز ہم سے کرو آبِ تیغ تم افسوس  
 پلاتے پیاسے کو شربت ہیں آب کے بدلے  
 اشارہ حسنِ خدا دادِ یار کا ہے یہی  
 گناہِ عشق کیا کر ثواب کے بدلے  
 یہ آرزو ہے کہ زینِ سہمندِ یار میں ہوں  
 بہاری آنکھوں کے حلقے رکاب کے بدلے  
 یہ طولِ عمر ہمیں دے رہا ہے ایذا میں  
 کسے قبول تھی پیری شباب کے بدلے  
 تمہاری تیغ جو دریاے خوں کرے جاری  
 سر اور نن بہیں موج و حباب کے بدلے



اڑھا ہوں علمِ محبت میں روزِ بسمِ اللہ  
 کتابی چہرہ ہے دیکھا کتاب کے بدلے  
 لگی ہے دیر بہت نامہ بر کے پھرنے میں  
 وہ خود ہی آتے ہیں ، خط کے جواب کے بدلے  
 ہوا میں دخترِ رز پر جو غش تو ساقی نے  
 دیے شراب کے چھینٹے ، گلاب کے بدلے  
 اسیر ہم ہوئے ، سودا ہوا آسے آتش  
 دھرمے گئے دلِ خانہ خراب کے بدلے

## ۱۷۷

مضمون حسن و عشق نہیں کس غزل میں ہے  
 مینیے اگر تو لطف ہماری زُئل میں ہے  
 دارِ فنا سے آٹھ گئے کیا کیا نہ تاج دار  
 کسری نہ طاق میں ، نہ فریدوں محل میں ہے  
 معشوق بن کے آئیں گے مجھ تک بلائے جاں  
 مہندی بندھی ہوئی ابھی پائے اجل میں ہے  
 خالِ رخِ حبیب کا ہے دل میں اپنے نقش  
 اس مور کے بھی ملکِ سلیماں عمل میں ہے  
 برچند قید رکھتے نہیں ہو مکان کی تم  
 خالی جگہ تمہارے لیے ہر محل میں ہے  
 انجامِ کار کون سے آغاز کا نہیں  
 شامِ ابد نوشتہ روزِ ازل میں ہے



لے یار سیرِ باغ ہے بے لطف و بد مزہ  
 خوشبو نہ پھول میں ہے ، حلاوت نہ پھل میں ہے  
 خاموش رہیے یا تو نہ تکرار کیجیے  
 کچھ لطف گفتگو نہیں رد و بدل میں ہے  
 شرِ زمانہ سے نہیں لے عشق کے نجات  
 چاہے جو چین تو اسی حسنِ عمل میں ہے  
 روتا ہوں بسکہ میں رخِ رنگیں کی یاد میں  
 ہر طفلِ اشک دا بے گلستانِ بغل میں ہے  
 اے شاہِ حسن تو نے جو پہلو کیا ہے گرم  
 بو سلطنت کی تیرے گدا کی بغل میں ہے  
 نیلوفر آنکھ ہے مرے دریاے حسن کی  
 شہرِ زنگِ مردمک نہیں ، بھنورا کنول میں ہے  
 بے صبر دل نہ عشق میں اس سیمِ بر کے ہو  
 مفلس ذلیل دیدہ اہل دُول میں ہے  
 کیا ہاتھ اس نگار سے مرجاں سلانے گا  
 پنچہ کرے ، یہ زور کہاں دستِ شل میں ہے  
 غنچے شگفتہ ہوتے ہیں ، آتے ہی فصلِ گل  
 کپڑوں کے پھاڑنے کی بہار آج کل میں ہے  
 بے داغِ عشق کیوں نہ مرا دل بجھا رہے  
 اندھیر ہے چراغ نہیں جس کنول میں ہے  
 عاشق کے جذبِ دل کو بھی کچھ کم نہ جانیے  
 اس میں بھی وہ اثر ہے جو حب کے عمل میں ہے  
 ہر دل میں منزلت ہے ترے داغِ عشق کی  
 خورشید کو شرف ہے تو برجِ حمل میں ہے



کیا بھاگتا ہے تیرِ حوادث سے ، جاے امن  
 فولادی قلعے میں ، ہے نہ سنگیں محل میں ہے  
 ہشیار رشک کرتے ہیں آتش کی چال پر  
 دیوانہ خوش پری لیے اپنی بغل میں ہے

## ۱۷۸

فصل گل میں کس کو عقلِ ذوفنوں درکار ہے  
 لالہ پھولا ہے ، ہمیں داغِ جنوں درکار ہے  
 ہجر میں کس کو شرابِ لالہ گوں درکار ہے  
 چار چلتو غم کے پی لینے کو خوں درکار ہے  
 تجھ سوا دنیا و مافیہا سے کچھ مطلب نہیں  
 تو ہمیں اے کائنات کاف و نون درکار ہے  
 پاؤں بسم اللہ کہہ کر رکھ طریقِ عشق میں  
 فال کی حاجت ، نہ کچھ اس میں شگوں درکار ہے  
 دیدہ و دل دونوں صورت آشناے یار ہوں  
 صاف آئینے سے بیرون و درون درکار ہے  
 کوچہ جلاّد میں گردن جھکا کر رکھ قدم  
 یہ ادب کا ہے محل ، یاں سر نگوں درکار ہے  
 واردِ ماتم سراے دہر ہوں میں ، مجھ کو کیا  
 محفلِ عشرت میں چنگ و ارغنون درکار ہے  
 زندگی کی گور میں اے دل نہ ہوں بے تابیاں  
 راہ میں تحریک ، منزل میں سکوں درکار ہے

بد زبانی سے تمھاری یہ ہمیں ظاہر ہو  
 خوب صورت کے لیے خوئے زبوں درکار ہے  
 درہمِ داغِ جنوں دے موسمِ گل بے شمار  
 حوصلے سے مجھ کو یہ دولتِ فزوں درکار ہے  
 یہ لبِ جاں بخش و چشمِ یار سے ظاہر ہوا  
 دل فریبی کو بھی اعجاز و فسوں درکار ہے  
 بعدِ مدت کے قدم رکھتا ہے قصرِ یار میں  
 اب ہمیں استادگیِ مثلِ ستوں درکار ہے  
 سخت جاں ہوں ایک دو سے نیم جاں رہ جاؤں گا  
 قتلِ عاشق کو حسینوں کا قشوں درکار ہے  
 سرو سے قد کا ترے دیوانہ ہوں او سبزہ رنگ  
 سر پٹکنے کو زبرد کا ستوں درکار ہے  
 چاہتا ہوں واسطے عقبی کے میں حسنِ عمل  
 کس کو آتشِ دولتِ دنیاے دوں درکار ہے

۱۷۹

موسیٰؑ و فرعون میں کچھ فرق ، غافل ! چاہیے  
 آدمی کو امتیازِ حق و باطل چاہیے  
 انتظامِ ملکِ وحشت کے لیے دل چاہیے  
 اس علاقے کے لیے دیوانہ عامل چاہیے  
 حسن کا دکھلائے جلوہ عشقِ کامل چاہیے  
 شہد سے شیریں ہو ، یہ زہرِ ہلاہل چاہیے  
 موسمِ خطِ یار سے ہو جائے حاصل ، چاہیے  
 اس عبارت میں سے نکلے مطلبِ دل چاہیے



دید کو تجھ سے کہ روشن دیدہ و دل چاہیے  
 لتو ، تری پروانے کو اے شمعِ محفل چاہیے  
 خوش نما ہے نازِ لیلیٰ سے تری کافر ادا  
 چاہیے تو تجھ کو اے شیریں شائل چاہیے  
 لشکرِ اندوہ و غم سے سامنا ہے عشق میں  
 خونِ دل بھی اشک کے ہو جائے شامل چاہیے  
 کون ہے تجھ سا سزاوارِ پرستش دوسرا  
 بندہ پرور ! سر ترے سجدے کے قابل چاہیے  
 یہ کھلا تن پروری سے اہل دنیا کی ہمیں  
 چار دیوارِ عناصر کو بھی کہگل چاہیے  
 دل ہے جس لیلیٰ کا مجنوں اس سے رکھتا ہوں غرض  
 ناقے سے مطلب ہے کچھ مجھ کو نہ محمل چاہیے  
 نقشِ پامے رفتگاں سے یہ صدا ہے آ رہی  
 دو قدم میں راہ طے ہے ، شوقِ منزل چاہیے  
 اشکِ خونی اس قدر شوقِ شہادت میں بہا  
 پیرہن ہو جائے تیرا رختِ بسمل چاہیے  
 کافی اپنے واسطے ہے ، جو ہے قسمت میں لکھا  
 کچھ نہ باقی چھوڑ جانا ہے ، نہ فاضل چاہیے  
 نزع میں آ کر مرے بالیں پہ اس بت نے کہا  
 حقِ تعالیٰ پر نظر ہنگامِ مشکل چاہیے  
 جنبش اس ابرو کی کس کس کا میں کرنے کی خوں  
 سر ہزاروں ہوں گے ، خیر تیغِ قاتل چاہیے  
 اور کچھ تجھ سے طلب ہم کو نہیں اے آسماں !  
 شعر گوئی کو زمینِ سیر حاصل چاہیے

کعبے میں جا کر خدا سے یہ دعا مانگوں گا میں  
 عشقِ بت میں سر کے ٹکرانے کو ساحلِ چاہیے  
 بے تصورِ دل مکانِ یار ہونے کا نہیں  
 بند کرنے کو پری شیشے میں ، عاملِ چاہیے  
 سامنا ہونا ہے 'ترکِ تیغِ زن کا ایک دن  
 دل کو بے تابی سے مشقِ رقصِ بسملِ چاہیے  
 دیدہ و دل بھی ترے شیدا ہیں اے زہرہ جبین !  
 ان فرشتوں کے لیے بھی چاہِ بابل چاہیے  
 پیشتر منزل سے مر جا اشتیاقِ گور میں  
 بھول جائے یادِ خلوت میں یہ محفلِ چاہیے  
 باوجودِ قربِ دریا ہے 'درِ مقصودِ گم  
 خاک سر پر ڈالنی یاں مثلِ ساحلِ چاہیے  
 آسمان پر روح ، تن زیرِ زمیں کیونکر نہ جائے  
 الہی اپنی گور ، اپنی اپنی منزل چاہیے  
 شعر گوئی کے لیے جمعیتِ خاطر ہے شرط  
 اس مشقت کے لیے مزدورِ خوشِ دل چاہیے

۱۸۰

اکیا کامِ خاصگانِ خدا کو ہے عام سے  
 غافل ہے یہ خلافِ جماعتِ امام سے  
 رہتی ہے ہمسری انہیں ماہِ تمام سے  
 دکھلاتے ہیں وہ چاند سی صورت کو شام سے

۱ - یہ غزل بھی صرف کلیات طبع علی بخش میں ہے اور ص ۲۸۶ کے متن  
 و حاشیہ سے ہوتی ہوئی ص ۲۸۷ پر ختم ہوتی ہے ۔

نفرت ہوئی ہے دل کو یہ فعلِ حرام سے  
 قرے آتی مجھ کو دخترِ رز کے ہے نام سے  
 ساقی کچھکا ہمیں بھی مٹے لعلِ فام سے  
 ہم کو بھی چشم داشت ہے چشمک کی جام سے  
 کھنچنے دو ، دورِ یار کو ماہِ تمام سے  
 ہمت بلند چاہیے دو ہاتھِ بام سے  
 چمکے گا وہ رخ اور خطِ مشکِ فام سے  
 فوق اس سیہ قلم کو ہے مینے کے کام سے  
 غافل نہیں قضا و قدر اپنے کام سے  
 آگلی ہی پڑتی ہے یہ سروہی نیام سے  
 باہر حساب سے کرمِ بے شمار ہے  
 باراں ہے ایک قطرہ ترے فیضِ عام سے  
 کیونکر شبِ فراق کٹی ، کچھ نہ پوچھیے  
 چٹلائے نام صبح کا لے لے کے شام سے  
 بسمل کی طرح لوٹتے ہیں مست ، ساقیا !  
 شیشے سے ہوشیار ! خبردار جام سے  
 ابرو و چشم و زلف میں کیا ہیں صنعتیں  
 تصویر لے خبر ہے مصوّر کے کام سے  
 جس گھر سے تم نکلتے ہو ، ہوتا ہے گوش زد  
 شورِ الفراق کا در و دیوار و بام سے  
 تیرے قدم سے گھر میں مرے امے شبِ وصال  
 نورِ سحر کی روشنی ہوتی ہے شام سے  
 زلفوں سے بد بلا ہوئی چشمِ سیاہِ یار  
 شاہیں کے پنچے میں پھنسے ، چھوٹے جو دام سے



اے برہمن ! تجھے مری توقیر چاہیے  
 بُت پوجنے کو آیا ہوں بیت الحرام سے  
 بحرِ جہاں کے شور سے آتی ہے یہ صدا  
 منزل میں ہے جو کوچ کیا اس مقام سے  
 سر نامے سے زیادہ تر ان کا ہو رُوسیاہ  
 لکھتے ہیں غیر یار کو خط میرے نام سے  
 صیّادِ حسن کھیلتا ہے جب شکارِ عشق  
 بلبِل کو پھانستا ہے رگِ گل کے دام سے  
 عریاں کو تیرے قید نہیں پیرہن کی ہے  
 یہ ذوالفقار رہتی ہے باہر نیام سے  
 سوداے زلف میں ہے مجھے جس قدر خوشی  
 شادی نہ روزہ دار کو اتنی ہو شام سے  
 شاعر ہوں ، کیا سمجھ کے ہنسوں بادہ خوار پر  
 قولِ دروغ کم نہیں فعلِ حرام سے  
 اللہ رے شان و عظمتِ بتِ خناہاے ہند  
 ہر آستان بلند ہے کعبے کے بام سے  
 آوازِ دوست آتی ہے پردے سے ساز کے  
 ظاہر ہے وجدِ صوفیِ عالی مقام سے  
 گردش میں رہتے ہیں تو رہیں ہفت آسماں  
 جنبش نہ ہوگی قطب کو اپنے مقام سے  
 مغرور کس قدر ہیں حسینانِ روزگار  
 عاشق کو کم سمجھتے ہیں اپنے غلام سے  
 بُت خانے سے خدا کی طرف جو پھرا ہوں میں  
 گہی کے چراغ جلتے ہیں مسجد میں شام سے



حیران ہوں نکل کے کدھر سے وہ جائیں گے  
 مسدود راستے ہوئے ہیں اژدہام سے  
 اے مرغِ دل ہے فاصلہ اس زلف و خال میں  
 دانہ ترے نصیب کا باہر ہے دام سے  
 رغبت کی آنکھ ڈالے اس بحرِ حسن پر  
 دریا کو دیکھیے نگہِ تشنہ کام سے  
 کیفیتِ شراب ہے امرد کے حسن میں  
 کیا کیا جواں ہیں مست اس انگورِ خام سے  
 تیرا شہیدِ ناز ہوں ، لینے کو آئیں گے  
 ارواحِ مومنین مجھے دارالسلام سے  
 گھٹتی میں دی ہے دایہ نے مجھ کو شرابِ ناب  
 میں آشنائے دخترِ رز ہوں مدام سے  
 زاہد ! مزا نہ پوچھ شراب و کباب کا  
 دنیا کا لطف ہے اسی آب و طعام سے  
 اللہ رے قدر و منزلتِ پیشواے دیں  
 چار انبیا ہیں مقتدیانِ امام سے  
 دل سوختوں سے گرمیِ حسن و جمال پوچھ  
 آگاہ یہ کباب ہیں آتش کے کام سے

'گستاخ بہت شمع سے پروانہ ہوا ہے  
 موت آئی ہے ، سر چڑھتا ہے ، دیوانہ ہوا ہے



آسیبِ پری جلوہ جانانہ ہوا ہے  
 جس کو نظر آیا ہے وہ دیوانہ ہوا ہے  
 اس عالمِ ایجاد میں گردش سے فلک کے  
 کیا کیا نہیں ہونے کا ہے ، کیا کیا نہ ہوا ہے  
 ساقی نے چھکایا ہے پلا کر جو پیالہ  
 جمشید گدائے در سے خانہ ہوا ہے  
 خالِ رخِ روشن سے یہ روشن ہے الہی  
 قدرت سے تری آگ میں یہ دانہ ہوا ہے  
 تا صبح شب ہجر میں جھپکی نہیں آنکھیں  
 نیند اڑ گئی ہے ، دردِ سر افسانہ ہوا ہے  
 حیرت ہے رخِ روشنِ محبوب کا افشاں  
 کیا ذرہ و خورشید میں یارانہ ہوا ہے  
 خوش رکھتا ہے زنداں میں بھی مجنوں کو تصور  
 لیلیٰ کا سیہ خیمہ ، سیہ خانہ ہوا ہے  
 بلبل نے احد پر ہیں مری پھول چڑھائے  
 موجود لیے شمع کو پروانہ ہوا ہے  
 نالوں سے مرے کون نہ تھا تنگ مرے بعد  
 کس گھر میں نہیں سجدہ شکرانہ ہوا ہے  
 یاد آتی ہے مجھ کو تنِ بے جاں کی خرابی  
 آباد مکان کوئی جو ویرانہ ہوا ہے  
 مطلب کی کہی ہے جو کبھی یار سے ہم نے  
 نامحرم و ناواقف و بیگانہ ہوا ہے  
 زنجیر کا خواہاں نہ ہو سرکارِ جنوں سے  
 بے قید ہوا ہے وہ جو دیوانہ ہوا ہے



اللہ رے مرے عہد میں یوسف کی گرافی  
 قیمت نہ ہوئی تھی سو وہ بیعانہ ہوا ہے  
 ہندو و مسلمان ہیں ترے سجدے کو آئے  
 مسدود درِ کعبہ و بُت خانہ ہوا ہے  
 منہ دھو کے وہ زلفوں کو بنا کر ہیں نکالے  
 آئینے کو دیکھا ہے طلب شانہ ہوا ہے  
 اک طفل کو دکھلا کے کیا کُشتہ فلک نے  
 کس پیر سے کیا کارِ جوانانہ ہوا ہے  
 سچ تو یہ ہے آتش ، نہیں تجھ سا کوئی شاعر  
 شہروں میں ترے جھوٹ کا افسانہ ہوا ہے

## ۱۸۲

اُبتوں سے حسرتِ بوس و کنار باقی ہے  
 ہنوز مرحلہٴ کوہسار باقی ہے  
 یہ مر مٹوں کا ترے یادگار باقی ہے  
 کوئی کوئی جو نشانِ مزار باقی ہے  
 تپِ جنوں سے فقط جسمِ زار باقی ہے  
 بدن کے جامے سے یہ ایک تار باقی ہے  
 حرارتِ آتشِ گل میں ہزار باقی ہے  
 یہی سمجھ کہ دو ہفتہ بہار باقی ہے  
 غبارِ جسم ، نہ جانِ نزار باقی ہے  
 سوار ہے ، نہ تو گردِ سوار باقی ہے

ہوا ہے حشر، نہ خورشیدِ حشر ہے نکلا  
 قیامتِ رخ و بالائے یارِ باقی ہے  
 بلند و پست جہاں سے گزر چکا ہوں کہاں  
 چڑھاؤ روح کو، تن کو اتار باقی ہے  
 وہی ہے حسنِ سفید و سیاہ کا عالم  
 وہی دورنگیِ لیل و نہار باقی ہے  
 دکھا رہے ہیں گل و لالہ اپنا اپنا رنگ  
 طلسمِ بندیِ نقش و نگار باقی ہے  
 چمن کی سیر سے پھرتا ہے مست ہو کے، ہسمیں  
 کنارِ جو بَطِ مے کا شکار باقی ہے  
 دکھائی دیں گے نہ یہ زرد زرد پتے بھی  
 خزاں کی بھی کوئی دس دن بہار باقی ہے  
 ادھر بھی آنکھ اٹھا کر ہے دیکھنا لازم  
 نگاہِ لطف کا آئیدوار باقی ہے  
 سمجھ کم ان کو جو کچھ کھینچتے ہیں خمیازے  
 جوانی نشہ ہے، پیری خار باقی ہے  
 گئی ہے روح یہ کہتی ہوئی بدن میں سے  
 فنا ہے غیر، جو ہے ذاتِ یار باقی ہے  
 نیام میں ابھی قاتل نہ کیجیو شمشیر  
 جھکائے گردن اک آئیدوار باقی ہے  
 مٹا فساد کی بنیاد، نرم کر دلِ سخت  
 وجودِ سنگ ہے جب تک، شرار باقی ہے  
 کہا ہے کس نے نہ آہ و فغاں کرو آتش  
 اٹھاؤ جبر جو خود اختیار باقی ہے



'سرمہ' لگا کے یار نے ترچھی نگاہ کی  
 موت آئی پھر کسی نہ کسی بے گناہ کی  
 آمد ہمارے گھر میں ہے اس رشکِ ماہ کی  
 دعوت فقیر خانے میں ہے بادشاہ کی  
 خط سے رہی وہ آنکھ نہ اس رشکِ ماہ کی  
 سیدھی زوالِ 'حسن' نے ترچھی نگاہ کی  
 آئینے میں جو شکل پر اپنی نگاہ کی  
 مجھ سے زیادہ یار نے حالتِ تباہ کی  
 دیکھی نہ شکلِ دلبرِ خورشیدِ جاہ کی  
 حسرت رہی ملازمتِ بادشاہ کی  
 'بو' یار کی 'سنگھا' کے صبا نے اڑائے ہوش  
 بادِ مراد نے مری کشتیِ تباہ کی  
 فصلِ بہار آئی، مبارک ہو اے جنوں !  
 خار اور آبِ لے سے ملاقاتِ راہ کی  
 ہوگا کبھی تو اس رخِ روشن کا سامنا  
 قلعی کھلے گی آئندہ 'مہر و مہا' کی  
 آجھا میں حالِ دل کے جو کہنے میں تو کہا  
 لکنت زبان گسرتی ہے جھوٹے گواہ کی  
 پھرنا شتاب لے کے خطِ شوق کا جواب  
 قاصد ! تجھے قسم ہے رسالتِ پناہ کی

دل میں ہمارے جلوہ نما ہے خیالِ یار  
 بُرجِ شرف میں روشنی ہے سہروماہ کی  
 ناگفتنی ہے سہر و محبت کا ماجرا  
 مدت بیان ہو نہیں سکتی ہے چاہ کی  
 صورت دکھائی خواب میں بھی تو کبھی کبھی  
 صحبت ہماری آن کی رہی گاہ گاہ کی  
 ماتم کدے میں دہر کے وہ دردمند ہوں  
 بے درد نے بھی سن کے مرا نالہ ، آہ کی  
 پہروں رہا ہے اس شبِ خوباں کے دردِ گوش  
 فریاد جب منی ہے کسی دادخواہ کی  
 دیوانوں کو رعایت اطفال چاہیے  
 سردار قدر کرتے ہیں کیا کیا سپاہ کی  
 کہتے ہیں تیرگی شبِ دیجور کی جسے  
 چشم و چراغ ہے مرے روزِ سبّاہ کی  
 مائل ہے طوفِ کعبہٴ رُو کا نقابِ یار  
 تدبیر پہلے کیجیے اس سَدِ راہ کی  
 پائی مزا گناہ نہ کرنے کی روزِ حشر  
 پوچھی گئی نہ بات کسی بے گناہ کی  
 کھنچتا ہے سوئے یارِ دلِ زار یوں مرا  
 حالت جو کھڑبا کی کشش سے ہو گاہ کی  
 نکلا ہے خط جو اس رخِ رنگیں کے گرد و پیش  
 گل سے سوا نمود ہوئی ہے گیاه کی  
 مجھ ناتواں کی خاک جو اس میں ہوئی شریک  
 اٹھ اٹھ کے بیٹھ بیٹھ گئی گردِ راہ کی



نالاں نہیں دل اپنا زرخدانِ یار میں  
 آواز آ رہی ہے ، گرفتارِ چاہ کی  
 مژگانِ یار سے بھی ہے قاتلِ غبارِ خط  
 خوں ریز ہے سپاہ سے گرد اس سپاہ کی  
 چسپاں قبا ہی یار نہیں خوش نما تجھے  
 زیندہ راستی سے کجی ہے کلاہ کی  
 رنگِ بہار ، بادِ خزاں نے اڑا دیا  
 سرخی نہ گل کی ہے ، نہ وہ سبزی گیاه کی  
 آتش نہ پوچھ ہجر کی شب کس طرح کٹی  
 نالے سے دردِ سر جو ہوا ، تھک کے آہ کی

۱۸۴

اعنایت و کرم ابرِ بہار رکھتا ہے  
 برا بھرا چمنِ روزگار رکھتا ہے  
 جب آئے قابضِ روح اختیار رکھتا ہے  
 درِ فقیر نہیں چوبِ دار رکھتا ہے  
 چمنِ غریب دو ہفتہ بہار رکھتا ہے  
 بہار ہے وہ جو رخسارِ یار رکھتا ہے  
 تصورِ گل و گلشن ہزار رکھتا ہے  
 قفس میں بھی وہی نقش و نگار رکھتا ہے  
 بلا وہ خال ہے جو روئے یار رکھتا ہے  
 یہ مور بھی اثرِ زہرِ مار رکھتا ہے

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۸۹ ، غزل نمبر ۱۲۴ - معلوم ہوتا ہے کہ یہ  
 آخری عمر کا کلام ہے ۔

فسوں کوئی ، نہ تو اعجاز ، یار رکھتا ہے  
 فریبِ حسن سے عاشق کو مار رکھتا ہے  
 دو نیم دل ، لبِ جاں بخشِ یار رکھتا ہے  
 دمِ مسیح ، دمِ ذوالفقار رکھتا ہے  
 وہ کون ہے جو نہیں حسنِ یار کا بندہ  
 جمالِ قدرتِ پروردگار رکھتا ہے  
 عجب ہے خال کا اے شعلہ رو ترے منہ پر  
 سپند آگ میں کیوں کر قرار رکھتا ہے  
 کھلا یہ یار کے الطافِ غائبانہ سے  
 خیال بندے کا پروردگار رکھتا ہے  
 خفا جو ہیں کوئی آن سے مری طرف سے کہے  
 آمیدِ عفو کی تقصیر وار رکھتا ہے  
 عجب ہے کیا کہ جو بُتِ حالِ برہمی پوچھے  
 محال پر بھی خدا اختیار رکھتا ہے  
 محلِ ادب کا ہے ، ٹھکرا کے چل نہ قبروں کو  
 پیادہ ہو کے قدم یاں سوار رکھتا ہے  
 خدا کے حکم سے آئی ہے روحِ قالب میں  
 پری طلسم میں پروردگار رکھتا ہے  
 دروغ سے شعرا کے کھلا یہ حال ہمیں  
 وہ حق کہے جو نہیں خوفِ دار رکھتا ہے  
 خدا کا گھر اسے سنتے ہیں عارفوں سے ہم  
 جمیل کشورِ دل شہریار رکھتا ہے  
 کیا ہے موت نے شرِ زمانہ سے محفوظ  
 پناہ میں مجھے کنجِ مزار رکھتا ہے

ہوا ہے عاشقِ مژگانِ یار طائرِ دل  
 گلا چھری کے تلے یہ شکار رکھتا ہے  
 جدا تو روح کو ہوئے دے جسمِ خاکی سے  
 یہی غبار ہے جو شہسوار رکھتا ہے  
 تلاش رہتی ہے مضمونِ چشم کی شب و روز  
 خراب مجھ کو ہرن کا شکار رکھتا ہے  
 فضول خرچ ہوں ، ڈرتا ہوں ، دیکھیے کب تک  
 حساب میں مجھے روزِ شمار رکھتا ہے  
 پھنسا ہے زلف کے پھندے میں مرغِ دل جب سے  
 وہ حال ہے کہ جو بستہ شکار رکھتا ہے  
 سنی نہ یار نے اک ، غیر نے ہزار کہی  
 یہ سچ ہے ، جھوٹ نہیں اعتبار رکھتا ہے  
 اشارہ نرگسِ بیمارِ یار کا ہے یہی  
 طبیب کو بھی بیمار مار رکھتا ہے  
 نہ باغ باغ رہوں حسن و عشق سے کیونکر  
 بہارِ گل ہے جو دل خار خار رکھتا ہے  
 ہوا جو غصے سے منہ لال لال تو یہ کھلا  
 عتابِ یار بھی رنگِ بہار رکھتا ہے  
 وہی ہے حافظِ اہلِ زمیں بھی جو عامل  
 زمیں کے گردِ فلک کا حصار رکھتا ہے  
 سوال ہے مجھے 'ترکوں سے زخمِ کاری کا  
 کوئی بھی ہمتِ عالی وقار رکھتا ہے ؟



نفس کی آمد و شد سے ہیں دست و پا تپتے  
 نمود دم سے ہسوا کے غبار رکھتا ہے  
 مریضِ عشق کو کیا دو گے شربت دیدار  
 جواں طبیب نہیں اعتبار رکھتا ہے  
 سوال بوسے کا ہم بھی کریں گے اے آتش!  
 سنا ہے خیر کی توفیق یار رکھتا ہے

## ۱۸۵

اُہنر فرشتے کا خاکی بشر نہیں رکھتے  
 پہنچتے اڑ کے، کریں دیا کہ پر نہیں رکھتے  
 نمود یار کی شمس و قمر نہیں رکھتے  
 یہ اعتبار کبھی سیم و زر نہیں رکھتے  
 حقیقت آدمی کی گاؤ خر نہیں رکھتے  
 بیاں میں لطف، زباں میں اثر نہیں رکھتے  
 شریکِ اشک جو لختِ جگر نہیں رکھتے  
 دکانِ عشق میں لال و گہر نہیں رکھتے  
 خوشا وہ مست جو دنیا میں گہر نہیں رکھتے  
 درونِ خانہ و بیرونِ در نہیں رکھتے  
 اشارہ دیدہ بینا کا ہے یہی تجھ سے  
 سوا ترے کوئی مدِ نظر نہیں رکھتے  
 وہ بد مرض ہیں یہ عشق و جنوں کہ اپنے لیے  
 دوا میں اور دعا میں اثر نہیں رکھتے

۱۔ یہ لفظ 'تلتے'، 'تلیتے' اور 'تپتے' پڑھا جاتا ہے۔ بظاہر 'تپتے' ہی ہے۔  
 ۲۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۹۰۔ غزل نمبر ۱۲۵۔

وہ جہالِ ترے ترے کانوں کے اے پری رو! ہیں  
 فرشتے ایسے جواہر کے پر نہیں رکھتے  
 خدا کو اہلِ توکل ہیں جانتے رزاق  
 سحر کے واسطے ہم شب کو دھر نہیں رکھتے  
 کھلا یہ گیسو و رخسارِ نازنیناں سے  
 طلسمِ حسن یہ شام و سحر نہیں رکھتے  
 بتوں کے جور و جفا سے جو رہتے ہیں نالاں  
 مگر یہ لوگ خدا پر نظر نہیں رکھتے  
 نہ کتس کے باندھ سکیں جس کو قتلِ عاشق پر  
 حسین اتنی تو پتلی کمر نہیں رکھتے  
 سعادتِ ابدی سے وہ جو کہ ہیں مایوس  
 مشیتِ ازلی کی خبر نہیں رکھتے  
 مٹی ہے پاؤں میں مہندی انہوں نے پہلے پہل  
 زمیں تو کیا ہے، قدمِ عرش پر نہیں رکھتے  
 سمجھ کم اس کو جو کچھ ہو بتوں سے بے رحمی  
 خدا کا خوف یہ بے داد گر نہیں رکھتے  
 مسافرانہ بسر کر، اشارہ کرتے ہیں  
 کمر بندھی ہوئی یہ نیشکر نہیں رکھتے  
 نہ خوفِ دزد، نہ بے بیمِ حاکمِ ظالم  
 ہزار شکر کہ ہم سیم و زر نہیں رکھتے  
 ہر ایک پھول ہے نرگس کا دیدہ بینا  
 ریاضِ حسن کے گلِ گوش کر نہیں رکھتے  
 علاقہ جسم سے جس وقت تک ہے، خام ہے روح  
 لگاؤ شاخ سے پختہ ثمر نہیں رکھتے



بُتوں کے حسن کی خاطر بھی اک فضیلت ہے  
 کابی چہرہ ہے ، قرآن اگر نہیں رکھتے  
 عجب کی جا ترے بالوں کے چاند سورج ہیں  
 یہ اتفاق تو شمس و قمر نہیں رکھتے  
 نہیں ہے جن کو حلاوت کلام شیریں سے  
 وہ بد مذاق ، مذاقِ شکر نہیں رکھتے  
 گئی عدم کو یہ ہستی سے روح کہتی ہوئی  
 جریدہ روزِ قفایے سفر نہیں رکھتے  
 نہ دیجیے لبِ لعلیں سے گالیاں مجھ کو  
 اگرچہ لعل ہیں پتھر ، شرر نہیں رکھتے  
 نہ ہو جو روح تو پھر جسم کس شمار میں ہے  
 حساب میں صدف بے گھر نہیں رکھتے  
 زباں کو بند سخن گوئی سے کر ، اے آتش !  
 یہ بیت بختی کا ہم دردِ سر نہیں رکھتے

## ۱۸۶

گور میں دل سے خیالاتِ جہاں دور رہے  
 وہ دیار ، اور وہ بستی ، وہ مکان دور رہے  
 عشرت آباد سے آفاتِ جہاں دور رہے  
 برہمی بزم سے ، گلشن سے خزاں دور رہے  
 فطرت پیر سے لازم ہے جواں دور رہے  
 تیر کو پیش کرے ، آپ کہاں دور رہے



ایک دم دل سے نہ جو جانِ جہاں دور رہے  
 حیف آنکھوں سے وہ موجود و عیاں دور رہے  
 دلِ احباب سے فریاد و فغاں دور رہے  
 چیں جہیں سے تری اے راحتِ جاں دور رہے  
 روح کو قالبِ خاکی سے نکل چلنے دے  
 لا مکان سے بہت اے قیدِ مکان دور رہے  
 اتفاقِ ابرو و مژگاں کا ہے شر کی بنیاد  
 خیر ہے، تیر سے جب تک کہ کہاں دور رہے  
 نفع ان سخت نہادوں سے نہیں غیرِ ضرر  
 بیچ میں پڑنے سے دانتوں کے زباں دور رہے  
 یاد فرماتے نہیں سامنے دس دس دن تک  
 بھول جاتے ہیں وہ اک آنِ جہاں دور رہے  
 تلخ کامی دمِ نزع بھی شیریں ہو جائے  
 زندگی میں جو حلاوت سے زباں دور رہے  
 اے زباں! ہجر کی شب کا نہ ہو افسانہ بیاں  
 ہولِ دل سے ہو ایسا خفقاں دور رہے  
 پیشِ منعم نہیں کم مایہ کی عزت ہوتی  
 آبرو چاہے تو دریا سے کنواں دور رہے  
 بند کیں خوابِ اجل نے مری آنکھیں آتش  
 وہ تماشائے جہانِ گزراں دور رہے

۱۸۷

اندیشہٴ صیاد نہ یاں بیمِ خزاں ہے  
 بلبِلِ مرے گلشن کا ہر اک سیفِ زباں ہے



پہلو میں مرے دل نہیں اے اہل جہاں ہے  
 بندہ ہوں میں جس کا ، یہ اُس آقا کا مکان ہے  
 بے تیر مژہ ابروے یار آفتِ جاں ہے  
 تلوار کی بھی طرح سے چلتی یہ کہاں ہے  
 واں اشک فشانی ہے ، نہ یاں شور و فغاں ہے  
 کچھ ہولِ دل آن کو ہے ، نہ مجھ کو خفقاں ہے  
 قد سا ترے اے یار ! نمودار کہاں ہے  
 شمشاد نہ گلشن میں ، نہ لشکر میں نشان ہے  
 غم خانہٴ عاشق میں بھی شادی کا سماں ہے  
 نوبت نہیں تو نوبتِ فریاد و فغاں ہے  
 پہنچے جو تری کُنہ کو اے ذاتِ مقدس  
 اندیشہٴ جبریل سے بھی وہم و گماں ہے  
 مجھ زار سے کھنچنے کا نہیں رنجِ جدائی  
 کمزور کہاں کش ہے ، زبردست کہاں ہے  
 دل دولتِ دنیا سے نہ ہو زر کی طرح سرخ  
 مسجد ہو طلائی تو قیامت کا نشان ہے  
 شیخی و مشیخت نہیں مے خانے میں چلتی  
 یاں پگڑی اچلتی ہے ، خراباتِ مغان ہے  
 ہو ہی رہے گا گوشِ زدِ گل کوئی نالہ  
 بلبِل بھی نہ خاموش رہے ، منہ میں زباں ہے  
 آواز یہی کوچہٴ قاتل سے ہے آتی  
 جلاد ہے موجود ، گنہ گار کہاں ہے ؟  
 مستوں کو بلندی نہ دکھا اے فلکِ دوں  
 اونچی ترے گنبد سے ہر اک مغ کی دکان ہے

دکھلاتے نہیں بہمن و دمے میں بھی منہ اپنا  
 زرد ایسی بہارِ چمنستان سے خزاں ہے  
 فردوس بھی بستی ہے مگر اہلِ دول کی  
 جنت میں جو گھر ہے سو جواہر کا مکان ہے  
 دنیا سے گزرنا سفرِ مصر ہے ہم کو  
 چاہِ لحد اپنے لیے یوسف کا کنواں ہے  
 لختِ دلِ عاشق نہیں یہ آنسوؤں کے ساتھ  
 یوسف کے لیے قافلہٗ اشک رواں ہے  
 نالہ کی کسی قد خمیدہ سے ہے آمیند  
 کیا تیر لگائے گی کبادہ جو کہاں ہے  
 پھیرے گا نہ منہ معرکہٗ عشق سے آتش  
 جاں بازی ہے کھیل اُس کو بہادر جو جواں ہے

## ۱۸۸

اگردن کو جھکائے صفِ احباب کھڑی ہے  
 اُس ترک کی تلوار پہ کیا بھیڑ بڑی ہے  
 پھیریں گے نہ منہ کو تری تلوار سے ، قاتل !  
 ہم دل کے کڑے ہیں ، وہ اگر منہ کی کڑی ہے  
 چرچے مرے نالوں کے عبث کرتی ہے بلبل  
 تو اپنی خبر لے ، تجھے کیا میری پڑی ہے  
 کچھ عشق میں مجنوں ہی سوا ہے ، نہ تو فرہاد  
 لیلیٰ ہی نہ چھوٹی ہے ، نہ شیریں بی بڑی ہے



’رخ کا پتا ملے ، جو وہ زلفِ رسا ملے  
 پوچھوں میں راہِ گنج ، اگر اژدہا ملے  
 بے صرفہ نوش کر نہ مجھے اے غمِ فراق  
 کھا اس طرح کہ تجھ کو ذرا کچھ مزا ملے  
 اے شاہِ حسن ! ہوگی ترقی جہاں میں  
 لے ، جس قدر فقیروں کی تجھ کو دعا ملے  
 عشقِ بُتاں میں لطف اٹھایا ہے ’تو نے کیا  
 آتش سے پوچھیے جو وہ مردِ خدا ملے

’تنگ داسی نے نہ دم لینے کی فرصت دی مجھے  
 رہ گئی دیدِ رخِ صیاد کی حسرت مجھے  
 دستِ حاجت کو کیا تیغِ قناعت نے قلم  
 گنجِ قاروں سے خدا نے دی بڑی دولت مجھے  
 شفقتِ پیرِ دبستاں سے ہوا ابتر میں طفل  
 سات دن کے میلے میں دی سیر کی رخصت مجھے  
 تا کجا کنجِ قفس میں سر کو پٹکوں میں اسیر  
 کھینچ اے موجِ نسیمِ گلشنِ جنت مجھے  
 جوہرِ ذاتی ہے سوزِ سینہ شوریہ دگاں  
 مثلِ ماہی داغِ بنِ آتش ہوئی زینت مجھے



۱ - کلیات آتش طبع علی بخش ، ص ۲۹۲ -

۲ - یہ غزل مصحفی کے تذکرہ ’ریاض الفصحا‘ کے صفحہ ۷ پر ملی ہے -

## فردیات

اسوائے نام کے باقی اثر نشان سے نہ تھے  
زمین سے دب گئے ، جھکتے جو آسماں سے نہ تھے

یادِ ابروئے صنم رکھتی ہے بے تاب مجھے  
نیشِ عقرب ہوئی ہے میری رگِ خواب مجھے

کُشتہ ہیں مثلِ شمع ہم اپنے جلال کے  
اقبال دن دکھاتا ہے ہم کو زوال کے

- 
- ۱ - کلیات طبع علی بخش (ص ۲۹۲) اسی شعر پر ختم ہے - اس کے بعد "تمت" لکھ کر تاریخِ وفات وغیرہ درج کی گئی ہے -
  - ۲ - آخری دونوں شعر صرف "ریاض الفصحا" کے صفحہ ۷ پر ہیں - دیوان میں موجود نہیں -



## مخمس

ابھڑک کے عشق کی سارے بدن میں آگ لگی  
 یہ شعلہ آہ کا نکلا ، دہن میں آگ لگی  
 ترے تو آتشِ رخ سے چمن میں آگ لگی  
 مری تو جان و جگر اور من میں آگ لگی  
 یہ رو رو کہتی تھی بلبل وطن میں آگ لگی  
 یہ کیا حنا تھی منگائی چمن سے شیریں نے  
 اور اس کی خلق میں خوشبو آڑائی شیریں نے  
 ادھر تو ہاتھوں میں مہندی لگاؤ شیریں نے  
 مگر یہ سیر عجائب دکھائی شیریں نے  
 پھر آس طرف کو دل کوہ کن میں آگ لگی  
 کیا علاج اطبّا نے نارسائی سے  
 نہ آخرش ہسوئی صحت کسی دوائی سے  
 یہ رنگ جسم کا ہے تیری آشنائی سے  
 جلے ہے لاش مری آتشِ جدائی سے  
 مدد کو پہنچو صنم ! اب کفن میں آگ لگی  
 تمھاری چپ سے مری چپ زباں ہے ، بولو تو  
 لبوں کو دیکھ کے حیراں جہاں ہے ، بولو تو

۱۔ ”چمن بے نظیر“ صفحہ ۲۴۴ کے علاوہ دوسرے مآخذ میں یہ مخمس  
 موجود نہیں۔ قاضی عبدالودود صاحب فرماتے ہیں کہ شاید دیوان طبع  
 اول لکھنؤ میں شریک اشاعت تھا۔

مرے تو دل میں کچھ اور ہی گہاں ہے ، بولو تو  
 یہ مستی ہونٹوں پہ ہے یا دھواں ہے ، بولو تو  
 یہ سرخی پان کی ہے یا دہن میں آگ لگی ؟  
 بھرے تھے ققمے ہر ایک گل کی جھولی میں  
 گلوں نے گھیر لیا تھا اسے ٹھٹھولی میں  
 بھڑکتے جاتے تھے ہنس ہنس کے رنگ چولی میں  
 کلال زلف میں ان کی پڑا تھا ہولی میں  
 تو لالہ بولا کہ مشکِ ختن میں آگ لگی  
 اگرچہ ہوتے ہیں گل رخ ، ہزار غصے میں  
 پر اس طرح کی نہ دیکھی بہار غصے میں  
 یہ وصف تجھ ہی میں دیکھا نگار غصے میں  
 ہوا جو سرخ ترا چہرہ یار غصے میں  
 تو بلبلوں نے ہی جانا ، چمن میں آگ لگی  
 ہوا اثر کششِ دل کا ، دل میں جب اس کے  
 تو خود بخود وہ لگا دوڑ کر گلے میرے  
 یہ سیر جس نے نہ دیکھی ہو ، آن کر دیکھے  
 طلب جو بوسہ کیا میں نے ، اس بھبھو کے سے  
 زباں تو شمع بنی اور دہن میں آگ لگی  
 ملا ہے نامِ خدا مجھ کو اک صنم ایسا  
 کہ جس کے دیکھے سے ہوتے ہیں سینکڑوں شیدا  
 میں بھولی باتوں کا اس کی بیاں کروں کیا کیا  
 شفق کو دیکھ کے کہتا ہے نوجوان میرا  
 عجب تماشا ہے ، چرخِ کہن میں آگ لگی



## واسوخت

آگے اک یار نہ تھا یار ، ترے یار تھے ہم  
ہمدم و ہم سخن و مونس و غم خوار تھے ہم  
لطف و اشفاق و عنایت کے سزاوار تھے ہم  
مدعی اب جو ہیں مجبور تھے ، مختار تھے ہم  
چیں جبین پر نہ تھی ، رنجش کی نہ یہ باتیں تھیں  
مہربانی تھی ، شب و روز ملاقاتیں تھیں  
آنس تھا ہم سے تمہیں ، ہم تھے تمہارے مائل  
عشق تھا حسنِ خداداد سے ہم کو کامل  
غم و اندوہ و جدائی سے نہ واقف تھا دل  
باغِ عالم میں مرادیں تھیں ہماری حاصل  
سرو قد قمری بے صبر و تحمل ہم تھے  
گل تمہارا رخ گل رنگ تھا ، بلبل ہم تھے  
کوش زد یار ترے نام نہ تھا غیروں کا  
لانے پاتا کوئی پیغام نہ تھا غیروں کا  
خلوت و بزم میں کچھ کام نہ تھا غیروں کا  
گرد حلقہ سحر و شام نہ تھا غیروں کا

۱۔ کلیات طبع علی بخش و نولکشور میں یہ واسوخت نہیں چھپی۔ میں نے  
یہ متن گلدستہ نازنیناں (مولوی کریم الدین) کے صفحہ ۲۴۷ - ۲۵۲  
اور چمن بے نظیر کے حاشیہ صفحہ ۲۵۵ - ۲۶۷ سے نقل کیا ہے۔

دامنِ پاک سے گردِ نجس آگاہ نہ تھی  
 کوچہ گردوں کو طبیعت میں تری راہ نہ تھی  
 دلبری اپنی تجھے رہتی تھی منظور اے دوست  
 ایک دم آنکھوں سے ہم ہوتے نہ تھے دور اے دوست  
 دشمن اس طرح سے پھرتے نہ تھے مغرور اے دوست  
 جو خدا چاہے کرے ، بندہ ہے مجبور اے دوست

پاس ہوتے ہیں وہ جو دور پڑے رہتے تھے  
 بیٹھتے ہیں وہ برابر جو کھڑے رہتے تھے  
 گفتگو چھیڑ کی کرتے ہو سخن سازوں سے  
 پہروں سرگوشی رہا کرتی ہے غمازوں سے  
 حالِ دل کا ہے بیاں تفرقہ اندازوں سے  
 صحبت اب آن رہی ہے خلل اندازوں سے

فرق آیا حرکاتوں میں ، خدا خیر کرے  
 ”نہ“ نکلنے لگی باتوں میں ، خدا خیر کرے

جو کڑی کہتے تھے ہم ، تم پہ اسے سمیتے تھے  
 سخت کہتے تھے تو من کر اسے چپ رہتے تھے  
 رونے لگتے تھے نہ یوں ، پھوٹ نہ یوں بہتے تھے  
 اس مروت پہ تمہاری یہی ہم کہتے تھے

اس پہ قربان رہیں گے ، اسے چاہیں گے ہم  
 منہ سے نکلا ہے جو کچھ اس کو نباہیں گے ہم

کوئی آ سکتا نہ تھا اپنے سوا صحت میں  
 دوسرے کو نہ رسائی تھی تری خدمت میں  
 مختصر قصہ ہمیں ہم تھے ہر اک  
 انجمن میں ہمیں ہوتے تھے ،



مصحفِ رخ کو سمجھتا نہ تھا ایماں کوئی  
 خالِ ہندو کا نہ عاشق تھا مسلمان کوئی  
 کیسی تدبیر تمھاری ہے یہ کیسی تجویز  
 نہ رہی آپ کو ہرگز کس و نا کس کی تمیز  
 چیز ایک آن کو سمجھنے لگے ، جو تھے ناچیز  
 ہم سے دیکھا نہیں جاتا ہے ذلیلوں کو عزیز  
 آن سے نیکی کرو ممنوں جو بد افعال نہ ہوں  
 لوٹیں وہ دولت دیدار جو کچھ مال نہ ہوں  
 عیش باغ آپ کبھی سیر کو جو جاتے تھے  
 خار ہوتا تھا جو بندے کو نہ واں پساتے تھے  
 غنچہ ساں تیری جدائی سے یہ تنگ آتے تھے  
 بھیج کر پیکِ صبا ، ڈھونڈھ کے بلواتے تھے  
 ہر روش پر مجھے تم ساتھ لیے پھرتے تھے  
 ہاتھ میں اپنے مرا ہاتھ لیے پھرتے تھے  
 شاذ تھا رنج ، مری جان ! کدورت نادر  
 حال پر اپنے توجہ تھی تمھاری ظاہر  
 کبھی خدمت میں جو ہوتے نہ تھے چندے حاضر  
 منتیں مانتے پھرتے تھے ہماری خاطر  
 روشنی مسجدوں میں جا کے کیا کرتے تھے  
 چلتے درگہوں میں دن رات بندھا کرتے تھے  
 روز و شب وہ جو رہا کرتی تھی صحبت ، نہ رہی  
 ہم نشینی کی جو خدمت تھی ، وہ خدمت نہ رہی  
 قصہ کوتاہ ہے وہ مہر و محبت نہ رہی  
 منہ دکھانے کو بے ، کوئی صورت نہ رہی



التماس اتنی ' تو رکھتے ہیں تیری ذات سے ہم  
 پھر گیا ' تو ، مگر اپنی نہ پھرے بات سے ہم  
 آٹھ گیا مہر و محبت کا زمانے سے رواج  
 بیٹھے بیٹھے اس الجھ پڑنے کا کیا کیجے علاج  
 یوں تو معشوقوں کا ہوتا ہے تلون کا مزاج  
 پر نہ اتنا بھی کہ کل تھی سو طبیعت نہیں آج  
 یا ہمیں ساتھ رہا کرتے تھے اندر باہر  
 یا ہمیں ہیں کہ ہمیں حکم ہے "باہر باہر"  
 یہی طرزیں ہیں جو صاحب کی ، یہی ہیں انداز  
 ہم نے بھی عہد کیا دل سے بس اے بندہ نواز !  
 نہ کریں گھر کی طرف تیرے کبھی روئے نیاز  
 اس طرف کعبہ بھی ہووے تو کریں ترک نماز  
 واں نکل جاویں جہاں کا نہ پتا ملتا ہو  
 نہ ملیں ، ملنے سے تیرے جو خدا ملتا ہو  
 جانِ جاں دل کا جلانا نہ تمہیں آتا تھا  
 بگڑی صورت کا بنانا نہ تمہیں آتا تھا  
 خندہ زن ہو کے رلانا نہ تمہیں آتا تھا  
 منہ کو دکھلا کے چھپانا نہ تمہیں آتا تھا  
 گرہ ابرو میں نہ تھی کاکل پیچاں کی طرح  
 زلفوں کا رخ نہ پھرا رہتا تھا مڑگاں کی طرح

---

۱۔ گلدستہ نازنیناں میں ہے : "التماس اتنا تو ۔" چمن بے نظیر : "التماس  
 اتنی تو رکھتے ۔"

خود فروشی کے مقید تھے ، نہ خود کامی کے  
پختہ کامی کے چلن چلتے نہ تھے خامی کے  
ہونٹ سلواتے تھے دم بازوں کے پیغامی کے  
ننگ آتا تھا تمہیں نام سے بدنامی کے

پری و حور سے بھی حسن میں مغرور تھے تم  
پاس تم کو نہ کسی کا تھا ، بہت دور تھے تم  
سرمہ دیتے تھے تو آنکھوں کو چراۓ تھے تم  
ہان کھاتے تھے تو منہ کو نہ دکھاتے تھے تم  
سہندی ملتے تھے تو ہاتھوں کو چھپاتے تھے تم  
ہاؤں خلخال پہن کر نہ ہلاتے تھے تم

قتل سے عاشقِ صادق کے وفا مانع تھی  
خونِ ناحق سے تمہیں شرم و حیا مانع تھی  
جو خوشی خاطرِ نازک کی نہیں اُس کا غم  
کہا ئیے ترکِ محبت کی ، جو کھانا ہے قسم  
رہ نہیں سکنے کے بے شغل ، یہی کہتے ہیں ہم  
ڈھونڈھ لیں گے کوئی زیبا صنم عیسیٰ دم

عشق بازی کا نہ بھولیں گے مزا ، یاد رہے  
دل لگا لیں گے ، فرنگی محل آباد رہے

یہ غلط فہمی ہے ”ہم سا کوئی محبوب نہیں“  
کیا کوئی اور زمانے میں خوش اسلوب نہیں ؟  
راست بازوں سے نہ ابرو کی کجی خوب نہیں  
نہ سہی ، دوستی صاحب کو جو مطلوب نہیں

تم کو غیروں کی مدارات مبارک ہووے  
ہم کہ جس سے ہے ملاقات ، مبارک ہووے



ایسا شاہد ہے اب اللہ سے ہم کو مقصود  
 آشنائی جسے مقبول ہو ، رنجش مردود  
 سامنے اپنے تجھے کچھ نہ وہ سمجھے موجود  
 رخ گل رنگ جو دکھلائے تو بھیجے وہ درود  
 نرگسی چشم کا حیرت سے تماشا ہی ہو  
 سنبلیں زلف کی بو سونگھ کے سودائی ہو  
 خوں کرے دل کو تمہارے رگ جاں سی وہ کمر  
 حلقہ ناف کی تنگی سے رہو تنگ اکثر  
 ہاتھ ملتے پھرو ، پڑ جائے جو پاؤں پہ نظر  
 چھلتے ہاتھ آئیں تو گل کھایا کرو چھاتی پر  
 لعل لب دیکھے تو سر پیٹے بہت ننگ سے تو  
 ہونٹ چاٹا کرے نام دہن تنگ سے تو  
 خوی گوش کرے اپنا تمہیں حلقہ بہ گوش  
 پہروں ہی رکھئے وہ گردن کی صراحی مدہوش  
 دیکھ کر آئندہ ساں سینہ ہو حیرت سے خاموش  
 حسن میں اس کے غرض ہو نہ سکے دوش بدوش  
 نقش دل پر ترے نقش در دندان سے رہے  
 خار خار آٹھ پھر کاوش مڑگاں سے رہے  
 مقرر اس کا ہو وہ الزام تجھے جو جو دے  
 عرق شرم سے رخسار و جبین دھو دھو دے  
 خندہ زن ہو کے حقیقت کو تری کھو کھو دے  
 آگے اس گل کے تو شبم کی طرح رو رو دے  
 طعن و تشنیع وہی مہر لقا تجھ کو کرے  
 صورت ماہ نو انگشت نما تجھ کو کرے

طنز آمیز کلامات سے آگاہ کروں  
 چھیڑ کر باتیں بتاؤں اُسے تجھ سے سمجھوں  
 اس کی زلفوں کی طرح کان تک اُس کے پہنچوں  
 جو فرشتے نے نہ پھونکی ہو سو اُس کے پھونکوں  
 دل جلاوے وہ ترا ، تجھ سے جگر جل نہ سکے  
 تجھ سے چل نکلے وہ ، تو اُس سے مگر چل نہ سکے  
 راہ پر لاؤں اسے ، راہ بتاؤں تجھ کو  
 لب لب اس سے رہوں ، منہ نہ لگاؤں تجھ کو  
 تنگ آغوش میں لوں اور دکھاؤں تجھ کو  
 جس طرح تو نے جلایا ہے ، جلاؤں تجھ کو  
 شادماں خاطرِ نازک ہو ، تجھے غم ہووے  
 میرے گھر عید ، ترے گھر میں محرم ہووے  
 گفتگو اتنے لیے تھی یہ شکایت انگیز  
 یاری غیر سے تا آپ کرو تم ہرہیز  
 نقص بے جا کے لیے میرے لکھو دستاویز  
 متوجہ ہو ادھر کو نگہ لطف آمیز  
 پھر پری ہو وہی تم اور وہی دیوانے ہم  
 پھر وہی شمع ہو تم اور وہی پروانے ہم  
 غیر معشوق کا نکلا ہے زباں سے جو نام  
 چھیڑنے کے لیے صاحب کے فقط تھا یہ کلام  
 حرفِ حق کہہ کے یہ واسوخت کو کرتا ہے تمام  
 مت برا مانو اس بات کا ، آتش ہے غلام  
 دوستی غیر سے واللہ جو منظور بھی ہو  
 آنکھ اٹھا کر نہ کبھی دیکھیں ، اگر حور بھی ہو

---



## عبارتِ سرورق کلیات طبع ۱۲۶۳ھ

بہ توفیقِ خداے سخن آفریں و نعتِ رسول سید المرسلین - نسخہ  
 متبرکہ ، حسب الحکم مہر ذیل مطبع کثیر المنافع المسمیٰ بسلطان  
 المطابع : حسب فرمائش برگزیدہ ازلی شیخ رجب علی عفی عنہ ذنبہ  
 الخنمی و الجلی - دیوان دوم خواجہ حیدر علی آتش ، مع الحاقِ غزل ہائے  
 بقیہ کہ بہ تفتیشِ بسیار فراہم آوردہ داخل نمودہ شد ، بمرتبہ<sup>۱</sup> ثانیہ باہتمام  
 کپتان مقبول الدولہ مرزا محمد مہدی علی خاں بہادر قبول ، بہ کارخانہ<sup>۲</sup>  
 علی بخش خاں مطبوع طبایع خاص و عام گردید -



## خاتمة الطبع

۱۲۶۳ھ

لله الحمد والمنة که دریں ایام فرحت فرجام دیوانِ اول خواجہ  
حیدر علی آتش بطبق فرمایش شفیقِ دلی ، برگزیده ازلی ، فیاض فتوت  
متملی شیخ رجب علی سلمہ اللہ القوی ، در کارخانہ من ہیچمدان بندہ  
سراپا خطا و نسیان علی بخش خان در ماہ ذی الحجہ ۱۲۶۷ ہجریِ حلیہ  
انطباع در برگرفته مطبوع طبایع خاص و عام گردید ۔

(حاشیہ پر ہے) :

قطعه تاریخ از نتائج افکار محبِ دلی شیخ اشرف علی

المتخلص بہ اشرف

نبود در جہاں نظیر و عدیل  
بحر جود و سخا و فیض و ہم  
آنکہ اسمش دو لطف می دارد  
از رجب وز علی شدہ باہم  
خواست دیوانِ آتشِ مرحوم  
کہ شود طبعِ بارِ دیگر ہم  
ز علی بخش خانِ نیک نہاد  
کرد ایما بہ طبعِ آن پیہم

به ظهور آمد آنچه دل می خواست  
 مشتری شد ز نقد دل عالم  
 چرخ چارم زمین شعر گرفت  
 لطف برداشت عیسیٰ مریم<sup>۴</sup>  
 فکر تاریخ چون نمود اشرف  
”مخزن شعر“ خامه کرد رقم

۵۱۲۶۷

ایضاً

گر . . . . اقلیم سخن کہیے بجا ہے  
 استاد ہے ، عالی ہے بہت پایہ آتش  
 دیواں جو چھپا منہ سے یہ نکلی مرے تاریخ  
 مطبوع ہوا طبع کے سرمایہ آتش  
 (۵۱۲۶۳)

تمت

تمام شد

تاریخ وفات خواجہ حیدر علی آتش ، از طبع دبیر ے نظیر  
 منشی مظفر علی اسیر

دلہ از مرگ آتش بود غم کش  
 ز آتش یافتم تاریخ آتش  
 ز غم ”تا“ و ”الف“ خود را نہ تا ساخت  
 تپش از دامن شیں نقطہ انداخت

۵۱۲۶۳



قطعهٔ تاریخ دوست سراسر ذوق میر ولد حسن فوق

خواجہ صاحب نے قضا کی جس گھڑی  
دارِ فانی سے سوئے کوثر گئے  
فوق نے تاریخ برجستہ کہی  
لکھنؤ میں نام آتش کر گئے  
۱۲۶۳ھ

تاریخ وفات از طبع وقاد و اعراف منشی اشرف علی اشرف  
در بحرِ معانی خواجہ آتش  
سوئے ملکِ عدم فرمود رو حیف  
ز ہاتفِ سالِ رحلت جست اشرف  
بگفتا "انتخابِ لکھنؤ حیف"  
۱۲۶۳ھ

ایضاً

ناظمِ ملکِ نظم آتش بود  
کرد در گلشنِ جنان مسکن  
از سرِ آہ سالِ رحلتِ او  
گفت ہاتفِ ببرد شاہِ سخن  
۱۲۶۳

نثر خاتمہ ریختہ کلک گوہر سلک ، پسندیدہ درگاہِ الہی  
مولوی محمد معشوق علی سلمہ اللہ تعالیٰ

حمد و ثنا مر خالقِ ارض و ما را سزااست کہ بیتِ وجودِ کائنات  
را بشیرازہ بندیِ ارکانِ رباعی عناصرِ جلوۂ تزیین بخشیدہ - و درود محمود



نامحدود نثار بارگاه صدر آرا که از مطلع دیوان نبوتش و مقطع قصیده  
رسالتش مجموعه جریده عالم خلعت آفرینش و دولت جمعیت در بر  
گرفته - و آل و اصحاب کالنجومش که تقطیع بحر طویل شریعت غترا را  
بدرخشانیدگی شمشیر بتران بنظم عالم و انتظام عالم يعلم در داده -  
امابعد ، می گوید فقیر ژولیده بیان ، امیدوار مغفرت ایزد منان  
مستدعی عطایای لم یزلی محمد معشوق علی حفظه الله عن ذنبه الخفی و  
الجلی که چون کلیات سر دفتر شعرای عصر و سر منشاء فصیحای دهر  
که در علم و عمل چشمه فیض ذاتش ، خواجه حیدر علی آتش شاعر  
خوش خرام روضه جنان یادگار گذارنده مضامین آبدار گهر افشان اگرچه  
سابقا روبرو مصنف زیب طبع یافته بود مگر تاحال ازاں شایقان راغب  
و متلاشیان طالب بودند - بار دیگر از الهامات غیبی و فتوحات لاریبی  
در لوح دل صافی منزل ، خان سمو المکان ، مجسم اخلاق بے پایان ،  
سراپا مروت ، عین احسان ، علی بخش خان عفاه الله المنان -

بفرمائش - شیخ پیر معارف ، عارف با وظائف فیاض فتوت ممثلی  
شیخ رجب علی سلمه الله العلی و حبیب با خلیق (؟) و رفیق سر امر شفیق  
حکیم شیخ احمد بخش سلمه الله و ابقاه -

چنان منقش گردیده که آنچه روبروی مصنف زیب طبع شده باشد  
سوای آن هر قدر غزلیات و غیره که بعد ازاں مرتب شده باشند ، آنهم  
جمع نموده آرایش طبع دهد - چنانچه بسعی موفور و کوشش مشکور غزلیات  
بقیه را در دیوان دوم اضافه نموده کلیات خوش اسلوب بطرز مطلوب  
و اسلوب مرغوب (با) قطعات وفات مصنف ترتیب داده -



بتاریخ۔۔ پانزدہم جمادی الاولیٰ ۱۲۶۸ ہجری حلیہ اختتام پذیرفتہ  
زیب دہ محفلِ سخن گردیدہ۔

تاریخ طبع از سہر سپہر جلال امیر علی خان ہلال  
کیا کلام بے تکلف ہے کہ وقتِ استماع  
کہتے ہیں بے ساختہ اربابِ محفل واہ واہ  
طبع کی تاریخ کا لکھتا ہے یہ مصرع ہلال  
چھپ چکا اب کلیاتِ آتش اے دل! واہ واہ

۱۲۶۸ھ

تاریخ طبع از منشی اشرف علی اشرف  
یکتاے وقت خواجہ آتش بے مثل  
شاعر ایسا جہاں میں نادر اور شاذ  
اشرف! دیوان چھپا جو ان کا، میں نے  
لکھی تاریخ ”ہے کلامِ استاد“

۱۲۶۸ھ

